جدید فقہی مباحث

موجودہ اہم سماجی مسائل کے حل کیلئے

وقف کی اہمیت اور طریقۂ کار

بحث و تحقیق

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

بانی

حضرت مولانا قاضی مفتی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد (۲۲)

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

أشهد أن محمدا رسول الله

فہرست مضامین

مختصر تحریری آراء:

☆☆☆

ابتدائیہ

شریعت کے تمام احکام کی بنیاد دو باتوں پر ہے: خالق کی اطاعت وبندگی اور مخلوق کے ساتھ محبت وحسن سلوک۔ خدا کی بندگی تو انسانیت کا اولین مقصد ہے: "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (سورۂ ذاریات:۵۶) لیکن اس کے ساتھ ساتھ مخلوق خداوندی کی خدمت اور اس کے ساتھ محبت اور بہتر برتاؤ کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کے اچھے ہونے کے لئے حسن اخلاق ہی کو معیار بنایا ہے، بلکہ غور کریں تو عبادت اور خدمت خلق کو شریعت میں بعض موقعوں پر ایک ہی درجہ دیا گیا ہے، چنانچہ بعض کفارات میں روزے واجب ہیں اور اگر روزے نہ رکھے جاسکیں تو ہر روزہ کے بدلہ ایک دن کا کھانا کھلانا واجب ہے۔

خدمت خلق کی ایک صورت وقتی ہے اور ایک دیرپا اور دائمی ہے، یہ دوسری صورت افضل ہے جس کو حدیث میں صدقہ جاریہ کہا گیا ہے۔ صدقہ جاریہ کی ایک صورت وقف بھی ہے، یعنی کوئی شی کسی کار خیر کے لئے اس طرح مخصوص کی جائے کہ اصل شی باقی رہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع اس مد میں خرچ ہوا کرے۔ وقف کے اس طریقہ کو علماء مغرب نے اسلام کی خصوصیات اور فقہ اسلامی کے امتیازات میں شمار کیا ہے۔ وقف کی اصل رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور عمل میں موجود ہے۔ صدقہ جاریہ کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد جیسا کہ مذکور ہوا، وقف کے مشروع ہونے کی بنیاد ہے، اسی طرح وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے اپنے

متروکات کے میراث ہونے کی نفی فرمائی، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ کا پورا ترکہ وقف علی اللہ تھا پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہاں غیر منقولہ اموال میں وقف کی واضح صورتیں موجود ہیں۔

اسلامی تاریخ میں بعد کے ادوار میں مسلمانوں میں وقف کا عام ذوق پیدا ہوا اور جہاں لوگوں نے مسجدوں، مدرسوں اور قبرستانوں پر وقف کیا، وہیں رفاہی کاموں پر بھی کثرت سے وقف کیا گیا، اس میں یتیموں، بیماروں، مسافروں، بیواؤں اور بوڑھوں پر وقف شامل ہے، یہاں تک کہ مریضوں کے تیمارداروں پر بھی بعض لوگوں نے وقف کیا اور پرندوں کی غذاؤں کے لئے بھی وقف کیا گیا۔

اس وقت مسلمان جس معاشی زبوں حالی اور تعلیمی پس ماندگی سے دوچار ہیں، اوقاف کے ذریعہ ان کو بہتر طور پر دور کیا جا سکتا ہے، اس کے لئے ایک طرف موجودہ اوقاف کو نفع آور بنانے اور ان کا صحیح استعمال کرنے کی ضرورت ہے اور دوسری طرف تعلیمی اور رفاہی اغراض کے لئے نئے اوقاف قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ خود ہمارے ملک ہندوستان میں اگر مسلمانوں کے اوقاف بے جا تصرف و تغلب سے آزاد ہو جائیں اور نیک نیتی کے ساتھ ان کو نفع آور بنایا جائے اور تعمیری مقاصد میں ان کا استعمال کیا جائے تو بہت سی دشواریاں حل ہو سکتی ہیں اور مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم و تربیت، بیواؤں، یتیموں اور دوسرے بے سہارا لوگوں کی مدد کا بڑا کام انجام پا سکتا ہے۔

اسی لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) شروع سے اوقاف کے مسائل پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہے۔ اکیڈمی کے بانی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے اس موضوع پر بعض اہم مقالات سپرد قلم فرمائے ہیں، جو اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ اکیڈمی نے

اپنے دسویں فقہی سیمینار منعقدہ ممبئی بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں اوقاف کے مسائل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ بحث کا موضوع بنایا تھا، جس میں اوقاف سے متعلق موجودہ دور میں پیش آنے والے مشکل مسائل اور ہندوستان کے پس منظر میں پیدا ہونے والی مختلف پیچیدگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے بڑے اہم سوالات مرتب کیے گئے تھے۔ اس سیمینار میں ملک و بیرون ملک کے موقر علماء شریک ہوئے اور انہوں نے ایسی تجاویز منظور کیں جن میں موجودہ مشکلات کا حل بھی ہے، وقف کے سلسلہ میں شریعت کی بنیادی تعلیمات اور اصول و مقاصد کی پوری پوری رعایت بھی اور توازن و اعتدال بھی۔ ان مقالات کا مجموعہ اردو میں اور ان میں سے منتخب مقالات اور علماء ہند کی آراء کا خلاصہ عربی میں اکیڈمی کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

چودہویں فقہی سیمینار منعقدہ حیدرآباد میں وقف کے مسئلہ کو ایک اور پہلو سے زیر بحث لایا گیا اور وہ یہ کہ موجودہ دور میں مسلمانان ہند کے مسائل کے حل کے لئے کس طرح کے اوقاف قائم ہونے چاہئیں؟ اس موضوع پر جو تحریریں سیمینار میں آئیں وہ موجودہ حالات کے پس منظر میں بڑی ہی چشم کشا ہیں۔ ان ہی مقالات اور مختصر تحریروں کا یہ مجموعہ آپ کے سامنے پیش ہے۔ ان میں زیادہ تر تحریریں تو وقف کی ترغیب اور موجودہ حالات میں وقف کی ضروری اور اہم جہات کی تعیین پر مشتمل ہیں اور وزارت اوقاف حکومت کویت سے وابستہ ایک عرب فاضل ڈاکٹر عبدالغفار شریف کی گفتگو فقہی پہلو پر ہے۔ بہر حال یہ مجموعہ اپنے موضوع پر بڑی اہمیت کا حامل ہے اور گویا وقف سے متعلق مجلد کا تکملہ ہے جو اس سے پہلے اکیڈمی کی جانب سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

قارئین کو عزیزی محمد ہشام الحق ندوی (رفیق شعبہ علمی امور) کو شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہتر طور پر اس مجموعہ کی ترتیب کی خدمت انجام دی ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس

کوشش کو قبول فرمائے اور اس سے مسلمانوں کو اوقاف کو نفع آور بنانے اور نئے اوقاف قائم کرنے کے سلسلے میں روشنی ملے۔ واللہ ہو الموفق۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(بحرین سفر جاری)

۲؍صفر المظفر ۱۴۲۸ھ

۲۰؍فروری ۲۰۰۷ء

☆☆☆

پہلا باب

سوالنامے اور قضیے

اکیڈمی کا فیصلہ:

وقف

وقف کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور وقف کے ذریعہ بڑے بڑے تہذیبی وتمدنی، ثقافتی اور رفاہی کارنامے انجام دیے گئے ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیمینار نے درج ذیل امور طے کئے ہیں:

۱- ہندوستان میں مسلم اوقاف کو سرکاری وغیر سرکاری ناجائز قبضوں سے واگذار کرنے، اور وقف کی جائیداد کو جدید امکانات اور شرعی ضابطوں کی رعایت کرتے ہوئے بڑھانے، نفع آور بنانے اور ان کی سرمایہ کاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی کے لئے نئے اوقاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳- ضرورت مند طلبہ کی اعانت اور ان کے لئے اسکالرشپ وغیرہ کی فراہمی کے لئے "اوقاف برائے تعلیمی امور" قائم کیا جائے۔

۴- دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی تقویت کے لئے "اوقاف برائے دینی مراکز" کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۵- ان تمام شعبوں کے لئے اہل خیر حضرات کو چاہئے کہ دل کھول کر حصہ لیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

کی حاجت روائی کرنے اور اصحاب علم وفضل کا معاشی تکفل کرنے میں اسلامی اوقاف کا بہت اہم رول رہا ہے، ہر دور میں باتوفیق اہل ثروت مسلمان مختلف دینی، علمی، سماجی ورفاہی مقاصد کے لئے چھوٹے بڑے اوقاف قائم کرتے رہے اور ان اوقاف کے ذریعہ بہت سے وہ کام انجام پاتے رہے جنہیں دور حاضر میں وزارت تعلیم، وزارت صحت وغیرہ انجام دیا کرتی ہیں۔

اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ قدیم اوقاف کی حفاظت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں نئے اوقاف قائم کرنے کا رجحان پیدا کیا جائے بلکہ اس رجحان کو مہمیز کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ وقف کی یہ سنت (جس میں مسلم سماج بلکہ انسانی سماج کے لئے بے شمار فوائد ہیں) مسلسل فروغ وترقی پاتی رہے۔ دور حاضر میں ایسے مختلف میدان ملکی وعالمی سطح پر ظاہر ہو چکے ہیں جن کے لئے اوقاف قائم کرنے اور ان کا مستحکم نظام بنانے کی ضرورت ہے۔ اس احساس کے ساتھ درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں، تاکہ ان کے بارے میں آپ کے مطالعہ وفکر سے استفادہ کیا جائے اور ان کی روشنی میں کچھ ایسی تجاویز چودھویں فقہی سیمنار میں پیش کی جاسکیں جو اوقاف کے سلسلہ میں امت کی بہترین رہنمائی کرسکیں۔

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

موجودہ دور میں ایک اہم مسئلہ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا ہے جو معاشی طور پر انتہائی کمزور اور بے سہارا ہوتی ہیں، اسلام کا نظام نفقہ مسلم سماج میں رائج نہ ہونے کی وجہ سے وہ اعزہ واقرباء بھی جن پر یہ معاشی کفالت لازم ہے اور وہ معاشی طور پر ایسی عورتوں کی کفالت کرسکتے ہیں، اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب خاندانوں ہی کی نہیں بلکہ بعض اوقات معزز اصحاب ثروت خاندانوں کی مطلقہ اور بیوہ عورتیں معاشی بدحالی کا شکار ہوتی ہیں، ان کی اس بدحالی سے فائدہ اٹھا کر انہیں معاشی خوشحالی کا سنہرا خواب دکھا کر غلط راہوں پر ڈالا جاتا ہے، بعض اوقات آزادی نسواں کا نعرہ بلند کرنے والی بعض تنظیمیں انہیں اچک لیتی ہیں اور ان کے ذریعہ ملکی

عدالتوں اور قومی پریس میں اسلامی تعلیمات کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ کیا ان حالات میں مناسب نہ ہوگا کہ ملک کے مختلف شہروں اور علاقوں میں ایسے اوقاف قائم کئے جائیں جن کے ذریعہ ایسی فقر و فاقہ سے دوچار پریشان حال عورتوں کا باعزت معاشی تکفل ہو اور انہیں در در کی ٹھوکریں کھانے سے بچایا جا سکے۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

مسلمانوں میں تعلیم کا تناسب دوسری قوموں سے بہت کم ہے، جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے مسلمان قسم قسم کی سماجی خرابیوں میں مبتلا ہیں، اس بات کا عام احساس ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم کا فیصد بہت کم اور تعلیم کا معیار دوسری اقوام سے کافی پست ہے، دینی تعلیم سے ہمارے بہت سے بچے محروم رہتے ہیں اور عصری تعلیم کے میدان میں بھی ان کا معیار کافی پست ہے، حالانکہ اللہ کی دی ہوئی ذہانت اور علمی و فکری صلاحیتیں اس امت کے بچوں اور نوجوانوں میں دوسری اقوام سے ہرگز کم نہیں ہیں، عام طریقہ سے معاشی بدحالی کی وجہ سے ہمارے ذہین ترین بچے جو علم کے مختلف میدانوں میں نئے انکشافات کر سکتے ہیں زیور تعلیم سے آراستہ نہیں ہو پاتے، اس تناظر میں اس بات کا احساس بار بار ہوتا ہے کہ کاش تعلیمی مقاصد کے لئے ہمارے پاس منظم اوقاف ہوتے اور ان کا بہترین نظم و نسق ہوتا تا کہ ہمارا کوئی بچہ معاشی کمزوری کی وجہ سے دین و دنیا کی تعلیم سے محروم نہ رہے اور اپنے ذہین ترین بچوں کو اعلی تعلیم کے لئے ہم ایسے تمام وسائل فراہم کر سکیں جن کی مدد سے وہ مقابلہ کی اس دوڑ میں دوسری اقوام سے بازی لے جا سکیں، اس پس منظر میں آپ سے گذارش ہے کہ تعلیمی اوقاف کی اہمیت اور اس کی مختلف شکلوں کے بارے میں آپ کے ذہن میں جو باتیں ہوں وہ تحریر فرمائیں۔

ر۔ دں کے لئے اوقاف

دور حاضر میں انسانی آمدنی کا ایک بڑا حصہ علاج معالجہ پر خرچ ہورہا ہے، دن بدن علاج مہنگا ہوتا جارہا ہے، خوش حال لوگوں کے لئے بھی علاج معالجہ کے اخراجات ادا کرنا مشکل ہورہا ہے، خاص طور سے بعض انتہائی مہلک اور سنگین امراض (مثلاً کینسر، ایڈز وغیرہ) کے دوا علاج کے مصارف غیر معمولی ہوتے ہیں، جن کا علاج سماج کے متوسط طبقہ کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا، ہمارے سماج میں ایسے مریضوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے جو اپنے دوا علاج سے عاجز ہوتے ہیں، اسلام دین رحمت ہے، انسانوں کی خدمت اور راحت رسانی اس کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے، مسلم عہد حکومت میں مریضوں کے لئے بھی اوقاف قائم کئے جاتے تھے، اب اس میں بہت کمی آگئی ہے، اس بات کی ضرورت کا شدت سے احساس عام طور پر کیا جارہا ہے کہ ایسے مریضوں خصوصاً کینسر وغیرہ جیسے سنگین امراض میں مبتلا مریضوں کے لئے جو علاج معالجہ کے مصارف اٹھانے پر قادر نہیں ہیں، مختلف اوقاف قائم کئے جائیں، ان کے تحت اسپتال، طبی مراکز وغیرہ قائم ہوں جہاں علاج معالجہ کا اطمینان بخش نظم ہو، طب وصحت کے میدان میں اوقاف قائم کرنے اور ان کا نظم ونسق چلانے کے بارے میں کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں جو تجاویز آپ کے ذہن میں ہوں انہیں تحریر فرمائیں۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اوپر ذکر کردہ مقاصد کے علاوہ اور مختلف مقاصد مثلاً تبلیغ ودعوت، صحافت وابلاغ، دفاع عن الدین وغیرہ کے لئے مختلف قسم کے اوقاف قائم کئے جاسکتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ دور حاضر کے حالات اور تقاضوں کی روشنی میں جن مقاصد اور جن کاموں کے لئے اوقاف قائم کئے جانے کی ضرورت ہے اور ان اوقاف کو زیادہ سے زیادہ مفید اور ثمر آور بنانے کے لئے جو

طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں ان کی نشاندہی کی جائے اور اس سلسلہ میں اپنی قیمتی تجویزات و آراء سے استفادہ کا موقع دیا جائے۔

☆☆☆

دوسرا باب

وقف سے متعلق تمہیدی نکات

اوقاف سے متعلق شرعی احکام میں اجتہاد کی ضرورت

ڈاکٹر محمد عبد الغفار شریف ☆

فلاسفہ کہتے ہیں کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ یہ انسانی معاشرہ کا دستور ہے، خواہ اس میں مسلمان رہتے ہوں یا غیر مسلم۔ یہی ضرورت علماء کو اجتہاد پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باغیوں اور رہزنوں وغیرہ سے متعلق بیش تر احکام صحابہ کرام کے درمیان ہونے والی جنگوں یا ان کے اور خوارج کے درمیان ہونے والی جنگوں کے نتیجہ میں وجود میں آئے۔ آپ تمام حضرات کو معلوم ہے کہ جب امام شافعی عراق سے مصر تشریف لے گئے تو ان کی بہت سی آراء تبدیل ہوگئیں۔ دلائل اور اصول تو پرانے ہی تھے البتہ بعض ان نئے واقعات، نئے عرفوں اور ان جدید امور کی وجہ سے جو حجاز اور عراق میں انہیں پیش نہیں آئے تھے اور مصر میں ان کو ان سے سابقہ پیش آیا، انہوں نے بہت سے دلائل پر ازسرنو غور کیا اور ان کے سامنے بہت سے ایسے دروازے کھلے جو اب تک نہیں کھلے تھے، ان ہی میں سے احکام وقف میں واقع ہونے والا تغیر بھی ہے، اسی لئے وقف کے مؤبد اور مؤقت ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور کی رائے یہی ہے کہ وقف مؤبد ہوگا، امام اعظم کے نزدیک وقف مؤقت بھی ہوسکتا ہے البتہ انہوں نے بعض مسائل مثلاً مساجد

☆ سکریٹری جنرل اوقاف پبلک فاؤنڈیشن حکومت کویت

اور مقابر وغیرہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اسی طرح اشیاء منقولہ نقود اور منافع کے وقف میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا ہے۔ امام مالک کے نزدیک جمہور فقہاء کے برعکس کوئی چیز کرایہ پر لے کر اس کی منفعت وقف کی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک وقف کے لئے عین کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔

سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں، اسی طرح مصر کے مملوکی عہد میں جب حکومت کمزور ہوئی تو بہت سے اوقاف ضائع ہوگئے، ان اوقاف کے ذریعہ کسی زمانہ میں مدارس اور شفاخانے اور بہت سے معاشی، سماجی، صحتی اور تعلیمی امور انجام پاتے تھے۔ مسلمان اتنے تہذیب یافتہ تھے کہ انہوں نے جانوروں پر بھی جائدادیں وقف کی تھیں۔ دمشق میں اس وقت جو میونسپل اسٹیڈیم ہے وہ کسی زمانہ میں مجاہدین کے بیمار اور بوڑھے گھوڑوں پر وقف تھا۔ اسے " ارض المرجۃ" کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد کے دور میں مسلمانوں کے اوقاف ضائع ہوگئے، اس کے اسباب کا علم مجھے ونشریسی کی کتاب "المعیار المعرب فی فتاوی علماء افریقیہ والمغرب" کے ذریعہ ہوا۔ یہاں افریقہ سے مراد تیونس ہے۔ اسے افریقہ اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ افریقہ کا باب الداخلہ تھا۔ اندلس کے تاجر پورے یورپ اور افریقہ میں اپنے تجارتی سامان برآمد کرتے تھے، یہ تجارتی سامان بندرگاہوں پر آتے تھے۔ اس زمانہ میں ان پر کسٹم ڈیوٹیز لگائی جاتی تھیں، کبھی کبھی یہ ٹیکس سامان کی قیمت سے بڑھ جاتے تھے، تاجروں نے اس سلسلہ میں غور کیا اور اپنے سردار شاہ بندر سے مشورہ کیا، اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ ایک فنڈ قائم کیا جائے اور اس کے ذمہ دار شاہ بندر ہوں گے۔ ہر تاجر اس میں ایک متعین فیس جمع کرے گا۔ اگر کوئی تاجر کسی حادثہ سے دوچار ہو جائے یا بھاری ٹیکسوں کی زد میں آجائے تو اس ٹیکس کی ادائیگی اس فنڈ سے کی جائے گی۔ اس فنڈ میں ترقی ہوئی اور اب انہوں نے اس کے مال میں سرمایہ کاری شروع کردی۔ اس فنڈ میں سرمایہ کاری کرنے والوں نے اندلس کے علماء سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ

وقف ہے۔ اس طرح کمرشیل انشورنس اور سرمایہ کاری انشورنس کا آغاز ہوا، یہ دور آج دوا ادھر ادھر نے گیا، یورپ بہت بعد میں اس سے واقف ہوا، حالیہ دور میں یہی چیز ہمارے پاس دوبارہ مغرب سے آئی۔

سلطنت عثمانیہ کے زوال کے نتیجہ میں اوقاف کے زوال پذیر ہونے کی وجہ سے علماء نے اوقاف کے سلسلہ میں اجتہاد کے ذریعہ نئے احکام مستنبط کئے جیسے اُحکار اور اجارتین وغیرہ عقود کے احکام، وقف کے تحت تر احکام اجتہادی ہیں جو مصالح اور قواعد پر مبنی ہیں۔ کویت میں جب امانت عامہ برائے اوقاف کا قیام ہوا تو اس وقت اوقاف کی صورتحال یہ تھی کہ ایک طویل عرصہ تک کئی کئی سال کی آمدنی بمشکل چار فیصد ہو پاتی تھی یعنی سالانہ آمدنی صفر تھی، اوقاف کی عمارتیں تھیں، ان کا کرایہ آتا تھا اور اپنے شرعی مصارف میں خرچ ہو جاتا تھا، عمارتوں کے قدیم ہونے کی وجہ سے کرایہ دار بھی ان کو کرایہ پر لینے کی طرف راغب نہیں ہوتے تھے، وزارت اوقاف کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ ان عمارتوں کو از سر نو تعمیر کرتی اور ان کو ترقی دیتی، ایسی صورت میں عالم اسلام کے دوسرے حصوں کی طرح ہم بھی ان عمارتوں کو نہایت معمولی کرایہ پر لگا دیتے تھے، حکمت مؤمن کی گمشدہ مال ہے۔ ہمارے دوست امریکہ اور برطانیہ گئے، وہاں انہوں نے ٹرسٹ کا نظام دیکھا، ٹرسٹ کا نظام وقف سے ملتا جلتا ہے، یہ اسلامی نظام سے ماخوذ ہے، یہ ٹرسٹ رفاہی ہوتا ہے، اس میں رقوم جمع کی جاتی ہیں اور تمام شعبوں میں ان کی سرمایہ کاری ہوتی ہے، مغرب کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں کیمبرج اور ہارورڈ وغیرہ سب وقف ہیں، البتہ انہیں تجارتی ذہن اور سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے چلایا جاتا ہے، اس میں غریب طلبہ کی امداد کا بھی فنڈ ہے۔ ان اوقاف کی آمدنیاں ان ہی جامعات میں صرف ہوتی ہیں، ہمارے دوستوں نے اس مغربی تجربہ سے فائدہ اٹھایا اور ملیشیا گئے، وہاں انہوں نے نہایت ترقی یافتہ پروجیکٹ دیکھا، اس کا نام ہے: ''تابونگ حجی'' یہ ملیشیائی باشندوں کا ادارہ ہے، ملیشیا کے مسلمان باشندے اجتماعی

مفلوک الحال تھے، تجارت چینیوں کے ہاتھ میں تھی اور صنعت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں جن میں سے بیشتر غیر مسلم تھے۔ مسلمان یا تو حاکم تھے یا مزدور، ایک چھوٹا سا طبقہ اقتدار میں تھا اور بیشتر لوگ چینیوں کے ہاں مزدوری کرنے والے تھے، یہ حج کی آرزو رکھتے تھے مگر ان کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے، اس صورت میں انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ہم ہر اس شخص سے جو حج کی آرزو رکھتا ہو ماہانہ یا اس کی استطاعت کے مطابق ایک متعین قسط جمع کرائیں، پھر ان رقوم کو اکٹھا کرکے ایک فنڈ قائم کریں اور ان سے سرمایہ کاری کریں پھر ہر سال دس افراد کو، بیس افراد کو، سو آدمیوں کو حج کرائیں، جس کا نمبر آجائے وہ ان پیسوں سے حج کرے اور بقیہ پیسے بعد والوں کے لئے وقف رہیں۔

آج یہ ادارہ "تابونگ حجی" ملیشیا کا سب سے بڑا اقتصادی ادارہ ہے، بڑی بڑی کمپنیاں چلاتا ہے، بہت سی کمپنیوں میں شراکت دار ہے، ملیشیا میں اس نے متعدد اسلامی بینک قائم کئے ہیں اور اپنے ملک کی ایک قابل لحاظ اقتصادی قوت بن کر ابھرا ہے۔ جو شخص بھی کوئی اسلامی کمپنی قائم کرنا چاہتا ہے وہ "تابونگ حجی" کو اپنا شراکت دار بنانا چاہتا ہے۔

یہ سوچ کویت منتقل ہوئی، جب دوستوں نے ان دو تجربات ایک اسلامی اور ایک مغربی کی روشنی میں اموال وقف کو فروغ دینے کے لئے ایک ادارہ قائم کرنے پر غور کیا تو انہوں نے دیکھا کہ وقف کے بیشتر اموال تعمیر نو اور استبدال کے متقاضی ہیں۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ فقہاء دو اتجاہوں پر ہیں: ایک اتجاہ یہ ہے کہ وقف کا استبدال کسی حال میں جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر وقف کوئی عمارت ہو اور وہ منہدم ہو جائے، قابل استعمال نہ رہے تو اسے بیچنا جائز نہ ہوگا۔ وہ اسی حال میں چھوڑ دی جائے گی نہیں معلوم کہ کب اور کون اس کی از سر نو تعمیر کرے گا۔ اس رائے کی وجہ سے بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے۔ اس کے برعکس بعض فقہاء (حنابلہ) کی رائے یہ ہے کہ اگر وقف کی کوئی چیز یہاں تک کہ مسجد بھی قابل استفادہ نہ رہ جائے یا منہدم ہو جائے تو اسے بیچ

کر اس کی قیمت کسی دوسری جگہ میں موجود کسی مسجد میں صرف کی جا سکتی ہے، بلکہ بعض علماء حنابلہ جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قاضی الجبل کی رائے یہ ہے کہ ایک کم فائدہ وقف کو دوسرے زیادہ نفع والے اور بہتر وقف سے بدلنا بھی جائز ہے، اس بات کا تعین کہ زیادہ نفع کس وقف میں ہے یا تو قاضی کے مشورہ سے وقف کا متولی کرے گا یا یہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروط ہوگا۔ استبدال کا جواز علی الاطلاق نہیں ہے ورنہ وقف ایک کھلواڑ بن جائے گا۔

اس سلسلہ میں مناسب طریقہ کار اختیار نہ کرنے ہی کی وجہ سے اردن، فلسطین اور ہندوستان کے بہت سے اوقاف ضائع ہو گئے، فلسطین کے بہت سے مقدسات کی دیکھ ریکھ کے لئے وہاں کی وزارت اوقاف اور اسلامی بینک کے درمیان تعاون کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس مقصد کے لئے مقارضہ یا مضاربہ بانڈز کا طریقہ اختیار کیا گیا جو اصلاً اگرچہ تجارت کے ساتھ خاص ہے مگر بہت سے فقہی اجتہادات کی رو سے غیر تجارتی معاملات میں بھی درست ہے۔

ہم لوگ ہمیشہ اپنی اکیڈمیوں، اداروں، دارالافتاءات یہاں تک کہ اسلامی کمپنیوں کے شرعی بورڈس میں کسی ایک مسلک کی پابندی نہیں کرتے، ہم جملہ اسلامی مسالک سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کے اجتہادات کے دائرہ سے نہیں نکلتے، ہم ان مسالک اور اجتہادات سے زمان ومکان کے مناسب حال آراء کو لے لیتے ہیں، بشرطیکہ وہ نص صریح سے متصادم نہ ہوں، نص صریح میں تاویل کا امکان نہیں ہوتا اور ایسی نص کبھی بھی کسی اصولی یا فقہی قاعدہ سے متصادم نہیں ہو سکتی ہے۔

الحمد للہ ہم نے محسوس کیا کہ اس طریق کار سے اوقاف کو بہت ترقی دی جا سکتی ہے، ہندوستان، فلسطین اور اردن کے بہت سے وہ اوقاف جو تعمیر نو یا سرمایہ کاری کے متقاضی ہیں، آئی ڈی بی وغیرہ کے تعاون سے ان کے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے مقارضہ بانڈز کی صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں وزارت اوقاف یا اوقاف مینجمنٹ کی حیثیت

مضارب کی ہوگی، یہی ادارہ لوگوں سے مال اکٹھا کرے گا اور اس کے سلسلہ میں بانڈز جاری کرے گا، یہ بانڈز ایسے ہی ہوں گے جیسے کمپنی کے شیئرز۔ اگر نقود کی صورت میں ہوں گے تو ان پر بیع صرف کے احکام منطبق ہوں گے اور اگر دیون کی صورت میں ہوں تو ان میں دین کے احکام جاری ہوں گے۔ اگر نقود اور دیون کا مجموعہ ہوں گے تو حکم میں اعتبار غالب حصہ کا ہوگا۔ ان اموال سے ہم اوقاف کو فروغ دے سکتے ہیں، ایسی آمدنیوں کا ایک حصہ بانڈز کے مالکان کو ملے گا۔ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ بانڈز کے مالکان اپنے بانڈز فروخت کرنا چاہیں اور وقف انہیں خرید لے۔ اس طرح وقف کے حصص بڑھ جائیں گے اور ان سے مزید سرمایہ کاری کی جاسکے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ وقف کی اصل پوزیشن بحال ہو جائے گی اور شرکاء اپنے اپنے منافع لے کر سرمایہ کاری سے علاحدہ ہونا چاہیں تو علاحدہ ہو سکیں گے۔

اس وقت وزارت اوقاف کویت نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اس کے پاس تقریباً ایک سو ساٹھ ملین کویتی دینار کے برابر اثاثہ جات اور نقد رقوم ہیں۔ کوئی بھی شخص اگر کوئی اسلامی کمپنی قائم کرنا چاہتا ہے تو اس کو شراکت کی دعوت دیتا ہے۔ ہم کمپنیوں میں شامل ہوتے ہیں، کبھی کبھی ہم مینجمنٹ میں بھی شریک ہوتے ہیں، کمپنیاں قائم کرتے ہیں اور دوسری کمپنیوں پر اپنی شرطیں عائد کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں، اس طرح وقف ان کمپنیوں میں سب سے مضبوط شراکت دار ہوتا ہے۔ اس سے وقف کو ایک ایسی آمدنی حاصل ہوتی ہے جو عمارت کے علاوہ ہوتی ہے، الحمد للہ ہم نے اس سلسلے میں علماء اور فقہی اکیڈمیوں کے فتاوی حاصل کر لیے ہیں کہ اگر کسی وقف کی آمدنی اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اسے یوں ہی چھوڑنے کے بجائے اس سے سرمایہ کاری کی جائے، ان کو یوں ہی رکھ چھوڑنے سے ان کی قوت خرید میں کمی آتی جائے گی اور وقف کا نقصان ہوگا۔ ہم ان رقوم سے کمپنیوں کے شیئرز خرید لیں گے۔ کیونکہ مرکزی بینک کی نظر میں کمپنیوں کے شیئرز نقد رقوم کے مثل ہیں۔ ہم اسے کسی وقت بھی فروخت کر سکتے ہیں اور ان کی اچھی سے اچھی

قیمت ہمیں مل سکتی ہے، اس طریقہ کار سے نہ صرف اصل سرمایہ آمدنی میں اضافہ کا باعث ہے بلکہ ایک آمدنی خود دوسری آمدنی کے حصول کا قوی ذریعہ ہے۔ اس طرح اللہ کا شکر ہے کہ اوقاف کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوا ہے۔

اوقاف کو فروغ دینے کے لئے وسیع تناظر میں نئے طریقوں پر ہمیں غور وفکر کرتے رہنا چاہئے۔ ہم نے عقد انتفاع کا بھی استعمال کیا، اس سے اسلامی کمپنیوں کو بڑے منافع حاصل ہوئے۔ ہمیں تعصب سے بچتے ہوئے اوقاف کے نئے مسائل کو فقہی اصولوں کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس وقت نوجوانوں کی شادی کے لئے بھی اوقاف کا قیام ہونا چاہئے، اگر ہندوستان کے اوقاف کی سرمایہ کاری باہر کے ملکوں میں براہ راست ممکن نہ ہو تو مختلف رفاہی اور فلاحی تنظیموں مثلاً جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری وغیرہ کے توسط سے یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ تنظیمیں سرمایہ کاری کریں گی اور آپ کے منافع آپ کو ادا کریں گی۔ اگر قانون سماجی مفادات کا تحفظ نہ کر رہا ہو تو اس کے خلاف حیلہ اختیار کرنا شریعت کے منافی نہیں ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہم اسلام کے مصالح کے لئے باہم تعاون کریں گے۔

☆☆☆

[عربی سے ترجمہ: محمد ہشام الحق ندوی]

نئے اوقاف کا قیام: مسائل اور عملی تدابیر

مولانا عبدالحسن الحافی کویت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اوقاف کے مسائل سے خاص دلچسپی لی ہے۔ اکیڈمی کی طرف سے اس موضوع پر ایک مستقل سیمینار بھی منعقد ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں دو کتابیں بھی ایک عربی میں اور ایک اردو میں شائع کی گئی ہیں۔ اسی طرح اکیڈمی نے وقف کو فروغ دینے سے متعلق مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم کا ایک پمفلٹ بھی شائع کیا ہے۔

یہ وقت اوقاف سے متعلق فقہی احکام پر بحث و مناقشہ کا نہیں ہے۔ اس موقع پر چونکہ اوقاف پبلک فاؤنڈیشن حکومت کویت کے محترم آپ سکریٹری جنرل ہمارے درمیان موجود ہیں اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے گا اوقاف کو فروغ دینے سے متعلق ہم ان کے تجربات سے استفادہ کرنا چاہیں گے۔ محترم سکریٹری جنرل اس فن کے ماہر ہیں اور اس سلسلے میں ان کی رائے کا وزن ہے۔

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار اور مشہور اسلامی سیاحوں کے سفرنامے مثلاً سفرنامہ ابن بطوطہ اور سفرنامہ ابن جبیر وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ ماضی میں مسلم دنیا کی تحریک کو فروغ دینے میں اوقاف غیر معمولی طور پر موثر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں اوقاف میں اتنا تنوع رہا ہے اور دوسروں کو آرام پہنچانے کا اتنا انتظام و اہتمام رہا ہے کہ مغرب اپنی تمام تر ترقیات کے باوجود اس سطح تک نہیں آسکا ہے۔ مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے لئے اوقاف تو

مشہور بات ہے لیکن گمشدہ کتوں کی دیکھ ریکھ کے لئے یا بلیوں کو کھانا کھلانے کے لئے یا گھروں میں کام کرنے والے ان خادموں کے لئے اوقاف جن سے کام کے دوران غلطی سے برتن ٹوٹ جائیں اور مالک کی طرف سے غصہ میں انتقامی کاروائی کا اندیشہ ہو اپنی نظیر آپ ہیں۔ اس قسم کے اوقاف ایسی مشکل گھڑی میں ان بے سہارا لوگوں کی دل داری کے لئے کئے جاتے تھے۔ مغرب عربی کے ایک عالم نے دو جلدوں میں وقف کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اوقاف کی ان متنوع اقسام سے متعلق بہت سی معلومات جمع کردی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مصنفین نے اسپتالوں سے متعلق کئے گئے اوقاف پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا معیار اتنا ترقی کر گیا تھا کہ مریض کے شفایاب ہو جانے کے بعد اس کے لئے مخصوص کھانوں کے علاوہ اس کو ذہنی ونفسیاتی آرام پہنچانے کے لئے نغموں اور ترانوں کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ اسی طرح خلیفہ مامون کے عہد کی تمام علمی درسگاہیں اوقاف کے زیر انتظام تھیں اور اس وقت کی عالم اسلام کی تمام علمی وفکری، ثقافتی اور تہذیبی ترقیات اوقاف کی مرہون منت تھیں۔ اس کے بعد کے دور میں اوقاف زوال پذیر ہو گئے۔

دور حاضر میں متولی حضرات اور حکومتوں نے ان کا ناجائز استعمال کیا۔ ہندوستان پر آٹھ سو سال تک اسلام کی حکمرانی رہی۔ یہاں کی تمام ریاستوں بشمول حیدرآباد ودہلی کے شہروں اور دیہاتوں میں اوقاف کی بڑی بڑی جائدادیں موجود ہیں۔ ان تمام پر یا تو مختلف حکومتوں نے یا ان کے متولیوں نے جو بدقسمتی سے مسلمان ہی ہیں، غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ فقہاء کی تعبیر کے مطابق "ظَلَمَة" اور "طُغَاة" ہیں۔

سروے رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ریاستوں میں بیس فیصد، بعض میں ستر فیصد اور بعض میں پچھتر فیصد وقفی جائدادیں ہیں۔ صرف دہلی میں ایک ہزار چھیالیس اور بہار میں بائیس ہزار اسی رجسٹرڈ اوقاف ہیں لیکن وقف بورڈ کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ ان کے

سالانہ اخراجات ہی پورے کرسکے۔ حکومت ان اوقاف کا استعمال کرتی ہے اور اس کے سامنے اوقاف کی جائدادیں ضائع ہورہی ہیں۔ اصل مسئلہ ان کی بقاء وتحفظ کا ہے۔

ماضی قریب میں عالم اسلام کی حکومتوں اور اداروں نے اوقاف سے دلچسپی لینی شروع کی اور اس سلسلہ میں وزارت اوقاف کویت کو سب پر سبقت حاصل ہے۔ سب نے اس بات کی شہادت دی کہ حکومت کویت نے اپنی نوعیت کا بے نظیر تجربہ کیا۔ یہ تجربہ دوسرے ممالک کے اوقاف کے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔ بطور خاص اس زمانہ میں اوقاف کو کیسے فروغ دیا جائے؟ ان کی تعداد میں اضافہ کے لئے کیا کیا جائے؟ اس وقت موجود اوقاف کا تحفظ کیسے کیا جائے؟ ان تمام پہلوؤں پر کویت میں اور کویت سے باہر بھی متعدد سمینار منعقد کرائے گئے، استبدال وقف کی جو بحثیں قدیم فقہاء نے کی تھیں ان سے استفادہ کیا گیا اور اوقاف کی سرمایہ کاری کے متنوع طریقے اختیار کئے گئے۔ اس وقت ہمارے پاس ان تمام مسائل سے متعلق وافر علمی ذخیرہ جس کی ہمیں بھارت میں ضرورت پڑسکتی ہے، مدون صورت میں موجود ہے۔

اس موضوع پر ایک مستقل سمینار ہوجانے کے باوجود اس کو زیر بحث لانے کی ضرورت اسی پہلو سے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہے اور ان کی ضروریات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس لحاظ سے اگر بھارت میں موجود بے پناہ اوقاف کی سرمایہ کاری کی جائے تو ان کے ذریعہ صرف مسلمانوں کی ضروریات ہی پوری نہیں ہوں گی بلکہ ایک پوری حکومت چلائی جاسکتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کویت میں اوقاف کے مسائل سے متعلق ایک سمینار منعقد ہوا تھا، اس میں ''وقف مرہون'' کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، بیشتر فقہاء مثلاً شیخ مختار السلامی، شیخ صدیق محمد امین الضریر وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ ایسا وقف ضائع سمجھا جائے گا اور اسے ترک کردیا جائے گا، لیکن میری رائے یہ تھی کہ اسے بھارت کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں بھارت

میں ایسی مثال موجود ہے کہ ایک وقف کی قیمت ایک مجلس کوئی دے رہی ہے لیکن وہ کسی ہندو کے پاس ایک لاکھ یا اس سے بھی کم قیمت میں گروی ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں ہم اسے چھوڑ دیں گے اور اس کے حصول کی کوشش نہیں کریں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ کویت کی طرز پر ہمارے ہاں بھی نئے اوقاف کا قیام ہو اور مختلف "صنادیق" (فنڈز) قائم کئے جائیں، جیسے تعلیمی فنڈ، علمی فنڈ، قرآن فنڈ، بیواؤں اور یتیموں سے متعلق فنڈ، قیدیوں، گمشدہ افراد اور شہداء کے خاندانوں سے متعلق مخصوص فنڈ وغیرہ۔ جب ہماری تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ کتوں اور بلیوں وغیرہ کے لئے اوقاف ہوتے تھے تو یتیموں، بیواؤں اور بیماروں کے لئے تو ان کی شدید ضرورت ہے۔

اس سیمینار میں ایسے فنڈ کے قیام سے متعلق بھی فیصلے کئے جانے کی ضرورت ہے جن کے ذریعہ اوقاف کی اراضی اور جائدادوں کی بازیابی کے لئے قانونی چارہ جوئی کے اخراجات پورے کئے جا سکیں، خواہ یہ مقدمے قابض حکومت سے لڑنے پڑیں یا مختلف غاصب گروہوں سے۔

آخر میں میں ایک تجویز پیش کرنا چاہوں گا، خوش قسمتی سے اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کے سکریٹری جنرل موجود ہیں وہ تجویز یہ ہے کہ ہمارے علماء جو اپنے مدارس اور دینی مراکز کے لئے کویت اور دیگر عرب ممالک کا سفر کرتے ہیں اور تاجروں اور سرمایہ داروں کے دفاتر اور رہائش گاہوں پر لائن لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، یہ ان کے مقام و منصب کے شایان شان نہیں ہے، کبھی کبھی بہت ہی ناخوش گوار صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گیارہ ستمبر کے بعد علمی مراکز و مدارس کی امداد و تعاون پر بعض قسم کی پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔ امدادی کمیٹیوں اور تنظیموں پر اس سلسلے میں سخت دباؤ بھی ہے۔ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری تجویز یہ ہے کہ اس طرح چندوں کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے متعدد مدارس و مراکز کے لئے اوقاف کا

قیام عمل میں لایا جائے۔ اس کے لئے یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ متعین رقم بطور وقف ان مدارس کے نام پر اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت یا اس طرح کے اداروں کو سرمایہ کاری کے لئے دے دی جائیں اور ان کی آمدنی سے یہ مدارس و مراکز اپنے اخراجات پورے کریں۔ اس طرح کا ایک معاہدہ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی اپنی زیر نگرانی قائم اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) اور اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت کے درمیان اور ایک معاہدہ "المعہد العالی للفقہ والافتاء" پٹنہ اور اوقاف پبلک فاؤنڈیشن کویت کے درمیان طے پایا تھا۔

میرا مقصد موجودہ قوانین و ضوابط کے تحت نئے اوقاف کے قیام کے لئے جدوجہد کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

☆☆☆

(عربی سے ترجمہ: محمد احتشام الحق ندوی)

تیسرا باب

وقف — ضرورت و اہمیت

وقف نقدی

ہماری موجودہ زندگی میں وقف کے کردار کا احیاء

ڈاکٹر شوقی احمد دنیا ☆

اسلامی شریعت میں جن خیر کے کاموں پر ابھارا گیا ہے ان میں وقف کو ایک بڑا مقام حاصل ہے، یہ خیر وفلاح کے کاموں میں انفاق مال کے اہم اور نمایاں طریقوں میں شمار ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو عمدہ ترین مال میں سے خرچ کرنے کا طریقہ یہی تلقین کیا کہ وہ اسے وقف کردیں۔ اسی افضلیت کی بنا پر آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں سے صاحب استطاعت افراد میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جس نے وقف نہ کیا ہو (ابن قدامہ، المغنی مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض ۱۴۰۱ھ، ج۵، ص ۵۹۹۔ القرافی، الذخیرۃ ج۶، ص ۳۲۳، دار الغرب الاسلامی بیروت ۱۹۹۴)، اسی طرح کوئی بھی عہد اور کوئی بھی مسلم مملکت خیر کے کاموں میں وقف کرنے والے سینکڑوں اصحاب خیر سے خالی نہیں رہی۔

وقف کی اسی اہمیت کی بنا پر معاش، اجتماع، ثقافت اور سیاست ہر پیمانہ پر اس کے زبردست اثرات پڑے، بلکہ اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی اسلامی ادارہ اتنا طاقت ور اور اپنے مختلف میدانوں میں اثرات کے لحاظ سے اتنا موثر نہ تھا جتنا وقف اور اس میں عروج وزوال کے تمام ادوار یکساں رہے تو مبالغہ نہ ہوگا (ملاحظہ ہو: شوقی دنیا، أثر الوقف فی إنجاز التنمیۃ الشاملۃ، مجلۃ

☆ صدر شعبہ معاشیات، کامرس کالج، جامعۃ الازہر۔

البحوث الفقهية المعاصرة، الرياض، العدد(۲۳)۱۵ ۱۴ھ، حلقة إدارة وتثمير الممتلكات الوقفية، المعهد الإسلامي للبحوث والتدريب جدة ۱۴۱۰ھ، أعمال ندوة إحياء دورالوقف في الدول الإسلامية، رابطة الجامعات الإسلامية بورسعيد ۱۹۹۸ء، ڈاکٹر مصطفی السباعی من روائع حضارتنا، المكتب الإسلامي بيروت،أعمال ندوة الوقف، الجمعية الخيرية الإسلامية، قاهره، فروری ۲۰۰۰ء)۔

آج کے موجودہ حالات کے پیش نظر وقف کی ضرورت زیادہ بڑھ گئی ہے، کیونکہ افراد اور اجتماعیات کی سطح پر بہت ہی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل میں وقف بنیادی رول ادا کرسکتا ہے اور باوجود اس کے کہ ماضی میں وقف نے اسلامی معاشرہ کی تشکیل وارتقاء میں بڑا کردار ادا کیا ہے آج پھر اسلامی معاشرہ کو اوپر اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ وقف اپنا کردار نبھائے۔ موجودہ صورت حال میں وقف انتہائی تنزلی، کمزوری اور اضمحلال کا شکار ہے اور شدید بحران سے گذر رہا ہے، حالانکہ اس کی ضرورت ہے اور اس میں امکانات بھی بہت ہیں۔ یہ ہماری معاصر مسلم دنیا کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہماری موجودہ زندگی میں وقف کا اہم کردار کیا ہے؟ وہ اسباب وعوامل کیا ہیں جن کی وجہ سے وقف تنزلی اور کمزوری کا شکار ہے اور نتیجتاً اپنا مطلوبہ کردار ادا نہیں کر رہا، ان عوامل کا علاج کیسے ہوگا، ان پر غلبہ کیسے پایا جائے کہ وقف صحت مند ہوجائے اور قوت کے ساتھ اپنا فعال کردار ادا کرے؟ اس مقالہ میں ان ہی سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائے گی، بعض سوالوں کا جواب مجمل اور سرسری ہوگا، بعض میں صرف خاص مسائل کی طرف اشارہ کردیا جائے گا اور بعض کا مبسوط ومفصل جواب دیا جائے گا اور بعض میں اوسط درجہ کی تفصیل دی جائے گی۔

یاد رہے کہ مقالہ کا مرکزی عنوان "وقف نقدی" ہے، بقیہ مسائل سے تعرض تمہید وتکمیل کے بطور ہوگا۔ مرکزی موضوع مذکورہ تینوں سوالات اور ان کے جوابات کے بیچ بھی چھایا رہے گا۔

ان تینوں سوالوں اور ان کے جواب کے پیش نظر مقالہ کا خاکہ دو قسموں پر مشتمل ہوگا:
پہلی قسم میں وقف کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال اور اس کی شدید ضرورت پر۔
اور دوسری قسم میں وقف نقدی، اس کے مسائل، سرمایہ کاری، مینجمنٹ اور اثرات پر بحث ہوگی۔

پہلی قسم: وقف کی کمزوری اور اس کی ترقی کی شدید ضرورت

۱- موجودہ دور میں وقف کی کمزوری

وقف موجودہ عالم اسلامی میں کس قدر کمزور پڑ گیا ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں، بہت سی چیزیں ہیں جو اس کی دلیل ہیں، مثلاً اموال موقوفہ کی مقدار اور قومی سرمایہ میں ان کے تناسب، ان کی سالانہ افزونی (اگر وہ ہے) کے اوسط، قومی آمدنی کی شرح نمو سے اس کے تقابل، اموال موقوفہ کے منافع اور آمدنی کی مقدار اور قومی آمدنی میں اس کے تناسب وغیرہ سے اس کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔

فطری بات ہے کہ اس بات کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کے لئے مستقل ریسرچ ورک کی ضرورت ہے، یہاں تو ہم محض اس سلسلہ میں اشارہ ہی سے کام لیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ معاصر مسلم دنیا میں اوقاف کس قدر گراوٹ کا شکار ہیں، بعض ممالک میں اوقاف کی بڑھوتری و ترقی سے اس کلیہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، ان میں کویت سر فہرست ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں اوقاف انحطاط کا شکار ہیں تو اس سے مراد اس فرق کو بتانا ہوتا ہے جو ماضی کے اوقاف اور آج کے اوقاف میں ہے، ظاہر ہے کہ یہ فرق بہت بڑا ہے، دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اوقاف کی موجودہ حالت سامنے آئے اور اس میں کیا تبدیلیاں ہو سکتی ہیں، یہ معلوم ہو۔

۲- موجودہ دور میں اوقاف کی تنزلی کے عوامل

ہر صورت حال کے کچھ اسباب و علل ہوتے ہیں۔ اوقاف کی اس حالت کے اسباب کیا ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے مستقل ریسرچ ورک کی ضرورت ہے، کیونکہ اسباب و عوامل متعدد بھی ہیں، پیچیدہ اور پھیلے ہوئے بھی اور ان کا مزاج بھی الگ الگ ہے۔

اس مقالہ میں ان سب اسباب کو تو گنایا نہیں جا سکتا نہ ہی اس کا یہ موضوع ہے، البتہ ان کے بعض ابھرے ہوئے پہلوؤں کی طرف اشارہ اور ان پر سرسری نظر ضرور ڈالی جائے گی۔ اگر چہ یہ اسباب و عوامل متعدد اور متنوع ہیں لیکن ان کو خاص خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

مثلاً: بہتیرے لوگوں کے نزدیک اوقاف کا فقہی پہلو مبہم ہے، جن میں خاصے پڑھے لکھے اور فقہ کے لوگ بھی ہیں، اوقاف کے فقہی احکام کے بارے میں لوگوں میں عجیب تصورات پھیلے ہوئے ہیں جو فقہی اعتبار سے زیادہ تر غلط ہیں، ان غلط فہمیوں کے باعث اوقاف میں بڑی کمزوری اور انحطاط آیا، تحلیل و تجزیہ کے بجائے بعض موٹی چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، کیونکہ تجزیہ سے مقالہ اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا۔

(الف) یہ مشہور ہو گیا ہے کہ صرف اموال ثابتہ یعنی اراضی اور جائدادوں ہی کا وقف ہو سکتا ہے، اموال منقولہ کا نہیں، اس بنا پر نقد روپیہ تو بدرجہ اولی وقف کا محل نہیں رہتا، حالانکہ فقہی طور پر یہ رائے درست نہیں ہے، کیونکہ تمام اسلامی فقہی مسالک اس پر متفق ہیں کہ اموال ثابتہ وقف کا محل ہیں اور بہت سے فقہی مذاہب اور بعض مذاہب کے کچھ علماء اموال منقولہ کے وقف کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ صراحت کے ساتھ نقود کے وقف کو اور حق کے منافع کو بھی ایک قسم کا مال قرار دے کر اس کے وقف کو جائز ٹھہراتے ہیں (الدسوقی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۷۶/۴ دار احیاء الکتب العربیہ، القاہرہ، الرملی نہایۃ المحتاج ۳۶۰/۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، النووی، روضۃ الطالبین ۳۸۷/۴، دار الکتب العلمیہ بیروت) نتیجہ یہ نکلا کہ جو بات معروف ہے وہ فقہ کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

اٹھا سکتا، حالانکہ فقہ اس بات کی اجازت دیتی ہے (عبد الرحمن بن قاسم، مجموع فتاوی ابن تیمیہ، الریاض ۱۳۹۸ھ، ۳۱ / ۲۱۲، اور اس کے بعد کے صفحات، ابن قدامہ، حوالہ سابق ۵ / ۶۳۳، ابن بیہ، اثر المصلحۃ فی الوقف، مجلۃ البحوث الفقہیۃ المعاصرۃ، الریاض شمارہ ۴۳، ۱۴۲۱ھ، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴ / ۳۸۴، اور اس کے بعد کے صفحات)۔

(ز) یہ بھی مشہور ہے کہ واقف کی شرطیں جو بھی ہوں ان کا احترام کیا جائے گا، اگر وہ معصیت پر مبنی نہ ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ کسی قاری کے کانوں میں یہ عبارت پڑی یا نہیں کہ "شرط الواقف کنص الشارع" حالانکہ فقہی طور پر صحیح یہ ہے کہ واقف کی شرطیں صحیح ہوں گی بشرطیکہ ایک طرف تو وہ شرع کے قواعد کے مطابق ہوں اور دوسری طرف شریعت کے مقاصد سے بھی ہم آہنگ ہوں، ورنہ ان کا اعتبار نہ ہوگا، فقہ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں جن میں واقفین کی شرطیں نہ صرف ختم کی جاتی ہیں بلکہ ان کو کالعدم کرنا واجب ہو جاتا ہے (محمد ابوزہرہ، محاضرات فی الوقف، دار الفکر العربی، قاہرہ ۱۹۷۱ء، ص ۱۳۶ اور اس کے بعد کے صفحات، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴ / ۳۸۷، الحطاب، مواہب الجلیل ۵ / ۳۹، ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی ۳۱ / ۴۳ اور اس کے بعد کے صفحات)۔

فقہ الاوقاف سے متعلق غلط طور پر رائج تصورات کے یہ چند نمونے دیئے گئے ہیں، حالانکہ فقہ الوقف اس سے بری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کے فقہی پہلوؤں کے سلسلہ میں کچھ علمی پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں اور اس پیچیدگی کا وقف پر منفی اثر پڑنا منطقی بات ہے، اسی لئے بہت سے اموال وقف کا عمل نہیں ہو سکے، حالانکہ موجودہ دور میں ان کی بڑی اہمیت ہے، اراضی اور جائداد تو بہت سے لوگوں کے پاس نہیں ہیں لیکن نقد روپیہ تھوڑا بہت ہر ایک کے پاس ہوتا ہے، بعض لوگ اس لئے وقف نہیں کرتے کہ انہیں ابھی آمدنی کی ضرورت ہے یا مستقبل میں ہو سکتی ہے، تو مذکورہ بالا غلط تصورات کی وجہ سے وہ کلی یا جزئی طور پر وقف کرنے سے باز رہتے ہیں، کون ہے جو تنہا صحت، تعلیم، سکونت یا دین سے متعلق کوئی پروجیکٹ شروع کردے!! ایسے لوگ بہت ہی کم تعداد میں ہیں جبکہ اکثریت کے لئے یہ ممکن نہیں، ہاں مشترکہ طور پر ممکن ہے، لیکن

انفرادی وقف کا تصور لوگوں کو ایسا کرنے سے روک دیتا ہے، اسی طرح یہ خیال کہ وقف کو بدلا نہیں جاسکتا، چاہے حالات جیسے بھی ہوں، کتنے ہی اوقاف کے ویران اور برباد ہونے کا سبب بنا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ لوگ وقف کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ اوقاف کی بدحالی ان کی نظر میں ہے، اسی لئے واقف کی غرض فوت ہوگئی اور واقف کی شرطوں کو ان کی نوعیت سے قطع نظر لازما ماننے کا خیال، بہت سی حکومتوں کو اوقاف کی تنظیم، ان کے لئے قانون بنانے اور ان میں سے بعض پر پابندیاں عائد کرنے کی صورت میں ظالمانہ مداخلت کے لئے جواز عطا کرتا ہے، دوسری طرف واقف کی شرط کے باعث بہت سے اوقاف زوال پذیر ہوجاتے ہیں۔

واقف کی شرطوں کی مناسب تنفیذ وتطبیق ایک اہم معاملہ ہے اور اس کے باعث بہت سے لوگ وقف کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، فقہ میں اس پہلو کی رعایت کی گئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شرطیں واقف کے مفاد، موقوف علیہ کے مفاد اور سماج کے مفاد کو پورا کرنے والی اور مناسب ومعقول ہوں، یعنی مسئلہ یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا صحیح شعور ہو اور اجتماعیت یا مملکت کی مداخلت ضرورت پڑنے پر مناسب طریقہ پر ہو، لوگوں میں منافع وقف کے جائز ہونے کے شعور کا مناسب حد تک نہ پایا جانا ہی، وقف کی فعالیت اور اس کے دائرہ کی وسعت کے بڑی حد تک متاثر ہونے کا سبب ہے، حالانکہ فقہ مالکی میں اس کی صراحت موجود ہے اور منافع بھی مال ہوتے ہیں اور اعیان کی طرح باقی رہتے ہیں، اعیان سے کم ان کی اہمیت نہیں ہوتی، بلکہ اعیان میں ان کے پائے جانے ہی سے اعیان کو اقتصادی قیمت حاصل ہوتی ہے۔

امور وقف کی انجام دہی کی عصری شکلیں یعنی انتظام، سرمایہ کاری اور دیکھ ریکھ وغیرہ کا نظام نہیں ہے یا کم از کم عام لوگ انہیں نہیں جانتے، جبکہ موجودہ دور میں زمانہ کے حالات کے مطابق جدید اور عصری طریقوں کی شدید ضرورت ہے۔ بہت سے اسلامی ملکوں میں ایسے قانون موجود ہیں جو لوگوں کو وقف کرنے سے روک دیتے ہیں۔

اس طویل اقتباس سے جو جوہری نتائج نکلتے ہیں، وہ یہ کہ فقہ الاوقاف میں کافی لچک ہے جو اوقاف کو نئے حالات کے مطابق ڈھالنے اور آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے، خاص طور پر جب ہم وقف کی دینی اہمیت کو پیش نظر رکھیں اور کیا یہ محض مذہبی و تعبدی عمل ہے یا ایسا دینی عمل جو معقول ہے اور جس کی ایک غرض و مقصد ہے، وقف اور موقوف علیہ کو فائدہ پہنچانا اس کا مقصد ہے یعنی حالات کے لحاظ سے اس میں جمود بھی آسکتا ہے اور حالات وظروف کے لحاظ سے تبدیلی وترقی بھی ہو سکتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں کیا شرعاً مصلحت معتبرہ کو وقف کی پالیسی سازی میں کچھ دخل ہوگا، اگر ہم جواب ہاں میں دیں تو ایک بات ہوگی اور فقہاء کے مطابق ہوگی، شیخ عبداللہ بن بیہ (حوالہ سابق) نے جو تحلیل وتجزیہ کیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ وقف کے کام میں زیادہ سے زیادہ لچک ہونی چاہئے تاکہ ان کو حالات کے مطابق ڈھالا جاسکے۔

۳- موجودہ دور میں اوقاف کے فعال کردار کی شدید ضرورت

گذشتہ سطور میں ہم نے یہ بیان کیا کہ اوقاف اس وقت کمزوری اور پژمردگی کا شکار ہیں اور اگر بعض فکری وعملی کام کئے جائیں تو ان کے کردار کا احیا ممکن ہے، اس طرح کی کوششوں کے جواز میں چند باتیں کہی جاسکتی ہیں، مثلاً:

۱- موجودہ دور میں مملکت کا سماجی اور معاشی کردار کمزور ہو گیا ہے، جدید رجحانات نے قومی معاشیات کو پرائیوٹ سیکٹر میں مرکوز کردیا ہے، سول اور پرائیوٹ اداروں اور افراد کے ہاتھ پوری اجتماعی زندگی آگئی ہے، اسی لئے ممکن ہے کہ وقف کا ادارہ افراد و اجتماعیات کی بہت سی اقتصادی وسماجی ضرورتوں کی تکمیل میں ایک زبردست رول ادا کرے۔

۲- اسی میں یہ اضافہ کیجئے کہ آج مذکور الصدر رجحانات کے نتیجہ میں ریاست کے مالی وسائل بڑی حد تک محدود ہو گئے ہیں، کیونکہ اسے بہت سے وہ ٹیکس نہیں ملتے جو پہلے ملا کرتے

تھے،نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سی اقتصادی واجتماعی ضرورتیں حکومت کے بجٹ سے باہر پوری ہوتی ہیں،جنہیں بنیادی طور پر سول سیکٹر اور رضاکارانہ طور پر پرائیوٹ اقتصادی سیکٹر ہی پورا کرسکتے ہیں،وقف اپنی شکل اور مالیاتی طریقہ کار سے بہت سی ضرورتیں پوری کرسکتا ہے۔

۳-موجودہ صورت حال میں کئی حکومتوں کو اپنی مالی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے باہر سے مدد لینی پڑتی ہے،اس قسم کی مالی امداد کے نقصانات بالکل واضح ہیں۔

۴-موجودہ دور میں عالم اسلام تعلیم اور علمی تحقیق میں ایک زبردست پچھڑے پن کی حالت میں ہے،اس کے لئے مسلم حکومتیں جو بجٹ بناتی ہیں وہ بہت ہی معمولی ہیں،جس سے اس کی تنزلی میں روز بروز اضافہ ہی ہورہا ہے،یہ زوال اقتصادی بھی ہے اور علمی اور سائنسی بھی۔ معاصر اقوام کی ترقی کی اساسیات میں علم ومعرفت کی اقتصادیات کو جنہیں جدید اقتصادیات کہا جاتا ہے،اول درجہ دیا جانا مشہور ومعروف بات ہے۔عمومی آمدنی کی کمی کی صورت میں مسلم حکومتیں ان اجتماعی اداروں اور مراکز کو سرمایہ کیسے فراہم کریں؟ کیا اس کام کو پرائیوٹ سیکٹر کے لئے چھوڑ دیا جائے جو اصلاً زیادہ سے زیادہ منافع سمیٹنے کے لئے ایسے پروجیکٹس پر توجہ مرکوز رکھتا ہے جن کے ذریعہ وہ منافع حاصل ہوسکیں،ظاہر ہے کہ اس بات سے تحقیقی سائنٹفک ریسرچ وتحقیق اور تعلیم کے ادارے راضی نہ ہوں گے،کیا ان چیزوں کو خارجی مالیاتی اداروں پر چھوڑ دیا جائے جن کے مقاصد اور محرکات مشتبہ ہیں یا صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ اوقاف کو مثبت اور تعمیری طور پر اس میدان میں استعمال کیا جائے جیسا کہ ماضی میں کیا گیا تھا اور ایسا علمی ارتقاء وجود پذیر ہوا تھا جس کا اعتراف پوری دنیا کو ہے؟

۵-عالم اسلام میں روز بروز تقسیم دولت کے بارے میں خلیج بڑھ رہی ہے اور غربت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے حتی کہ اس وقت مسلم دنیا کے ۹۰ فیصد سے زیادہ لوگ غربت کا شکار ہیں(اسلامی ترقیاتی بینک کی سالانہ رپورٹ ۹۹، ۲۰۰۰ء ص ۵ اور اس کے بعد کے صفحات)،موجودہ دور کے

حالات اور گلوبلائزیشن اور اسپیشلائزیشن وغیرہ کے نئے عالمی و مقامی رجحانات سے ایسا لگتا ہے کہ غربت کی اس سنگین صورت حال میں مزید ابتری آئے گی اور تقسیم دولت میں فاصلہ بڑھے گا۔ پوری دنیا پر اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ضروری ہے جو نہ صرف اس کے امن و امان اور استحکام کے لئے خطرہ ہے بلکہ اس کے وجود کے لئے ایک چیلنج ہے، مسلم دنیا پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ وہ اس نازک صورت حال کا مقابلہ کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ رکھتی ہے جو وقف ہے بشرطیکہ اس پر بہتر طریقہ سے عمل کیا جائے۔

۶– دولت کی غلط تقسیم اور شدید غربت کے نتیجہ میں عام محتاج لوگ علاج معالجہ کی بہتر سہولیات سے محروم ہیں، کیونکہ ایک طرف تو سرکاری اسپتال اور طبی مراکز روبہ زوال ہیں، دوسری طرف ان میں علاج کی جدید سہولیات اور اچھے مینجمنٹ کا فقدان ہے، جبکہ سرمایہ کاری کی بنیاد پر چلائے جانے والے اسپتال اور پرائیوٹ نرسنگ ہوم گراں قیمت ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ عام غریب لوگ ان سے فائدہ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے، بیماریاں پھیلتی جاتی ہیں اور غریبوں کی آمدنی اور کمائی کی صلاحیت کو مزید گھٹا دیتی ہیں اور ان کی غربت میں اضافہ کر دیتی ہیں، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ فلاحی اور چیریٹیبل اداروں سے مدد لی جائے، جن میں اوقاف کا کردار ماضی میں بہت تابناک رہا ہے اور وہ آج بھی بہت اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

۷– مذکورہ بالا نکات کے علاوہ ہمیں ایسے طریقہ کار کی شدید ضرورت ہے جس کے معاشی ڈائمنشن کے ساتھ ہی اس کا روحانی اور اخلاقی پہلو بھی ہو اور ہمارا اقتصادی، اخلاقی، مادی اور روحانی ہر طرح سے ارتقاء ہو سکے، وقف ہمیں اس قسم کا ارتقا بہم پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہر پہلو اور ہر اعتبار سے یہ بات مبرہن اور روشن ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور میں اوقاف کی کتنی ضرورت ہے۔ اب اس مقالہ کے دوسرے حصہ میں اوقاف کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم جس کی افادیت کے ہم اب تک بہت زیادہ قائل نہیں رہے ہیں یعنی ''نقدی اوقاف'' پر گفتگو ہوگی۔

دوسری قسم - وقف نقدی

نقدی وقف میں بہت سے امکانات ہیں، جن سے بہتر طریقہ پر وقف کے فلاحی وترقیاتی مقاصد کا حصول ممکن ہے، اسی لئے وقف نقدی پر توجہ اور اس کے ارتقاء کی کوشش وقف کے کردار کے احیاء کے سلسلہ میں بنیادی نوعیت رکھتی ہے، اس موضوع کے اہم نکات ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

۱- نقدی وقف کا مفہوم

اس وقف سے مراد یہ ہے کہ نقد مال کی تمام تر انواع و اقسام کو وقف کیا جائے، یعنی ایسا وقف جس میں موقوف علیہ نقد مال ہو۔

۲- نقدی وقف کا حکم

اس مسئلہ میں تتبع اور غور و فکر سے مذاہب اسلامیہ کے فقہاء کی جو رائیں ملیں وہ یہ ہیں:

۱- ایک بھی فقہی مذہب ایسا نہیں جس کے علماء کا نقد مال کے وقف کے ناجائز ہونے پر اجماع ہو، ہر مذہب میں اس کے جواز کے قائلین موجود ہیں، مذہب مالکی اس بارے میں سرفہرست ہے، اس کی جتنی بھی مشہور اور معتمد علیہ کتابیں ہیں سب میں وقف نقدی کے جواز کی صراحت ملتی ہے (الدسوقی، حوالہ سابق ۴/۷۷)، اس کے بعد حنفی مذہب ہے کہ اس کے کئی ائمہ اور مشاہیر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ اس کے ایک مشہور عالم نے تو وقف النقود کے جواز میں ایک کتاب لکھی ہے (الامام ابو السعود، رسالة ابی السعود فی جواز وقف النقود، تحقیق صغیر احمد، دار ابن حزم بیروت ۱۴۱۷ھ)، تقریباً یہی موقف حنبلی مسلک کا ہے حتی کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کے جواز کو راجح

قرار دیا ہے (مجموع فتاوی شیخ الاسلام ۱۳/۲۳۴ اور اس کے بعد کے صفحات)، ایسا لگتا ہے کہ شافعی مذہب میں اس کے جواز کی سب سے کم بات کہی گئی ہے (الماوردی، الحاوی الکبیر حوالہ سابق ۹/۳۷۹)، جہاں تک شیعی فقہ کا میں نے مطالعہ کیا ہے، مجھے کوئی ایسی صراحت نہیں ملی جو وقف النقود اور اس کے شرعی حکم کو بتاتی ہو، لیکن ایک نص ایسی ہے جو اگر ثابت ہو جائے تو جواز پر دلالت کرے گی، امام مرتضی کہتے ہیں: "ویشترط في الموقوف صحة الانتفاع به مع بقاء عينه" (عیون الازہار حوالہ سابق، ۳۵۹) (مال موقوف میں یہ شرط ہے کہ اس کے عین کے باقی رہتے ہوئے اس سے انتفاع صحیح ہو) اس مطالعہ کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوگا کہ وقف النقود میں یہ شرط متحقق ہے، یہ اشارہ کرنا بھی مناسب ہے کہ ماضی میں کئی مسلمان ملکوں میں نقد وقف کرنا ایک عام بات تھی، حتی کہ بعض علماء نے اس کے جواز وعدم جواز کے حوالے سے نہیں بلکہ نقود موقوفہ کی زکوۃ کے حوالے سے بات کی ہے، یعنی جواز کا مسئلہ ان کے نزدیک طے شدہ تھا۔

۲- نقد وقف کے عدم جواز پر کوئی صریح قول مجھے نہیں ملا، فقہاء کے اقوال ومذاہب کے مطالعہ سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں وقف نقد نہیں تھا بلکہ اراضی اور جائداد وغیرہ کا وقف تھا، سنت وقف اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اصل کو روک لیا جائے اور اس کے ثمرات کو عام کیا جائے، یہ وقف نقود میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس سے صحیح شرعی فائدہ املاک عین سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ صدر اسلام میں صرف اموال منقولہ کے وقف پر عمل سے دوسری چیزوں کے وقف کی ممانعت لازم نہیں آتی، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وقف صرف اصول ثابتہ (اراضی) پر ہی منحصر نہ تھا، ہاں غالب یہی تھا، کیونکہ حضرت خالدؓ نے اپنی زرہ اور جنگی اسلحہ وقف کیا جو کہ منقول اموال ہیں، نبی ﷺ نے اس کو برقرار رکھا جیسا کہ متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے، نقد بھی اموال منقولہ میں سے ہے، یہ بھی تسلیم ہے کہ وقف کا طریقہ یہی ہے کہ اصل کو روکا جائے، پیداوار سے استفادہ کیا جائے، لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ یہ

چیز وقف نقد میں حاصل نہ ہوگی، کیونکہ نقود مثلی ہوتے ہیں، مثل بھی اصل کی طرح ہوتا ہے اور نقود تعیین سے متعین نہیں ہوتے، ان کا بدل بھی ان کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یہ بات بھی تسلیم ہے کہ استفادہ شرعی چاہتا ہے کہ نقود کو بدلا جائے لیکن ان کے عین کو خرچ کرنا کوئی ضروری نہیں، کیونکہ عین تو دائما باقی رہے گا (کئی فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، ابن عابدین، حوالہ سابق ۴؍۳۶۳، دسوقی، حوالہ سابق ۴؍۷۷)، لگتا یہ ہے کہ عدم جواز کے قائلین نے یہ دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص یا جہت کو نقد وقف کرتا ہے اور انہیں روپیہ دے دیتا ہے اور بس قصہ ختم۔ حق یہ ہے کہ اس طرح کا عمل وقف نہیں بلکہ محض عام صدقہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں نہ اصل قائم ہے نہ انتفاع جاری!! لیکن جو نقد وقف کے قائل ہیں ان کا مقصود یہ شکل نہیں ہوتی، بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موقوف نقود کو اصل قائم سمجھا جائے اور اس سے استفادہ اس طور پر ہو کہ اصل قائم رہے، جیسا کہ آگے آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔ اس صورت میں کہ نقود موقوف کی سرمایہ کاری کی جائے اور ان کے منافع موقوف علیہ پر تقسیم ہوں اور اس صورت میں کہ کھجور کے درخت کو وقف کردیا جائے اور اس کے منافع وثمرات کسی پر خرچ کئے جائیں، کیا فرق ہے، جبکہ کھجور کا درخت پرانا ہوکر ختم بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے پودے خرید کر لگانا ضروری ہوگا تا کہ کھجور مستقل باقی رہے (ہلال الرائی، احکام الوقف، دار المعارف العثمانیہ ۱۳۵۵ھ، ص ۲۰)۔ اب سوال یہ ہے کہ کھجور کا جو درخت باقی رہے گا کیا وہی ہوگا جو وقف کیا گیا تھا؟ حالانکہ مثلیت ایک جنس کے درختوں کے مقابلہ میں نقود میں زیادہ ہوتی ہے۔ پھر نقود کے وقف سے وقف کی ہمیشگی کا قانون بھی نہیں ٹوٹتا، کیونکہ وہ بھی سرمایہ کاری اور افزونی سے برابر موجود رہے گا، بلکہ اراضی اور جائدادوں کے مقابلہ میں زیادہ موجود رہے گا، اصل میں اعتبار مال موقوف کی نوعیت کا نہیں اس کے انتظام کا ہے۔ بدنظمی سے ہر قسم کا مال ضائع ہوجائے گا۔ کسی میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس تفصیل سے یہ بات

مکمل کر سامنے آئی کہ بہت سے فقہاء نے نقد وقف کی اجازت دی ہے، نیز یہ کہ اس قسم کے وقف میں بعض ایسے خصائص و فوائد ہیں جن میں سے بیشتر عین کے وقف میں نہیں پائے جاتے جیسا کہ آگے بحث میں ہم دیکھیں گے۔

۳- جدید دنیا میں وقف نقد کو زیادہ اہمیت دینے کے عوامل

شروع میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نقد وقف کے ذرائع و وسائل کے مد نظر اس پر زیادہ توجہ دینے کی ہماری دعوت کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ہم وقف عینی کی اہمیت گھٹا رہے ہیں، جیسا کہ بعض ان لوگوں کا کہنا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وقف عین موجودہ اقتصادی ترقی میں کچھ معاون نہیں ہے (محمد بوجلال، نحو صیاغة مؤسسیة للدور التنموي للوقف: الوقف النقدي، مجلة دراسات اقتصادیة اسلامیة، المعهد الاسلامي للبحوث والتدریب، جدہ، جلد خامس، العدد الاول رجب ۱۴۱۸ھ)۔ صحیح یہ ہے کہ وقف شرعی اپنی مختلف انواع کے ساتھ ترقی کے کام میں مدد دیتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی خدمت کے مزاج، نوعیت اور مقدار میں وقف کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، جیسے حالات ہوں ان کے مطابق۔ اس بحث کا مقصود وقف کی اس فراموش کردہ نوعیت کی اہمیت واضح کرنا اور اس کی طرف توجہ دلانا ہے، یہ نہیں کہ وہ وقف عینی کا بدل ہے جب وہ وقف عینی کو سہارا دیتا ہے اور اس کا بنیادی جز ہے، خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس میں یہ خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱- نقد تقریباً تمام لوگوں کے پاس ہوتا ہے، قلت و کثرت سے صرف نظر کرتے ہوئے عام لوگوں کے پاس مال اور نقد روپیہ ہوتا ہے، جبکہ ان میں سے بہت سے لوگ اراضی اور جائدادوں کے مالک نہیں ہوتے۔

۲- وقف مشترک یا اجتماعی وقف کے قیام کے لئے اوقاف کی دوسری اقسام سے زیادہ مناسب وقف نقدی ہے اور انفرادی وقف سے زیادہ اجتماعی وقف تقاضائے وقت کے مطابق

ہے، اس لئے کہ اس میں ذرائع ووسائل کی فراوانی ہوتی ہے جس کے ذریعہ بہت سے اقتصادی اور اجتماعی پروجیکٹ بنائے جاسکتے ہیں۔

۳-اس کی سرمایہ کاری کے طریقے، انداز اور میدان متعدد ومتنوع ہیں، اسی وجہ سے اس کے منافع بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

۴-اس کے مقاصد اور دائرے بھی متنوع ومتعدد ہیں جن میں کوئی محدودیت اور رکاوٹ نہیں ہے۔

۵-"مالیات کی فراہمی کو عام کرنے" کے موجودہ اصول سے بھی وقف نقدی ہی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۶-سرمایہ کاری میں اس کا اثر اس لئے زیادہ ہوتا ہے کہ مختلف مراحل میں پروڈکشن کے مختلف طریقوں میں یہ مدد دیتا ہے، کیونکہ نقد پیسہ کی بنیاد پر ان پروجیکٹوں اور سرگرمیوں میں شامل ہونا آسان ہے، یہ بعض وہ خصوصیات ہیں جن سے وقف نقدی کی اہمیت اور مقام کا پتہ چلتا ہے۔

۴-وقف نقدی کی تشکیل

نقد وقف کبھی تو انفرادی ہوتا ہے اس طرح کہ کوئی فرد یا جہت اکیلے وقف کرے اور مال موقوف میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو، یہ عام طور پر اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یا تو آدمی کی مالی استطاعت اچھی ہو اور موقوف علیہ معین ومحدود ہو یا جہت عام اور چھوٹی ہو، چنانچہ اس طرح کا وقف اپنی اہمیت کے باوجود محدود نوعیت کا ہوتا ہے (اگرچہ اس کا وجود ہے جیسے کہ ڈاکٹر شوقی فنجری نے طلبہ علم اور دعوت وفقہ اسلامی کے لئے وقف کیا اور جیسے صالح کامل نے جامعۃ الازہر کے مرکز الاقتصاد الاسلامی پر وقف کیا)، جو نقدی وقف اجتماعی یا مشترک ہوتا ہے وہ اس طرح ہوتا ہے کہ

کوئی محدود یا غیر محدود جماعت بالاشتراک کسی بھی صورت میں وقف فنڈ قائم کرے یا کوئی ایسا ادارہ فنڈ قائم کرے جس کے پاس انفرادی اوقاف جمع ہو گئے ہوں، جیسا کہ بعض بینک کرتے ہیں جنہیں انفرادی اوقاف موصول ہوتے ہیں، وہ ان کو ملا کر جن کا مقصد ایک ہو، ایک فنڈ بنا دیتے ہیں تاکہ اس کی سرمایہ کاری اور اس سے حاصل شدہ منافع کے ذریعہ جہت موقوف علیہ کو منافع ملیں یا اگر واقف نے کسی ایک جہت کو مخصوص نہ کیا ہو تو کئی فلاحی اداروں کو منافع دیے جائیں۔

کبھی یہ فنڈ وقف کے چیکوں کے ذریعہ بنایا جاتا ہے، جن کی قیمت متعین ہوتی ہے اور کوئی نظام بنا کر عام لوگوں کو فروخت کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی واقفین کی ایک جماعت یا کسی خیراتی ادارہ یا بینک یا کسی سرکاری ادارہ کے ذریعہ دین اور حکومت کی رو سے جائز متعین ضوابط کے دائرہ میں یہ چیک پیش کیا جاتا ہے۔

۵-نقدی وقف کی سرمایہ کاری

کسی چیز کی سرمایہ کاری سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو کام میں لگا دیا جائے تاکہ اس سے منافع حاصل ہوں، جیسے گھروں اور اراضی کو کرایہ پر دینا اور منافع حاصل کرنا یا کبھی کوئی چیز بٹائی پر دینا، مشہور ہے کہ نقود جامد اور ساکن ہوتے ہیں، وہ بذات خود کوئی منافع نہیں دے سکتے، ان کو بدلنا، حرکت میں لانا اور سرمایہ کی دوسری صورتوں میں بدلنا ضروری ہے، پھر ان ہی کو یا ان کے منافع کو نقود میں لوٹا دیا جائے، مثلاً ممکن ہے کہ ان سے کوئی سامان خریدا جائے پھر نفع لے کر بیچا جائے یا ان سے مستقل اسباب و جائداد خرید لی جائیں اور منافع حاصل کیے جائیں مثلاً اراضی، مکانات، کارخانے، شیئرز وغیرہ، اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ وقف نقود کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کو کام میں لگا دیا جائے، ان سے منافع بھی حاصل ہوں اور وہ

زائل بھی نہ ہوں، بیشتر حالات میں اس کا تقاضا ہے کہ ان کے ذریعہ سرمایہ کاری کی جائے، اس طرح انہیں باقی رکھا جائے اور ان کے حاصل اور آمدنی کو خرچ کیا جائے۔

اس موقع پر مناسب ہے کہ فقہاء نے وقف نقود کی جن صورتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ایک صورت کی طرف اشارہ کر دیا جائے، پھر نقد وقف کی سرمایہ کاری کی صورتوں کا تذکرہ کیا جائے گا، فقہاء نے کہا کہ قرض دینے کے لئے نقود وقف کئے جاسکتے ہیں، مثلاً ایک شخص محتاجوں کو قرض دینے کے لئے نقد مال کی ایک مقدار وقف کرے، محتاج اس قرض کو لے کر اس سے ضرورت پوری کرے، اس کے بعد وقف کے متولی کو لوٹا دے (الدسوقی، حوالہ سابق ۴/۷۷)۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصل محبوس کیا ہے اور اس کی آمدنی کہاں ہے؟

جواب یہ ہوگا کہ اصل نقود موقوف ہوں گے، وہ اس قرض کے لئے قائم اور باقی رہیں گے، آمدنی وہ منفعت ہوگی جو قرض لینے والے کو ان نقود سے پہنچے گی، ظاہر ہے کہ قرض لینے والے کو ایک قسم کا فائدہ ہے ورنہ قرض لینے کی کوئی حاجت نہ ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ قرض حسن دینے کے لئے وقف سے کوئی فنڈ قائم کیا جاسکتا ہے اور یہ ایک اہم چیز ہے جس کا بدل نہیں (ڈاکٹر راشد العلیوی، الصیغ الحدیثۃ لاستثمار الوقف واثرہا فی دعم الاقتصاد، ندوۃ مکانۃ الوقف واثرہ فی الدعوۃ والتنمیۃ، مکہ مکرمہ، شوال ۱۴۲۰ھ)۔ یہاں کہا جاسکتا ہے کہ نقود کی سرمایہ کاری کہاں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ یہاں سرمایہ کاری نہیں، کیا ہر وقف سے الگ منفعت اور علاحدہ آمدنی حاصل ہوتی ہے؟۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض قسم کے اوقاف سے آمدنی حاصل ہوتی ہے اور بعض سے حاصل نہیں ہوتی (سحنون: المدونہ، حوالہ سابق ۹/۱۰) پہلے کی مثال وہ کرایہ کے لئے وقف کئے گئے مکان سے اور دوسرے کی مثال رہائش کے لئے وقف کئے گئے مکان سے دیتے ہیں، یہاں سوال تو یہ ہونا چاہئے کہ قرض کبھی کبھی ادا نہیں کئے جاتے اور وقف کے متولی کا جو خرچ ہے وہ کیسے پورا ہوگا، کیونکہ اگر یہ مسائل صحیح طور پر حل نہیں ہوں گے تو اموال وقف اور فنڈ کے ذرائع ختم ہو جائیں گے،

جو وقف کے مقصد اور اس کی سنت کے منافی ہوگا، اسی طرح واقف کی جو غرض ہے کہ وقف باقی رہے اور موقوف علیہ اس سے دائمی فائدہ اٹھائے جس سے دائمی ثواب حاصل ہو، وہ بھی ختم ہوجائے گی، ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے یعنی ضمانتوں، رہن اور کفالات کے ساتھ ساتھ اس بات کے جواز پر بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ قرض لینے والا اطمینان بخش طریقہ پر طے شدہ حدود وضوابط کی روشنی میں اپنے قرض کے واقعی اخراجات ادا کرے، ہماری رائے یہ ہے کہ اس سلسلہ میں بہتر یہ ہوگا کہ وقف کا متولی وقف کے ایک متعین حصہ کی سرمایہ کاری کرے اور یہ واقف کے علم میں ہو اور اس کے منافع سے بنیادی طور پر متولی کے اخراجات پورے کئے جائیں، دیون معدومہ کے لئے کچھ حصے خاص کردیے جائیں، جو بچیں ان کو راس المال بنالیا جائے اور قرض کے لئے مخصوص کئے گئے فنڈ میں شامل کرلیا جائے۔فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ مال وقف کے کچھ حصہ کو بیچ کر باقی حصہ پر اس کی آمدنی صرف کی جاسکتی ہے، اسی طرح انہوں نے صراحت کی ہے کہ اس کے ایک حصہ سے آمدنی حاصل کرکے اسے اس کے دوسرے حصہ پر خرچ کیا جاسکتا ہے (فقہاء کہتے ہیں: کسی شخص کی خدمت کے لئے وقف کئے گئے غلام کا نفقہ خود اس شخص کے ذمہ ہوگا (الذخیرہ ۶؍۳۳۱)، یہاں نقود شہریوں کی خدمت کے لئے وقف ہیں، لہذا وہ تمام چیزیں جو ان کی بقاء کے لئے ضروری ہیں ان ہی کے ذمہ ہوں گی۔ دیکھئے: الکمال ابن الہمام، فتح القدیر ۵؍۴۳۳، ابن تیمیہ، الفتاوی ۳۱؍۲۱۴، الدسوقی ۴؍۹۰)، یہ اس وجہ سے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ وقف باقی رہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے، اس موقع پر ضرورت ہے کہ قرض دینے کے لئے وقف کا جو فنڈ ہے اس کے مال کی سرمایہ کاری اور بڑھوتری سے متعلق فقہ کی رو سے غور کیا جائے اور اس کو زائد از ضرورت آمدنی نیز نگہداشت کی غرض سے، رہائشی مکان کی سرمایہ کاری کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے۔وقف نقود کا مقصد جہت موقوف علیہ پر اس کے منافع کو خرچ کرنا بھی ہوتا ہے، جس کا لازمی تقاضا یہ ہوگا کہ پہلے اس کی سرمایہ کاری ہو پھر اس کے نفع کو خرچ کیا جائے یا زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ اس کے

ایک جز کو موقوف علیہ پر خرچ کیا جائے قدیم فقہاء نے بھی اس کی صراحت کی ہے (الماوردی، الحاوی الکبیر، حوالہ سابق ۹؍۷ ۳۰، ابن تیمیہ، الفتاوی ۳۱؍۲۳۳ اور اس کے بعد کے صفحات، الکمال ابن الہمام، حوالہ سابق ۵؍۴۳۲)۔

اگر واقف نے وقف کے لئے کوئی خاص طریقہ مقرر نہ کیا ہو تو سرمایہ کاری کے بہت سے طریقے اور اسالیب ممکن ہیں، بس شرط یہ ہے کہ وہ زیادہ نفع بخش اور وقف کی غرض پوری کرنے والے ہوں اور احکام شریعت سے ہم آہنگ بھی ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو وقف کا متولی دوسرے ایسے طریقے اختیار کرسکتا ہے جو ان تقاضوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔ وقف کے منتظمین کے سامنے موجودہ دور کے بہت سے طریقے ہیں اور اسلامی بینکوں نے انہیں استعمال بھی کیا ہے، جیسے راست سرمایہ کاری، کرایہ پر دینا، مضاربت، شرکت، سلم، بیع مرابحہ، مال تیار کرانا، کرنسی نوٹوں کی خرید، سرمایہ کاری فنڈ قائم کرنا اور ان میں شرکت کرنا وغیرہ۔ کیونکہ اوقاف کے مال بھی دوسرے مالوں کی طرح ہیں اور ان کے لئے بھی متعدد طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، بس شرعی التزام کی شرط ہے، اس وقت بھی جبکہ واقف غیر شرعی طریقہ کی صراحت کردے، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سرمایہ کاری کے عمل کی افادیت پر سنجیدگی سے غور وفکر کرلیا جائے تاکہ ایک طرف مال وقف کی حفاظت بھی ہو اور دوسری طرف زیادہ سے زیادہ منفعت بھی حاصل ہو، کیونکہ مال وقف یتیم کے مال اور بیت المال کے مال کی طرح ہے، اس کی سرمایہ کاری کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت ہونی چاہئے۔ بہتر ہوگا کہ عمومی مصلحت سے بالکل صرف نظر بھی نہ کی جائے تاکہ وقف سے متعلق معاشی مصلحت کا حصول ممکن ہو، کیونکہ وقف اصلاً ایک رفاہی عمل ہے، لہذا فلاح وبہبود کا تصور اس کے تمام اقدامات ومراحل میں موجود رہنا چاہئے اور اسے موقوف علیہ کے حقوق میں جو وقف کے عمل کا اصل مقصود ہیں غبن تصور نہ کیا جائے، اس بات کو مثال سے یوں سمجھایا جاسکتا ہے کہ کسی اسپتال یا اسکول یا یونیورسٹی کو نقد وقف کیا گیا اور اس نقد کی سرمایہ کاری یعنی مذکورہ

مصارف پر ان کی آمدنی کے صرف کے لئے دو پروجیکٹ سامنے ہیں، پہلا عام غریبوں کی
آبادکاری کا، دوسرا پروجیکٹ متوسط یا اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی آبادکاری کا، پچھلے پروجیکٹ سے جو
فائدہ ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں کم ہوگا لیکن پہلے پروجیکٹ سے غریب لوگوں کو فائدہ ہوگا،
جنہیں رہنے سہنے کی جگہ کی ضرورت ہے، تو اس صورت میں وقف کے منتظمین وقف کے مال کو
کہاں لگائیں، اس سوال کا جواب آسان نہیں؟ کیونکہ پہلی صورت میں اجتماعی فائدہ ہے تو
دوسرے میں موقوف علیہم کو زیادہ فائدہ ہے۔ مناسب میدان میں اس مال کی سرمایہ کاری کے لئے
موقوف، موقوف علیہ اور سوالِ وقف کی سرمایہ کاری اور اس کے منافع کی تقسیم کے درمیان وقت
نظر پر مبنی تمیز مفید ہوگی، کسی طرح اس پہلو کو پیش نظر رکھنا کہ موقوف علیہم کی مصلحتوں کی رعایت
خاص طور پر جب کہ وہ ضرورت مند بھی ہوں، عمومی مصارف کی رعایت بذات خود ایک اجتماعی
مصلحت ہے۔ اس میں اس سے بھی مدد مل سکتی ہے کہ حکومت خود زیر عمل لائے جانے والے
پروجیکٹوں کے لئے ترجیحات متعین کرے اور وقف کا فنڈ بھی سرمایہ کاری کے متنوع میدان اختیار
کرے، اس طرح ایک حسین امتزاج سامنے آئے گا جس کے ذریعہ ممکنہ طور پر بیک وقت عام
وخاص دونوں قسم کے منافع ومصالح کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے گا۔

۶- نقدی اوقاف کے نظم و انصرام کا مسئلہ

انفرادی نقد وقف کے انتظام میں کوئی خاص دشواری نہیں، اسے تو واقف خود بھی انجام
دے سکتا ہے یا کسی تجربہ کار سرمایہ کاری کے ادارہ کو معاہدہ کے ذریعہ یہ ذمہ داری دے سکتا ہے،
اس کی نگرانی کا ذمہ وہ خود لے یا کسی دوسرے فرد سے کروائے لیکن اجتماعی نقد وقف جس میں
بینک، فنڈز اور اسلامی مالیاتی ادارے کی ضرورت ہوگی جو خود اس کی سرمایہ کاری کرے یا کسی
دوسرے ادارے سے کروائے، اس کے لئے ایک پورے انتظامی نظام کی ضرورت پڑتی ہے اور

غالباً سب سے اہم مسئلہ یہ ہوگا کہ واقفین کیسے اس نظام کی مناسب نگرانی کریں جس سے یہ ضمانت ملے کہ وقف کے مال کی بہتر سرمایہ کاری ہو رہی ہے اور اس کے منافع بہتر طور پر صرف کیے جا رہے ہیں یا تو واقف فنڈ بنا کر جس کا نظم ان میں سے بعض افراد کریں اور مختلف سرمایہ کاری کے اداروں سے تعاون کریں، اس کام کو انجام دیں گے، باقی واقفین ایک عام سوسائٹی بنالیں گے اور کبھی واقفین کسی مالیاتی ادارے سے مدد لیں گے جو ان کی نیابت میں مذکورہ فنڈ کا نظم کرے گا اور وکالت یا مضاربت یا اجارہ کی بنیاد پر اس کے ذرائع آمدنی کو کام میں لگائے گا وغیرہ...۔

اس صورت میں اہم یہ ہوگا کہ ایک تنظیم عمل میں لائی جائے جو ایک طرح سے واقفین کی نگرانی کرے یا تو وہ فنڈ کی انتظامیہ میں شامل ہو یا کم از کم واقفین کی عام سوسائٹی میں، بہرحال اس طرح کے بہتر انتظامات آج کے ترقی یافتہ مینجمنٹ میں کوئی مشکل نہیں، کیونکہ اس طرح کے مالیاتی اور مینجمنٹ کے ادارے پھیلے پڑے ہیں، یہ بھی اہم ہے کہ مملکت قوانین وضوابط کی روشنی میں اس طرح کے معاملات میں دخیل ہو۔

۷- نقدی وقف کے فنڈز کا میدان عمل

اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ عالم اسلام زندگی کے تقاضے پورے کرنے میں شدید مشکلات سے دوچار ہے اور اپنے باشندوں کی تعلیم، علاج، روزگار اور رہائش وغیرہ کے مسائل کو حل کرنے اور باوقار زندگی کی فراہمی میں ناکام ہے، ہم نے یہ بھی اشارہ کیا کہ ان ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جو حکومتوں کے پاس نہیں ہیں اور پرائیوٹ سیکٹر جو معاشیات پر چھایا ہوا ہے وہ ان پر توجہ نہیں کرتا، لہٰذا اب ایک ہی شکل بچتی ہے کہ سول سیکٹر پر مبنی رضا کار ادارے اسے کریں اور پرائیوٹ سیکٹر سے مدد لیں۔

اس کام کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مختلف افراد اور اداروں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اقتصادی و اجتماعی طور پر ضروری چیزوں کی فراہمی کے لئے سرمایہ صرف کریں، اس چیز کے لئے دین و مذہب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں جو انہیں رضا کارانہ مال خرچ کرنے پر آمادہ کرے، اسلام صدقات، وقف اور خیرات کی اپنی تعلیمات اور قوانین کے ذریعہ اس رجحان کو سب سے زیادہ ابھار سکتا ہے، مطلوب یہ ہے کہ پہلے یہ جذبہ ابھارا جائے اور ایک عام شعور پیدا کیا جائے، جس میں سب کو خطاب کیا جائے اور اس طور پر کہ سب اسے سمجھیں اور اس کے تمام پہلو اور نکات سب کے سامنے واضح ہو جائیں، پہلے اوقاف کی مذہبی اہمیت، پھر اقتصادی اور سماجی اہمیت بتائی جائے، پھر اس کی شکلوں اور اسالیب پر عمل کی بھر پور وضاحت ہو، لوگوں کے سامنے یہ پہلو لایا جائے کہ اس سے عام لوگوں کے مفادات کیسے پورے ہوں گے اور اس میں حصہ لینے والوں کو بہتر ثواب ملے گا، پھر مملکت اپنے قوانین اور حدود و ضوابط کے ذریعہ لوگوں کو اس پر مطمئن کردے کہ ان کے عطیے اور اوقاف محفوظ رہیں گے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے خاص ہوں گے، ان کو دست درازی اور کھلواڑ سے بچایا جائے گا۔

اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ پرائیوٹ مالیاتی ادارے اور سرکاری ایجنسیاں بھی وقف کے فنڈز قائم کریں جو سماج کی فلاح و بہبود کے لئے کام کریں اور علاج کے مسئلہ، تعلیم کے مسئلہ، بے روزگاری کے مسئلہ، ریسرچ کے مسئلہ اور آبادکاری کے مسئلہ وغیرہ پر کام کریں (الامانۃ العامۃ للاوقاف، الکویت،'' الصنادیق الوقفیۃ۔ النظام العام واللائحۃ التنفیذیۃ'' مطابع الخط ۱۴۱۳ھ) اور افراد اور اداروں کو ان مدات میں خرچ کرنے پر ابھاریں، اسی طرح واقفین کے مقاصد درست ہوں گے اور ان کا رخ بالفعل حقیقی خیر کے کاموں کی طرف ہوگا، لا حاصل گھٹیا اور دین و دنیا کے لئے غیر مفید مقاصد کی طرف نہ ہوگا، ابن تیمیہ نے ایسے کاموں میں وقف کرنے کو باطل قرار دیا ہے (الفتاوی) اور یہ نہ صرف شرعاً صحیح ہے بلکہ معاشی طور پر بھی درست ہے۔

خاتمہ

بنیادی طور پر اس مقالہ میں نقد وقف سے بحث کی گئی ہے، تمہید میں اس سے متعلق بنیادی نکات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ موجودہ دور میں وقف کے کردار کو مضبوط بنایا جائے۔ مقالہ میں وقف کے ادارہ کی تعریف وتوضیح کی گئی اور پھر موجودہ دور میں اس کے کردار کی ضرورت کو اجاگر کیا گیا، مقالہ کے پہلے حصہ میں ان چیزوں سے بحث تھی تو دوسرے حصہ میں وقف نقد سے، اس حصہ میں وقف نقد کی تعریف کی گئی، اس کے سلسلہ میں فقہی موقف بیان کیا گیا، پھر وقف کی خصوصیات اور اس کے وسائل، اس کی تشکیل اور اس کی سرمایہ کاری کی بعض صورتوں کا تذکرہ کیا گیا، آخر میں اس کے بعض ادارہ جاتی اور تنظیمی امور کو بیان کیا گیا۔

اس پوری بحث سے بعض اصولیات سامنے آئیں، جن کی طرف ذیل میں اشارہ کیا جارہا ہے:

اول: ایک طویل مدت سے مسلم دنیا کے اوقاف دگرگوں حالات سے دوچار ہیں، اگرچہ اب بعض جگہوں پر اس کی ترقی اور افزونی کے لئے بعض اچھی کوششیں کی جارہی ہیں۔

دوم: اوقاف کی اس ناگفتہ بہ حالت کے پیچھے بنیادی طور پر بعض وہ تصورات اور غلط فہمیاں ہیں جو اس کے احکام اور شرعی قیود سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں، جن کے باعث وسعت تنگی میں، آسانی مشکل میں اور بہاؤ جمود میں بدل گیا، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ فقہ اسلامی میں اوقاف کے تعلق سے کافی لچک پائی جاتی ہے اور "ماجری التعامل به فوقفه جائز" (جس چیز کا تعامل جاری ہو اس کا وقف جائز ہے) کی بے نظیر عبارت سے اس بات کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے ہمیں آج شدید ضرورت ہے کہ فقہ الوقف کو نئی صورت میں سامنے لائیں اور اس کی تشکیل جدید کریں۔

سوم: معاصر مسلم دنیا کے اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی احوال کا تقاضا ہے کہ اوقاف پر

سنجیدگی سے توجہ دی جائے اور جدید اسالیب اور ٹیکنالوجی سے استفادہ کرتے ہوئے اسے ترقی دی جائے تاکہ آج کے حالات میں وہ اپنا مطلوبہ کردار ادا کرسکیں اور ان بحرانی حالات کا سامنا کیا جاسکے۔

چہارم: اوقاف کی افزائش اور ترقی دینے کی جہت میں یہ بھی اہم ہے کہ وقف نقدی کا اہتمام کیا جائے، اس لئے کہ اس کی خصوصیات اور وسائل زیادہ ہیں اور مختلف مسالک اور فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں، سابقہ بحث سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں وقف نقد پر عمل رہا ہے اور آج وہ عصر حاضر سے پوری طرح مطابقت بھی رکھتا ہے۔

اب ضرورت اس کی ہے کہ اس کے انتظامی اور مالیاتی پہلوؤں کی کافی شافی توضیح کی جائے، ان کو بروئے کار لانے کا عمل آسان ہوجائے گا اگر ان اسلامی مالیاتی اسالیب اور طریقوں کو پیش نظر رکھا جائے جن پر اسلامی مالیاتی ادارہ کے ذریعہ عمل کیا جارہا ہے اور جن کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ہماری تجویز یہ ہے کہ اکیڈمی وقف نقد کی انفرادی واجتماعی دونوں شکلوں کے جواز کا فیصلہ صادر کرے اور اس پر اسلامی مالیاتی ضوابط وطریقوں کو لاگو کرنے میں زیادہ لچک اور آسانی کا مظاہرہ کرے، اس طرح وقف کے سلسلہ میں امام قرافیؒ کے مندرجہ ذیل قول پر عمل کیا جاسکے گا: "هو من أحسن القرب وينبغي أن تخفف شروطه" (وقف ثواب حاصل کرنے کی بہتر صورتوں میں سے ایک ہے اور اس کی شرطوں کو آسان ہونا چاہئے) (الذخیرہ ۶ر ۳۲۲)، نیز اکیڈمی مسلم حکومتوں سے یہ سفارش کرے کہ وہ لوگوں کو اوقاف کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنے قوانین اور طریقہ کار پر نظر ثانی کریں۔

☆☆☆

وقف کا مقام اور سماجی مسائل کے حل میں اس کا کردار

عبدالرحمن بن سلیمان المطرودی ☆

تمہید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون" (سورہ آل عمران: ۱۰۲) (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے اور جان نہ دینا بجز اس حال کہ تم مسلم ہو)۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے: "یا أیہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منہا زوجہا وبث منہما رجالاً کثیراً ونساء واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والأرحام إن اللہ کان علیکم رقیباً" (سورہ نساء: ۱) (اے لوگو! اپنے پروردگار سے تقویٰ اختیار کرو جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہ کثرت مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ سے تقویٰ اختیار کرو جس کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور قرابتوں کے باب میں بھی تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے)۔

نیز فرمان باری ہے: "یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً

☆ سکریٹری وزارت برائے امور اوقاف، سعودی عرب۔

یصلح لکم أعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً" (سورہ احزاب: ۷۰-۷۱) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچ گیا)۔

اللہ تعالی نے ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ کے سلسلہ میں فرمایا: "وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین" (سورہ انبیاء: ۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)۔ اسی طرح فرمایا: "لقد جاء کم رسول من أنفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم" (سورہ توبہ: ۱۲۸) (تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک ایسے رسول آئے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، وہ تمہاری مغفرت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں)۔

اللہ تعالی کا اپنے مومن بندوں پر یہ احسان ہے کہ اس نے انہیں نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کا حکم دیا: "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان واتقوا اللہ إن اللہ شدید العقاب" (سورہ مائدہ: ۲) (نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرو، گناہ اور سرکشی پر تعاون نہ کرو، اللہ کا تقوی اختیار کرو، بلاشبہ اللہ شدید سزا دینے والا ہے)۔ اللہ تعالی نے ایمان والوں کو ایک دوسرے کا دینی بھائی بنایا تا کہ ہر بھائی اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے: "واللہ لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ" (خدا کی قسم تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

میرے لئے خوشی ومسرت کی بات ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے ذمہ داروں کی

گذارش قبول کرتے ہوئے اسلام میں وقف کی اہمیت، معاشرہ کی ترقی کے لئے اس کی ضرورت اور دور حاضر کے معاشی مسائل کے حل میں اس کے کردار کے موضوع پر یک مقالہ لکھوں، خاص کر اس لئے بھی کہ یہ حضرات ہندوستانی معاشرہ کو درپیش موجودہ مسائل کے حل کے لئے اسلامی اوقاف قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان مسائل میں سرفہرست یتیموں، مطلقہ عورتوں اور بیواؤں کے حالات و مسائل ہیں، اسی طرح مریضوں کا علاج، مختلف سماجی شعبوں کے تقاضے، صحت کے مسائل نیز تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کی ضروریات بھی ان میں شامل ہیں۔

یہ یک مسلمہ حقیقت ہے کہ وقف انفاق فی سبیل اللہ کے میدان سے متعلق اسلام کی معروف ترین سنتوں میں سے ایک ہے، یہ اپنی حقیقت و نتیجہ کے اعتبار سے ایک خوبصورت اسلامی انتظام ہے۔ یہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے صدقہ جاریہ ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے صدقہ کے تسلسل اور صدقہ کے ماخذ کے دوام کا جامع ہے۔ یہ صدقہ کا ماخذ ایسا وقف ہے جو بلند دینی تعلیمات و قوانین کے مطابق صدقہ کی جائے۔ یہ تعلیمات زندگی کے مسائل میں انسان کی مدد کرتی ہیں۔ وقف نے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اسلامی معاشروں کی ترقی اور تکافل میں اہم کردار ادا کیا ہے، یہ ہر زمان و مکان میں اپنا یہ زبردست کردار ادا کرنے پر قادر ہے اگر اسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے طریقے کے مطابق ترقی بنیادوں پر دوبارہ عمل لایا جائے۔

پیش نظر مقالہ مندرجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

مبحث اول: فقہ الوقف: اس میں مختصر طور پر موضوع کے فقہی زاویہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کا مقصد وقف کے ضمن میں فقہی اجتہادات کی وضاحت کرنا نیز یہ واضح کرنا ہے کہ وقف کے مسائل میں فقہی احکام اور علماء کی آراء اور ان کے استنباط میں بے حد لچک پائی جاتی ہے۔

مبحث دوم: معاشرہ کی ترقی میں رفاہی وقف کا مقام: اس میں اسلامی

معاشرہ کو ترقی دینے و آگے بڑھانے، امداد باہمی اور افراد کے تعاون میں رفاہی اوقاف کے مقام و مرتبہ کی توضیح کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اوقاف اب بھی یہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔

بحث سوم اور چہارم میں چند متعین موضوعات پر بحث کی گئی ہے، چنانچہ **مبحث سوم** کا موضوع بیماروں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کے لئے اوقاف کی اہمیت ہے، اس میں بطور خاص سوسائٹی کے مذکورہ طبقات سے متعلق شرعی احکام کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں۔

مبحث چہارم میں دعوت و تبلیغ اور تعلیمی میدانوں میں اوقاف کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس میں علم کا مقام واضح کیا گیا ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی اشاعت کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، اسی طرح یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے دور عروج میں کتابوں کی تالیف، نشر و اشاعت اور لائبریریوں اور دارالعلوموں کے قیام میں وقف کا کیا کردار رہا ہے۔

بحث کے اختتام میں ہندوستانی مسلمانوں کو درپیش اقتصادی، ترقیاتی اور سماجی مسائل کے حل کے لئے اسلامی اوقاف کے قیام کی تشکیل و تاسیس سے متعلق چند اہم سفارشات ذکر کی گئی ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس کام کو اپنی رضا کے لئے خالص کر لے اور سب کو کتاب و سنت کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، سب کی محنتوں کو بابرکت بنائے اور ان کو درست راستہ کی رہنمائی فرمائے۔

مبحث اول - فقہ الوقف

اسلام میں وقف کی ضرورت واہمیت اور اسلامی معاشرہ کی ترقی میں اس کے کردار پر گفتگو کرتے وقت شاید اس طرف اشارہ کرنا بھی اہم ہوگا کہ امت مسلمہ ایک متبع امت ہے نہ کہ مبتدع (بدعتی)، اس لئے ضروری ہے کہ وقف سے متعلق بعض فقہی احکام کی واقفیت حاصل کی جائے، اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا ارادہ ہے کہ ہندوستانی معاشرہ کی ضرورت کے میدانوں سے دلچسپی لینے والے اسلامی اوقاف قائم کرے۔ یہ میدان اور گوشے صحت، سماج، تعلیم وتربیت، ترقی اور دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں۔ وقف سے متعلق فقہی احکام کا جاننا اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ اس قسم کے اوقاف کا قیام شرعی طور پر درست، کتاب وسنت کے مطابق اور صحابہؓ کے عمل پر مبنی ہو، کیونکہ ان اوقاف کی درست شرعی بنیاد ہی ان کے تحفظ اور ان کے دوام وبقاء کی ضامن ہے، کیونکہ صحیح آغاز اور درست مقدمات کا نتیجہ بالعموم بہتری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس مقالہ میں وقف کے موضوع سے متعلق بعض فقہی پہلوؤں سے اختصار کے ساتھ تعرض کیا جائے گا، جیسے وقف کی لغوی واصطلاحی تعریف، کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے اس کی شرعی دلیلیں، اس کی مشروعیت کی حکمت اور وقف کے ارکان وشرائط وغیرہ۔

اول- وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

الف- لغوی تعریف: لغت میں وقف کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ وقف یقف بمعنی "حبس" کا مصدر ہے، تحبیس اور تسبیل اس کے مترادف ہیں، کہتے ہیں: "وقفت الدار للمساکین وقفاً" یعنی میں نے گھر کو مسکینوں کے لئے روک دیا۔ "وقفت الدابة" یعنی میں نے سواری کو روک لیا، لیکن "أوقفت" کہنا درست نہیں، یہ غیر فصیح لغت ہے، علماء لغت

نے اسے ناپسند کیا ہے، چنانچہ فیروزآبادی کہتے ہیں کہ فصیح کلام میں أوقف یا تو سکت (وہ خاموش رہا) یا أمسک وأقلع (رک گیا) کے معنی میں آتا ہے، جوہری نے کہا کہ کلام عرب میں أوقفت صرف ایک معنی میں آتا ہے جیسے "أوقفت عن الأمر الذي كنت فيه" (میں جس کام میں لگا تھا اس سے رک گیا)، راغب نے کہا ہے: لغت میں اس کے معنی ہیں: حرکت سے روک دینا، لغت کی رو سے یہ کبھی حسی ہوتا ہے، مثلاً وقفت الدار اور کبھی معنوی مثلاً "وقفت جهودي لإصلاح الناس" یعنی میں نے اپنی کوششیں لوگوں کی اصلاح پر مرکوز کر دیں۔

ب- اصطلاحی تعریف: وقف کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسے کہ اس کے ارکان وشروط میں مختلف فقہی مذاہب کے درمیان اختلاف ہے۔ میں یہاں مذاہب اربعہ کی بعض تعریفات اختصار سے بیان کروں گا:

مذہب حنفی: مرغینانی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: وقف کسی شی کو اللہ کی ملکیت قرار دے کر روک لینا اور اس کے منافع کو صدقہ کر دینا ہے۔

مذہب مالکی: اقرب المسالک میں ہے کہ یہ مالک کا اپنی مملوکہ شی کی منفعت کو اگرچہ اجرت کے ساتھ ہو یا اس کی آمدنی کو مخصوص عبارت کے ذریعہ اتنی مدت تک کے لئے جتنی وہ مناسب سمجھے کسی مستحق کے لئے خاص کر دینا ہے۔

مذہب شافعی: رملی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: یہ ایسے مال کو جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو، اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی ملکیت میں تصرف کئے بغیر کسی موجود درمیانی مصرف کے لئے روک لینا ہے۔

مذہب حنبلی: ابن قدامہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: یہ اصل کو روک لینا اور ثمرات کو اللہ کے راستے میں دینا ہے۔ یہ تعریف نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے ماخوذ

ہے جو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا: "حبس الأصل وسبل الثمرة" (اصل کو باقی رکھو اور پھل کو خرچ کرو)۔

اسلام میں وقف چونکہ شرعی معاملات میں سے ہے، اس لئے اعتبار عملی معانی کا ہوگا، الفاظ اور حروف کا نہیں، یہاں وہ تعریف زیر بحث ہے جو معاملات کی صورتوں اور عملی صورت حال سے ہم آہنگ ہو، عملی لحاظ سے میں جس تعریف کو بہتر سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ "مالک شئی مملوک میں اپنا تصرف روک دے اور اس کی آمدنی یا منافع کو صدقہ کردے"۔

دوم- وقف کی مشروعیت

وقف انفاق فی سبیل اللہ کے اہم ترین، سب سے زیادہ باعث اجر، سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ دیرپا طریقوں میں سے ایک ہے، اس کی مشروعیت کے بارے میں کتاب وسنت سے بہت سی نصوص وارد ہیں، اکثر اہل علم کے نزدیک وہ مشروع ہے، جمہور علماء کی رائے اس کے مشروع اور لازم ہونے کی ہے۔

یہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے، کیونکہ یہ نیکی اور خیر کے کاموں میں سے ہے اور ان بڑی عبادتوں میں سے ہے جن کے ذریعہ بندہ اللہ سبحانہ کی قربت حاصل کرتا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: سلف اور ان کے بعد کے اکثر اہل علم وقف کو درست سمجھتے ہیں، صرف شریح وقف کے قائل نہیں ہیں جو فرماتے ہیں کہ مال میں اللہ تعالیٰ نے حقوق متعین کردیے ہیں، ان کو نظر انداز کرنا اور مال کو روکنا جائز نہیں۔

ابن رشد کہتے ہیں: وقف ایک جاری سنت ہے، اس پر نبی ﷺ اور آپ کے بعد کے مسلمان عامل رہے ہیں، اس کی مشروعیت پر کتاب وسنت اور اجماع دلالت کرتے ہیں۔

الف- قرآن سے وقف کی دلیلیں

کتاب اللہ میں متعدد نصوص اور بہت سی ایسی آیات ہیں جو انفاق کی مشروعیت اور عمل

خیر پر آمادہ کرتی ہیں اور خیر کے کاموں میں سب سے اہم عمل وقف ہے۔ یہ نصوص درج ذیل ہیں:

"لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شئ فإن الله به عليم" (آل عمران: ۹۲) (تم ہرگز نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے)۔

نیز فرمایا:

"يأيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون ولستم بآخذيه إلا أن تغمضوا فيه واعلموا أن الله غني حميد" (البقرۃ: ۲۶۷) (اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں اور خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے خرچ کرو گے حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو بجز اس صورت کے چشم پوشی ہی کر جاؤ اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز ہے، ستودہ صفات ہے)۔

"إنما أموالكم وأولادكم فتنة والله عنده أجر عظيم فاتقوا الله ما استطعتم واسمعوا وأطيعوا وأنفقوا خيرا لأنفسكم ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون إن تقرضوا الله قرضا حسنا يضاعفه لكم ويغفر لكم والله شكور حليم" (التغابن: ۱۵-۱۷) (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر ہے لہٰذا جہاں تک تمہارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور اطاعت کرو، اور اپنے مال خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے، جو اپنے دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے، بس وہی فلاح پانے والے ہیں، اگر تم اللہ کو قرض حسن دو، تو وہ تمہیں کئی گنا بڑھا کر دے گا، اور تمہارے قصوروں سے درگذر فرمائے گا، اللہ بڑا قدردان اور بردبار ہے)۔

اور فرمایا:

"وما یفعلوا من خیر فلن یکفروہ واللہ علیم بالمتقین" (آل عمران:۱۱۵)
(اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے، اس سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے)۔

اور فرمایا:

"یاأیہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون" (حج:۷۷) (اے ایمان والو! رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو، اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، اور نیکی کرتے رہو تاکہ فلاح پاجاؤ)۔

اور فرمایا:

"مثل الذین ینفقون أموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ أنبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم" (بقرہ:۲۶۱)
(جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے)۔

ب- سنت سے وقف کی دلیلیں

وقف کی مشروعیت سے متعلق بہت ساری احادیث اور بے شمار روایات وارد ہیں، یہ عموی یا خصوصی طور پر وقف کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، یہ قولی بھی ہیں اور فعلی بھی۔ خصاف نے ان میں سے بہت سی نصوص کو اپنی کتاب "احکام الاوقاف" میں بیان کیا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- بخاری ومسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت عمر کو خیبر میں ایک زمین ملی، اس کے بارے میں مشورہ کے لئے وہ نبی ﷺ کے پاس

آئے اور بولے: یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک ایسی زمین ملی ہے جس سے عمدہ کبھی کوئی مال نہیں ملا، اس بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہو تو اصل کو روک کر اسے صدقہ کردو، راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ صدقہ (وقف) کردیا اس نیت کے ساتھ کہ اس کی اصل نہ فروخت کی جائے گی، نہ خریدی جائے گی، نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور نہ وہ بطور ہبہ کسی کو دی جائے گی۔ یہ وقف فقراء، قرابت داروں، غلاموں، فی سبیل اللہ، مسافر اور مہمانوں کے لئے تھا، اس کے ذمہ دار کو دستور کے مطابق اس میں سے لینے کی اجازت تھی، اسی طرح اس سے غیر متمول دوست کو کھلانے کی بھی اجازت تھی (بخاری)۔

نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ وقف کی اصل درست ہے، نیز اس بات کی بھی کہ یہ جاہلیت کے شائبوں سے پاک ہے۔ یہی علماء اور جمہور کا مسلک ہے۔ اس پر مسلمانوں کا یہ اجماع بھی دلیل ہے کہ مساجد اور سقایات (آب رسانی کے ذرائع) کا وقف درست ہے۔

۲۔ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (صحیح مسلم) (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے البتہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کا اجر اسے ملتا رہتا ہے: صدقہ جاریہ، مفید علم اور نیک اولاد کی دعائیں)۔ نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں وقف کی بنیاد کے صحیح ہونے اور اس کے باعث ثواب ہونے کی دلیل ہے۔

ج- اجماع سے وقف کی دلیلیں

اس کی مشروعیت پر علماء کا اجماع ہے، جسے رافعی اور ابن قدامہ نے بیان کیا ہے۔

رافعی کہتے ہیں: وقف پر صحابہؓ کا قول اور فعل متفق مشہور ہے۔

ابن قدامہ نے کہا: جابر فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں کوئی بھی وسعت والا شخص ایسا نہ تھا جس نے وقف نہ کیا ہو، اس بات کا اجماع ہے کہ ان میں جو بھی وقف پر قادر تھا اس نے وقف کیا اور یہ چیز مشہور ہوئی، اس پر کسی نے بھی نکیر نہیں کی لہذا اجماع ثابت ہو گیا۔

حدیث عمرؓ پر ترمذیؒ نے یہ عنوان لگایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، صحابہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، ہم ان کے متقدمین میں زمین وغیرہ کے وقف کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں پاتے (سنن الترمذی)۔

سوم- وقف کی مشروعیت کی حکمت

یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ اسلامی قوانین اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کا اپنے خالق جل شانہ سے تعلق مضبوط ہونا چاہئے۔ اس تعلق کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید خالص، تنہا اسی کی معبودیت اور تمام اقوال وافعال میں صرف اسی کے قصد پر ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی احکام نازل کئے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کی خاطر انسانوں سے باہم محبت کی بنیاد پر مسلمان آپس میں اپنے رشتے مضبوط کریں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان سے تعلق کو مضبوط ہونے، اس کی خبر گیری اور اس کی حاجت روائی کے اصول تک پہنچانے والے وسائل میں سے وقف ہے، اس کی حکمتیں عظیم اور اس کے مقاصد بلند ہیں، یہ حکمتیں اور مقاصد مسلمانوں کے عام وخاص مصالح کے دائرہ میں پورے ہوتے ہیں۔ نصوص شرعی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلامی شریعت بندوں کی مصلحتوں کے لئے وضع کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "رسلا مبشرين ومنذرين لئلا يكون للناس على الله حجة بعد الرسل وكان الله عزيزا حكيما" (نساء:۱۶۵) (اور پیغمبروں کو ہم نے بھیجا خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر تا کہ لوگوں کے لئے پیغمبروں کے آنے کے بعد اللہ کے سامنے عذر باقی رہ جائے اور اللہ تو ہے ہی بڑا زبردست بڑا حکمت والا) اور فرمایا: "وما أرسلناك إلا رحمة

للعالمین" (انبیاء:۱۰۷) (اے نبی ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے صرف رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)۔

اسلام میں احکام شرع کی تکلیف کی بنیاد مخلوق سے متعلق شرعی مقاصد کی حفاظت پر ہے۔ یہ مقاصد تین ہیں:

۱-ضروری، ۲-حاجی، ۳-تحسینی۔

ضروری مقاصد کا مفہوم یہ ہے کہ دین ودنیا کے مصالح کے لئے ان کی تکمیل ضروری ہو، ان کی حفاظت دو چیزوں سے ہوگی: ایک اس ذریعہ سے جس سے اس کے ارکان وقواعد کو مضبوط کیا جاسکے اور دوسرے اس ذریعہ سے جس کے سہارے وقوع پذیر یا متوقع خرابی کو دور کیا جاسکے، یعنی سلبی طور پر مقاصد کی رعایت۔

ضروریات مجموعی طور پر پانچ ہیں:

۱-دین کی حفاظت، ۲-جان کی حفاظت، ۳-نسل کی حفاظت، ۴-مال کی حفاظت، ۵-عقل کی حفاظت۔

جہاں تک حاجی مقاصد کی بات ہے تو ان کا مفہوم یہ ہے کہ توسیع کے پہلو سے ان کی ضرورت ہو اور ان کے ذریعہ اس تنگی کو رفع کیا جائے جو اغلبی طور پر حرج میں مبتلا کرتی ہے اور جس سے مطلوب فوت ہو جائے، ان کا لحاظ نہ رکھا جائے تو مکلفین بالجملہ حرج ومشقت میں مبتلا ہو جاتے ہوں، البتہ یہ حرج مصالح عامہ میں متوقع عمومی فساد کے درجہ میں نہیں ہوتا۔

تحسینی مقصد یہ ہے کہ اچھی عادات واخلاق کو لیا جائے اور عقل سلیم جن بری چیزوں سے ابا کرتی ہو ان سے اجتناب کیا جائے، اس میں مکارم اخلاق بھی آجاتے ہیں، جن چیزوں پر حاجی اور ضروری مقاصد منطبق ہوتے ہیں ان ہی پر تحسینی بھی منطبق ہوتے ہیں مثلاً عبادات میں نفل نمازیں اور تمام سنتیں، زینت وجمال، خیر کے کام کرنا، صدقات، احسان تقرب وغیرہ کے دوسرے کام۔

ان چیزوں میں وقف سماج کے احوال وظروف کے مطابق شامل ہے۔

وقف صدقات، زکاۃ، ہدیے اور خیرات وغیرہ میں انفاق کی صورتیں متنوع ہیں۔ شریعت اسلامی نے مسلمان کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ انفاق کی جس مشروع صورت کو چاہے اختیار کرلے۔ تاہم انفاق کی سب سے افضل صورت وہ ہے جس کا فائدہ عام ہو، جو برقرار اور جاری رہے، وقف میں بھی عمومی فائدہ اور نفع ہے، اسی وجہ سے وہ ان عباداتی کاموں میں سے ہوگیا جن سے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے، قرآن کریم نے متعدد آیات میں اس پر ابھارا ہے، چنانچہ فرمایا: "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شئ فإن الله به علیم" (آل عمران: ۹۲) (جب تک اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کروگے نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکوگے)۔ اسی طرح فرمایا: "مثل الذین ینفقون أموالهم فی سبیل الله کمثل حبة أنبتت سبع سنابل فی کل سنبلة مائة حبة والله یضاعف لمن یشاء والله واسع علیم" (بقرہ: ۲۶۱) (جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیں اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا ہے، بڑا علم والا ہے)۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاثة: وعد منها صدقة جاریة" (مسلم) (جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا ہر عمل منقطع ہوجاتا ہے، بجز تین کے: ان میں سے آپ نے صدقہ جاریہ کا شمار فرمایا)۔ وقف دو وجوہ سے بقیہ صدقات اور ہدایا سے ممتاز ہے:

پہلی وجہ: اس کا تسلسل۔

دوسری وجہ: اس کی پائداری۔

پہلی وجہ: وقف کے تسلسل کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ وہ ان ابواب خیر میں سے ہے جن کا اجر و ثواب جاری رہتا ہے، جیسا کہ حدیث گزری کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے، بجز تین کے، صدقہ جاریہ ... وقف کی جانب سے وقف سے یہی مقصود ہوتا ہے۔

دوسرا پہلو خیر اور نیکی کے کاموں میں اس کے فائدہ کا تسلسل ہے جو کہ قیمت کی فنی سے بھی منقطع نہیں ہوتا، امت کے اس سے مستفید ہونے کی جہت سے وقف کا یہی مقصود ہے۔

دوسری وجہ: یعنی وقف کی پائیداری جس کے معنی یہ ہیں کہ وقف ایک مستقل اسلامی مالیاتی ادارہ ہے جو اس میدان میں خرچ کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے جس کے لئے وقف ہوتا ہے، امت کو جب شدید حالات و مصائب پیش آتے ہیں اس وقت اس کی زبردست خدمت کرتا ہے، وقف اعمال خیر کے تسلسل اور پائیداری کا ذریعہ ہے، کیونکہ عموماً تعلیمی اور تبلیغی کاموں، خیر مدارس و مساجد پر خرچ کرنے میں اس کا بڑا کردار ہے۔

وقف کے ہونے سے وہ خدمات جو امت کے دوران تھیں وہ سرگرمیاں جاری رہیں جو کم آمدنی اور کم انفاق سے رک سکتی تھیں۔ فقہاء نے وقف کی مشروعیت کی مندرجہ ذیل حکمتیں بیان کی ہیں:

۱- وقف کے ذریعہ مسلمانوں کے امداد باہمی کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔

۲- اس کے ذریعہ امت کے مصالح اور اس کی ضروریات انجام پاتی ہیں اور اس کی ترقی و خوشحالی میں مدد ملتی ہے۔

۳- اس میں مال کی بقا اور اس سے دائمی انتفاع کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

۴- یتیموں کا کفالہ ہوتا ہے اور اس سے اجر و ثواب کا حصول ہوتا ہے۔

۵- اس سے نیکی و خیر کے کاموں کو بڑھاوا ملتا ہے۔

۶- وقف کے ذریعہ مال کو کھلواڑ سے بچایا جا سکتا ہے مثلاً اولاد کی فضول خرچی یا رشتہ دار کے غلط تصرف سے۔

مجموعی حیثیت سے وقف سے وسیع پیمانے پر اجتماعی مقاصد واہداف کی تکمیل ہوتی ہے، خیر کے وسیع الاطراف کام کیے جا سکتے ہیں، اسلامی معاشرہ کی ضروریات ومطالبات جیسے بھی ہوں ان میں مختلف طرح سے وقف کا استعمال ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اخروی اجر وثواب تو ہے ہی۔

چہارم-ارکان وقف

کسی شی کا رکن اس کا وہ جز ولازم ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا تحقق نہ ہوتا ہو، کسی معاملہ کا رکن وہ جز ہے جس کے بغیر وہ عقد وجود پذیر نہ ہو، ارکان وقف کے بیان میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ یہ ہر وہ لفظ ہے جو وقف پر دلالت کرے۔ جمہور نے اس کے مندرجہ ذیل ارکان بتائے ہیں:

۱-واقف، ۲-جس پر وقف کیا جائے، ۳-موقوف، ۴-صیغۂ وقف۔

ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں کہ وقف کا رکن وہ الفاظ ہیں جو وقف پر دلالت کریں۔

خرشی لکھتے ہیں: وقف کے ارکان چار ہیں: عین موقوف، صیغہ وقف، واقف، موقوف علیہ۔

نووی نے کہا: اس کے ارکان چار ہیں: واقف، موقوف، موقوف علیہ اور صیغۂ وقف۔

غایۃ المنتہی اور اس کی شرح مطالب اولی النہی میں ہے کہ وقف کے ارکان چار ہیں: واقف، موقوف علیہ، وہ لفظ جس کے ذریعہ وقف کیا جائے اور عین موقوف، فقہاء نے ان الفاظ کی دو قسمیں کی ہیں جن سے وقف منعقد ہوتا ہے:

پہلی قسم: صریح الفاظ یعنی جو وقف پر بغیر کسی قرینہ کے دلالت کریں اس طور پر کہ وہ اسی معنی میں استعمال ہوتے ہوں، وہ یہ ہیں: وقف، حبس، تسبیل، وقف کا لفظ تو اسی کے لئے موضوع لہ اور اسی سے معروف ہے، تحبیس اور تسبیل عرف شرع میں وقف کے لئے ثابت ہیں، مثلاً نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "حبس الأصل وسبل الثمرة" (اصل کو روک کر اس کے پھل کو وقف کردو)۔

مختصر خلیل اور اس کی شرح الشرح الصغیر میں ہے: چوتھا رکن صریح صیغہ ہے جیسے وقفت، حبست، یا سبلت ہے۔ شیرازی نے لکھا ہے: وقف، حبس اور تسبیل یہ صریحی صیغے ہیں، ابن قدامہ نے مقنع میں لکھا ہے: وقف کا صریح صیغہ وقفت، حبست اور سبلت ہے۔ حنفیہ کی یہ رائے اوپر گزر چکی ہے کہ وہ وقف کے ارکان کو صیغہ میں محصور کرتے ہیں۔ خرشی کا کہنا ہے: اگر یوں کہے کہ میں نے فقراء اور مساکین یا طلبہ علم وغیرہ کے لئے صدقہ کیا، تو وقف صحیح اور ہمیشہ کے لئے ہوجائے گا بشرطیکہ اس نے اس میں اس قسم کی کوئی قید لگادی کہ اسے نہ بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے۔

شیرازی نے کہا: لفظ "تصدق" وقف کا کنایہ ہے، کیونکہ یہ لفظ صدقہ نافلہ اور وقف کے مابین مشترک ہے، اس لئے صرف اس لفظ سے وقف کرنا صحیح نہ ہوگا، البتہ اگر وقف کی نیت یا مندرجہ ذیل پانچ الفاظ میں سے کوئی لفظ اس سے جوڑ دے مثلاً کہے: "تصدقت به صدقة موقوفة أو محبوسة أو مسبلة أو مؤبدة أو محرمة" تو وقف ہوجائے گا یا تصدق کے ساتھ وقف کا حکم بیان کردے، مثلاً کہے: یہ وہ صدقہ ہے جسے نہ بیچا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے نہ وراثت میں دیا جاسکتا ہے، تب بھی وقف ہوجائے گا، کیونکہ ان قرائن کے ساتھ اور کوئی احتمال باقی نہ رہے گا۔

دوسری قسم: الفاظ کنائی کی ہے، جن میں وقف کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو،

جیسے صدق، نذر تو ان الفاظ سے وقف تبھی صحیح ہوگا جب ان کے ساتھ وقف کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ بھی جوڑا جائے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: وقف کا کنایہ تصدقت، حرمت اور أبدت جیسے الفاظ ہیں، کنایہ سے وقف صحیح نہ ہوگا الا یہ کہ اس کی نیت ہو یا دوسرے الفاظ میں سے کوئی لفظ اس سے ملایا جائے یا وقف کا حکم بیان کیا جائے، مثلاً کوئی شخص کہے: میں نے صدقہ موقوف کردیا یا موقوف کے علاوہ محبسة، مسبلة، محرمة یا مؤبدة جیسے الفاظ استعمال کرے یا ساتھ میں یوں کہہ دے: اسے بیچا نہ جائے گا، نہ ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت چلے گی۔

ابن قدامہ الشرح الکبیر میں لکھتے ہیں: اگر کنایات کے ساتھ تین میں سے کوئی چیز جوڑ دی جائے تو کنایہ کے لفظوں سے بھی وقف صحیح ہوجائے گا۔ وہ یہ ہیں:

۱- واقف وقف کی نیت کرے، تو نیت سے وہ باطن میں وقف ہوجائے گا، ظاہر میں نہیں۔

۲- یہ کہ اس میں کوئی لفظ پانچوں الفاظ میں سے جوڑ دیا جائے مثلاً کہے: صدقہ موقوفہ، یا محبسہ، یا مسبلہ یا مؤبدہ یا محرمہ۔

۳- یہ کہ واقف وقف کو اس کی صفات سے متصف کرے، مثلاً کہے: "صدقة لا تباع، ولا توهب لا تورث" اسی پر اکتفا کرے، کیونکہ ملزوم کا ذکر لازم کے صریح ذکر سے بے نیاز کردیتا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی بھی لفظ کسی مخصوص جہت میں مال وقف کرنے والا ہی استعمال کرے گا۔

پنجم- وقف بالفعل کا حکم

اس بحث سے وقف بالفعل کا حکم بھی تعلق رکھتا ہے، اس بارے میں امام ابوحنیفہ، مالکیہ اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ وقف بالفعل ثابت ہوجائے گا، اگر اس کے ساتھ ایسے قرائن پائے

جائیں جو وقف پر دلالت کریں مثلاً واقف کوئی مسجد بنوا دے اور اس میں نماز کی اجازت دے دے۔

مذہب حنفی: مرغینانی فرماتے ہیں کہ اگر مسجد بنادے گا تو اس سے اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی جب تک اپنے طریقہ سے اسے ملکیت سے نکال نہ دے اور اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت نہ دے دے۔ اگر کسی ایک نے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اسے ملکیت سے نکالنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ ہوگی۔ اس میں نماز کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ جماعتی ضروری ہے اور تسلیم کی شرط ہے جو کہ مسجد ہونے کی صورت میں اس میں نماز سے ہی پوری ہوگی یا اس سے۔ جب قبضہ دشوار ہو تو قبضہ کی جگہ اس کے مقصود کا تحقق لے لے گا پھر اس میں ایک کی نماز بھی کافی ہوگی یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے منقول ایک روایت ہے، کیونکہ پوری جنس کا عمل دشوار ہے کہ ایک جماعت کے ذریعہ نماز ادا ہو تو اس کی شرط لگائی جائے، کیونکہ مسجد تو بالعموم اسی کے لئے بنائی ہی جاتی ہے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اس کے قول "میں نے اسے مسجد کے لئے کر دیا" سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔

مالکی مذہب: دسوقی شرح کبیر کے اپنے حاشیہ میں وقف کے صیغہ کے سلسلہ میں خلیل کے قول: حبست و وقفت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ایسے الفاظ جو حبست و وقفت کے قائم مقام ہوں، مثلاً تخلیہ کہ مسجد بنائے اور اس کے اور لوگوں کے بیچ تخلیہ کر دے، اگرچہ مسجد کچھ لوگوں کے لئے مخصوص نہ ہو، نہ یہ تخصیص ہو کہ اس میں فرض پڑھی جائے نفل نہیں، لہذا مسجد بنا کر اس میں لوگوں کو نماز کی اجازت دینا بھی وقف کی تصریح کے مثل ہوگا۔ اگرچہ کسی وقت یا افراد کی تخصیص نہ ہو، ایسے ہی اگر نماز کو مقید نہ کرے کہ فرض ہی ہو، تو پھر کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی اور اس پر وقف کا حکم لگایا جائے گا۔

شافعی مذہب: شیرازی کہتے ہیں: وقف صرف قول کے ذریعہ ہی درست ہے، لہذا اگر واقف نے کوئی مسجد بنوائی اور اس میں نماز ادا کی یا لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی تو یہ وقف نہیں ہوا۔

نووی کہتے ہیں: اگر مسجد کی طرز کی کوئی عمارت بنوائی یا کسی اور طرز کی کوئی عمارت بنوائی اور اس میں لوگوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت دی تو وہ مسجد نہ ہوگی، اسی طرح اگر اپنی ملکیت میں تدفین کی اجازت دی تو اس سے وہ زمین قبرستان نہ ہوگی خواہ اس جگہ میں نماز ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اسی طرح اس میں تدفین ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

حنبلی مذہب: ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد کے مذہب کا ظاہر یہ ہے کہ وقف بالفعل اس پر دلالت کرنے والے قرائن کے ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے، مثلاً مسجد بنائی اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دی، یا مقبرہ بنایا اور اس میں دفن کرنے کی اجازت دی یا پانی کی سبیل بنائی اور اس سے پینے کی لوگوں کو اجازت دی، کیونکہ امام احمدؒ نے ابوداؤد اور ابوطالب کی ایک روایت میں ایسے آدمی کے بارے میں جس نے مسجد میں کوئی مکان داخل کردیا اور نماز کی اجازت دی، کہا ہے کہ اسے رجوع کا حق نہ ہوگا، یہی حکم اس کا ہوگا جس نے قبرستان بنایا یا سبیل بنوائی اور لوگوں کو استعمال کی اجازت دے دی، اسے بھی رجوع کا حق نہ ہوگا۔

راجح یہی ہے کہ ایسی صورتوں میں اگر قرائن ہوں تو بالفعل وقف ثابت ہو جائے گا، کیونکہ عرف میں اس کا اعتبار ہے اور عرف میں اس پر وقف کی دلالت ہے، لہذا قول کی طرح عرف سے بھی وقف ثابت ہونا چاہیے مثلاً کسی نے اپنے مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا تو عرف میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کھانے کی اجازت دے دی، کسی نے راستہ میں پانی کا مٹکا رکھ دیا تو سمجھا جائے گا کہ اس نے یہ فی سبیل اللہ دے دیا ہے۔ کسی نے لوگوں میں کچھ بکھیر دیا تو سمجھا جائے گا کہ یہ اس کو لینے کی اجازت ہے، اسی طرح حمام میں داخل ہونا اور اس کا پانی بغیر اجازت

کے استعمال کرنا دلالت حال کی وجہ سے مباح ہوگا۔ تو جس طرح بغیر لفظ بولے لین دین سے بیع ہو جاتی ہے اور دلالت حال سے ہبہ اور ہدیہ صحیح ہو جاتا ہے، اسی طرح یہاں وقف بھی ہو جائے گا۔

مبحث دوم

سماج کی ترقی میں رفاہی اوقاف کی اہمیت اور ان کا مقام

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ اور بے شمار ہیں، اس نے فرمایا: "وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها إن الله غفور رحيم" (النحل:۱۸) (اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو گن نہ سکو گے، بلاشبہ اللہ غفور اور رحیم ہے)۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی اور عظیم تر اسلام کی نعمت ہے، اللہ نے فرمایا: "يمنون عليك أن أسلموا قل لا تمنوا علي إسلامكم بل الله يمن عليكم أن هداكم للإيمان إن كنتم صادقين" (الحجرات:۱۷) (یہ لوگ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو)۔

اللہ کی نعمتیں تمام احوال، گوشوں اور میدانوں میں متعدد اور متنوع ہیں، یہ زبردست نعمتیں، عظیم احسانات اور بے شمار انعامات تمام ہی لوگوں کے لئے عام ہیں اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے، خفیہ، اعلانیہ اور ماضی، حال و مستقبل اور کائنات کی تمام باریکیوں کو محیط ہیں۔

مسلمان بندوں پر اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے یہ ہے کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، آپ ﷺ اللہ رب العالمین کے پاس سے ایک متوازن شریعت لے کر آئے جس سے لوگوں

کے دنیا وآخرت کے امور درست ہوں اور انہیں صراط مستقیم کی رہنمائی ملے۔ اللہ نے فرمایا: "هو الذی بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين" (جمعہ:۲) (وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے)۔ اللہ نے ان کے لئے دین کی تکمیل کی اور ان پر دین کا اتمام کیا، فرمایا: "اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا" (آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے بطور پسند کر لیا)۔ انہیں خیر امت بنایا جسے لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے، اسی طرح فرمایا: "كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله ولو آمن أهل الكتاب لكان خيرا لهم منهم المؤمنون وأكثرهم الفاسقون" (آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ بہترین جماعت ہو، جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اہل کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت خوب ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں)۔ اس دین کی تکمیل یہ ہے کہ یہ زندگی کے تمام گوشوں کو محیط اور اس میں زندگی کے تمام مادی ومعنوی اطراف شامل ہیں۔ یہ انسانی شخصیت کے تمام مطالبات وضروریات کو پورا کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خالق وقادر مطلق انسانی نفس کی تمام باریکیاں جانتا ہے۔ فرمایا: "ونفس وما سواها فألهمها فجورها وتقواها قد أفلح من زكاها وقد خاب من دساها" (شمس: ۷-۱۰) (اور نفس انسانی کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا، اور نامراد ہوا وہ جس

نے اس کو دبا دیا)۔ اور اللہ تعالی تمام انسانوں کی بغیر رنگ، زبان اور نسل کے اختلاف کے، ضرورتیں پوری کرتا ہے، کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انسانیت کا بناؤ کس میں ہے اور بگاڑ کس میں، لہذا جن چیزوں میں بناؤ ہے ان کا حکم دیا، جن میں بگاڑ ہے ان سے روکا اور اسلامی قوانین کا وہ نظام دیا جو اس دین کو کامل و مکمل کرتا ہے۔ اس نے اس نظام کو ہر زمان و مکان کے قابل بنایا جو زندگی کے امور کی تنظیم کرتا ہے، صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے، فاسد اور کج امور کو درست کرتا ہے۔ گم کردہ راہ کو راہ دکھاتا ہے۔ فقیر کی مدد کرتا، یتیم کی کفالت کرتا اور معاشرہ کے تمام افراد کے اندر ہمدردی کی روح پیدا کرتا ہے، یہ اللہ کا بڑا احسان، اس کا فضل اور بندوں پر اس کی بڑی رحمت ہے، وہ رحمان و رحیم ہے۔ اس نے اپنے رسول کو تمام انسانوں کے لئے آخری پیغام دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ تمام دنیا والوں کے لئے رحمت بنیں، فرمایا: "وما أرسلناک إلا رحمة للعالمین" (انبیاء: ۱۰۷) (اور ہم نے آپ کو (اے پیغمبر) دنیا جہان پر اپنی رحمت ہی کے لئے بھیجا ہے) اس رحمت نے زندگی کے تمام پہلوؤں کو گھیر لیا ہے، لہذا وہ تمام اسلامی قوانین کی ایک صفت لازمہ ہے، رحمت ربانی شریعت اسلامیہ میں ظاہر ہے، اس کا احساس صرف وہی مسلمان کر سکتا ہے جو دین دار ہو اور ظاہری و باطنی طور پر دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو، یہ تعلیمات ہمیشہ اس کے نفس کو صاف، قلب کو پاکیزہ، روح کو شفاف اور کردار بلند بنائیں گی، ہمیشہ اسے خیر پر عمل پیرا ہونے، نیک اعمال کرنے اور اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی قیمتی سے قیمتی چیز قربان کرنے پر آمادہ کریں گی جس کا یہ حال اور یہ صفت ہو وہ ہمیشہ اپنے رب کی چوکھٹ پر پڑا رہے گا، جو شخص دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو رحمت اس کے دل سے کبھی جدا نہیں ہوگی، وہ اسے چاہے گا، اسے لٹائے گا اور سب کو اسی کی نصیحت کرے گا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: "ثم کان من الذین آمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة" (بلد: ۱۷) (پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور خلق خدا پر رحم کی تلقین کی)۔ کیونکہ

اپنے ایمان کی رو سے وہ جانتا ہے کہ اللہ کی مخلوق پر رحم کرکے وہ خود اپنے لئے خدا کی رحمت لا رہا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "إنما یرحم الله عباده الرحماء" (بخاری) (اللہ اپنے بندوں میں ان ہی پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "ارحموا من في الأرض یرحمکم من في السماء" (طبرانی) (تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔ اپنے ایمان ویقین اور نبی کی تصدیق کے باعث وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ مخلوق خدا پر رحم نہیں کرے گا تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا بلکہ دنیاوی زندگی میں بھی بدبختی اس کے حصہ میں آئے گی، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: "لاتنزع الرحمة إلا من شقي" (رحمت کسی شقی کے دل سے ہی کھینچی جاتی ہے)۔

اس کے علاوہ سماج کے افراد کی باہمی ہمدردی کا عظیم حاصل اور بلند مقام مضبوطی اور وحدت ہے اور رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق ہے کہ محبت باہمی اور آپسی تراحم ومہربانی میں مسلمانوں کی مثال جسد واحد کی ہے، جس کا کوئی عضو بیمار ہو جائے تو رات جگے اور بخار کے باعث سارے جسم پر اس کا اثر پڑے گا، اسی طرح ایک محرک اور بھی ہے جو جذبہ رحمت کو ابھارتا ہے اور آدمی کو خرچ کرنے اور لٹانے پر آمادہ کرتا ہے، وہ ہے مومن کی یہ خواہش کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "والذي نفسي بیده لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه" (مسلم) (خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ان بلند اسلامی قوانین کے اغراض ومقاصد اور حکمتوں پر جس کی بھی نظر ہوگی اسے معلوم ہوگا کہ وہ بنی نوع انسان کے مابین تکافل، تعاون اور وحدت کے سلسلہ میں اتنی بلندی پر ہیں کہ جہاں تک کوئی بھی وضعی قانون نہیں پہنچتا، کیونکہ یہ ایسے بشری

قوانین ہیں جن کو خطاء، کمی یا نقص عارض ہوتا ہے، پھر اس قسم کی اسلامی تعلیمات دو بنیادوں پر مشتمل ہیں: دنیا کا اجر وثواب تمام تر اشکال وانواع کے ساتھ اور آخرت کا ثواب جسے اللہ نے بندوں کے لئے تیار کیا ہے اور جس کی حقیقت محض اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ انفاق کے سلسلہ کی ہی اسلامی تعلیمات میں سے ایک میدان اوقاف کا بھی ہے، جس کا دائرہ کار انسان کی ضرورتوں اور حاجتوں کی تکمیل ہے۔ اوقاف انسان کو ایک ترقی یافتہ اور مہذب انتظام کے ذریعہ جس سے انسان کی ضرورت بھی پوری ہو اور انسان کی کرامت کی بھی حفاظت ہو، محتاجی اور تنگ دستی سے بچاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولقد کرمنا بنی آدم" (بنی اسرائیل: ۷۰) (ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے)۔ یہ اسلامی قوانین انسان کو اس سے بچاتے ہیں کہ وہ اپنے کو ذلیل کرے یا اپنی توہین کرے، جو تنگی ومحتاجی میں دست سوال دراز کرنے اور مانگنے سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ شریعت نے اسے اپنی تعلیمات اور قوانین کے ذریعہ نفس کے مطالبات اور ضروری حاجات بھی فراہم کردیئے اور اس کو تذلیل سے بھی بچالیا۔ اس نے سماج کی تعمیر اور امن کی برقراری کے ساتھ ان ذرائع کو بھی بند کردیا جو انسان کی ضرورت ومحتاجی سے پیدا ہوتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں پوری کرنے میں وہ بہت سی غلطیاں کر گزرتا ہے۔

اس لئے ہم پاتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ کے میدان میں اسلامی ہدایات فقر ومحتاجی کو دور کرنے کے مادی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اخروی ومعنوی پہلوؤں پر بھی مشتمل ہیں، جس کا ادراک فی سبیل اللہ خرچ کرنے والے کو ہوتا ہے۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے وہ بہترین منہج دیا ہے، جس میں تزکیہ نفس اور سماج میں خیر کے کام علی الدوام کرتے رہنے کی ضمانت ہے، اس کے بہت سے راستے ہیں جن میں سب سے افضل وقف ہے، وقف وہ صدقہ جاریہ ہے جو سب سے زیادہ مکمل، سب سے زیادہ ثواب والا، عملی پہلو سے سب سے زیادہ مفید، سب سے زیادہ دائمی نفع کا حامل اور سب سے زیادہ پائیدار ہے، کیونکہ وہ سماج کی مضبوطی وتکافل کا تحفظ کرتا ہے، لوگوں

میں مکمل میل ملاپ اور محبت پیدا کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز کاموں پر ابھارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقف کو شریعت اسلامیہ میں زبردست مقام دیا گیا، اسے سب سے مؤکد سنت بتایا گیا اور اسے صدقہ و انفاق فی سبیل اللہ کے افضل ابواب میں سے قرار دیا گیا ہے جیسے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: "إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (مسلم) (جب کسی آدمی کی موت ہو جاتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے، سوائے تین باتوں کے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے)۔ نبی ﷺ کی یہ مبارک سنت امت کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کے لئے ابھارتی ہے: "آمنوا بالله ورسوله وأنفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه فالذين آمنوا منكم وأنفقوا لهم أجر كبير" (حدید: ۷) (ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جس مال میں اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو، سو جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں اور خرچ کریں انہیں بڑا اجر حاصل ہوگا)۔

خیر کا کام کرنے والوں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ارشاد ہے:

"ليس عليك هداهم ولكن الله يهدي من يشاء وما تنفقوا من خير فلأنفسكم وما تنفقون إلا ابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خير يوف إليكم وأنتم لا تظلمون" (بقرہ: ۲۷۲) (ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لئے کرتے ہو اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو اور تم مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو سب تم کو پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی) اور ارشاد ہے: "لن تنالوا البر حتى تنفقوا

مما تحبون وما تنفقوا من شئ فان الله به علیم" (آل عمران: ۹۲) (جب تک تم اپنی محبوب چیزوں کو خرچ نہ کروگے نیکی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکو گے اور جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے)۔

اسلام میں وقف کی تاریخ اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کرنے والا پائے گا کہ وہ زندگی کے تمام تر شعبوں، علمی، سماجی اور اقتصادی وغیرہ میں اسلامی معاشرہ کے لئے بہت مفید حل پیش کرتا ہے، وقف کے ذریعہ سے ہی بہت سے گوشوں میں اسلامی تہذیب پھلی پھولی، چنانچہ اسلامی شہروں میں اسپتال بنائے گئے۔ فقراء ومساکین اور بیماروں کے لئے علاج کا انتظام کیا گیا، اسی طرح فقراء اور محتاجوں کے لئے سرائے بنائے گئے، مساجد کی تعمیر ہوئی، قرآن کریم کے حفظ کے حلقے قائم ہوئے، وقف سے چلنے والے دارالمطالعے قائم ہوئے، یہ وقف کے وہ عظیم اثرات ہیں جو پوری مسلم دنیا پر پڑے۔

اسی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ اسلامی معاشروں میں اسلامی اوقاف کے مثبت اور نتیجہ خیز اثرات کیا تھے اور انھوں نے مختلف اداروں میں اسلامی تہذیب کو مالامال کرنے میں کیا بلند کردار ادا کیا، اسلامی معاشروں کو آگے بڑھانے اور ان میں مختلف اقتصادی، سماجی اور تحقیقی وترقیاتی ادارے قائم کرنے میں وہ کیا سرگرم کردار کرسکتے ہیں۔

علمی تحقیق، تعلیم وتربیت، کتب خانوں اور علاج ومعالجہ اور طبی تحقیقات کے لئے اسپتال اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام میں آج بھی وقف کے کردار کو سرگرم بنایا جاسکتا ہے، نیز اس کے ذریعہ غربت کو دور کیا جاسکتا ہے، اس طرح کہ جو لوگ کام کرسکتے ہوں انہیں روزگار دیا جائے اور جو کام نہ کرسکتے ہوں ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں نیز اور بھی میدانوں میں اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح سماجی، انسانی اور ترقیاتی پہلوؤں سے ہم پاتے ہیں کہ ان میدانوں میں

وقف نے ماضی میں بھی زبردست کردار ادا کیا ہے۔ وقف صدقات جاریہ کی سب سے عظیم اور درست ترین تعبیر ہے۔ ان صدقات کا جذبہ انسانی نفس میں اندر سے پیدا ہوتا ہے جو دینے، خرچ کرنے اور عمل خیر پر ابھارتا ہے۔ اللہ کی رضا جوئی کے علاوہ اور کوئی دباؤ، پابندی اور رواجات اس کے محرک نہیں بنتے۔ اس طرح دنیا میں مسلم معاشرہ کے افراد کے مابین تعاون اور تکافل ہوتا ہے۔ چونکہ مقصد نیک اور نیت بلند ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں باہمی میل ملاپ، محبت، تکافل اور وحدت بھی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "وتعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان" (سورۂ مائدہ:۲) (ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) پر عمل ہوگا۔ اس لئے صدقات جاریہ کا درجہ بھی بہت بلند ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا فرمان الٰہی اہل خیر، ثروت مند اور باغیرت افراد کو بڑی سخاوت کے ساتھ اسلامی معاشرہ میں ترقی اور اجتماعی کفالت کے تمام میدانوں میں خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔ یہ میدان وہ ہیں جو مسلم معاشرہ کی تمام ضرورتوں کو محیط ہیں اور اہم ترین گوشوں میں بہت بڑا رول ادا کرتے ہیں، یعنی سماج کو آگے بڑھانے کے لئے وہ کام کرنا جن میں یتیموں کی کفالت، فقراء و مساکین کی مدد، بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی نگہداشت، دارالعلوموں اور حفظ قرآن وغیرہ کے مدارس اور سماجی خدمات کے دیگر تمام گوشے آجاتے ہیں۔

اسلامی وقف نے سماجی مسائل کے حل میں ایک بڑا تاریخی کردار ادا کیا جو تمام انسانی، اجتماعی، تربیتی، صحتی اور تعلیمی میدانوں میں ممتاز ہے۔ اسی طرح دعوت الی اللہ میں بھی اس کا کردار نمایاں ہے۔ اسی سے وہ نمونہ سامنے آیا جو ہر حال میں اور ہر زمان و مکان میں قابل تقلید ہے۔ اوقاف اسلامیہ کے اس کردار کا احیاء اس مبارک سنت نبوی کی طرف رجوع سے ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ کی ترقی میں وقف کی ضرورت و اہمیت کے سلسلہ میں شعور پیدا

کرنے کی کوشش کی جائے، اسی طرح اس مبارک میدان میں جو لوگ خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان کے حوصلوں کو بلند کرنے کی ضرورت ہے، نیز موجودہ زمانے کے مطالبات کے موافق نظام وقف کے نئے خدوخال وضع کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

مبحث سوم

مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور بیواؤں کی خبرگیری میں اوقاف کی اہمیت

اسلام نے معاشرہ کے ان تمام طبقات کی طرف زبردست توجہ دی ہے جو خبرگیری اور توجہ کے مستحق ہیں، اس میدان میں اس کے قوانین نہایت اہم ہیں، چنانچہ اس نے ان لوگوں کو زمانے کے مصائب اور ظروف واحوال کے تغیرات کے تھپیڑے کھانے کے لئے بے یار ومددگار نہیں چھوڑ دیا تاکہ یہ مشکلات وپریشانیاں اسے بڑے خطرات اور خطرناک نتائج تک نہ پہنچادیں اور وہ ان حالات سے نمٹنے کی کوشش میں شریعت مخالف اقدامات نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے اسلام شدت سے اس بات کا خواہاں ہے کہ ہر گروپ کے لئے جو تعاون وخبرگیری کا ضرورت مند ہو ایسے قوانین بنائے جو اس کو مادی ومعنوی طور پر مصائب سے محفوظ رکھیں، اس کی ضرورتیں پوری کریں، اس نے کبھی زکاۃ جیسے فرائض کے ذریعہ اور کبھی انفاق فی سبیل اللہ اور خیر کے مختلف کاموں مثلاً وقف اور صدقات نافلہ وغیرہ پر ابھار کر مسلم معاشرہ کو ان قوانین کی پابندی کی تعلیم دی ہے۔

ان اوقاف کو اگر اللہ کے حسب منشا استعمال کیا جائے، ان کی سرمایہ کاری بہتر طور پر کی جائے اور شرعی دائرہ میں نیز زمانے کے مطالبات اور زمانی ومکانی احوال کو سامنے رکھا جائے تو مسلم سماج میں کوئی بھی ایسا گروپ نہ رہ جائے گا جس کو مدد وتعاون کی ضرورت ہوگی، ہر ایک کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اسلامی قوانین کے دائرہ میں رہتے ہوئے ضرورت، محتاجی اور فقر و

دور کرنے میں کسی کی عزت پامال نہ ہوگی اور مسلم معاشرے کے تمام افراد میں تکافل، تعاون اور مضبوط تعلق قائم ہو جائے گا۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ قول پورا ہو جائے گا: "مثل المؤمنين في توادهم وتعاطفهم وتراحمهم كمثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى" (اپنی مودت باہمی، تعاطف اور تراحم میں مومنین کی مثال جسد واحد کی ہے، جس کا ایک عضو بھی اگر بیمار ہو جائے تو اس کا اثر سارے جسم پر رات کو جاگنے اور بخار سے پڑے گا"۔ اس طرح کوئی بھی گروپ بغیر مدد وتعاون اور خبر گیری کے نہیں رہ جائے گا۔

سماج کے ان حصوں میں جن کو اوقاف کی توجہ تاریخ کے مختلف ادوار میں حاصل رہی ہے وہ بھی ہیں جن کا حکم ہم یہاں بیان کریں گے یعنی مطلقات اور وہ بیوائیں جو ان کے حکم میں ہوں۔

اول- اسلام میں بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کی خبر گیری

اسلام نے مطلقات کے سلسلہ میں زبردست اہتمام کیا ہے، چاہے حفاظتی تدابیر کا معاملہ ہو یا علاج کا۔ حفاظتی تدابیر کے سلسلہ میں اسلام نے کوشش یہ کی ہے کہ سماج میں طلاق کے حالات کم سے کم ہوں، یہ صرف ضرورت اور ناگزیر حالات ہی میں ہو جبکہ اس کے بغیر کوئی حل ہی نہ ہو، اس سلسلہ میں اسلام نے دو متوازی حل پیش کیے ہیں جو یوں ہیں:

الف- اس کا انتظام کہ طلاق کے حالات کم سے کم ہوں

یہ اس طرح کہ شریعت میں طلاق کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے نزدیک اسے ابغض الحلال بتایا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے (اسے بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)۔

اسلام نے ان حالات کو دور کرنے کی کوشش پر ابھارا جو طلاق کی طرف لے جاتے ہوں تا کہ طلاق کے وقوع سے قبل ان کو حل کرنے کی کوشش ہو اور طلاق کے وقوع کو روکا جا سکے۔
اسلام نے یہ ضمانت دی ہے کہ اگر فریقین کی نیت صحیح ہو اور اصلاح حال کا ارادہ ہو اور اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو تو دونوں کے مابین صلح ہو سکتی ہے۔

"وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من أهله وحكما من أهلها إن يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما إن الله كان عليما خبيرا" (سورۂ نساء:۳۵)۔

(اگر تمہیں دونوں کے درمیان کشمکش کا علم ہو تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کر دو، اگر دونوں کی نیت اصلاح حال کی ہوگی، تو اللہ دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ تعالی بڑا ہی علم رکھنے والا ہے، ہر طرح باخبر ہے)

اور فرمایا:

"يأيها النبي قل لأزواجك إن كنتن تردن الحيوة الدنيا وزينتها فتعالين أمتعكن وأسرحكن سراحا جميلا" (سورۂ احزاب:۲۸)۔

(اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں)۔

اور فرمایا:

"يأيها الذين آمنوا إذا نكحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحا جميلا" (سورۂ احزاب:۴۹)۔

(اے مومنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو اور پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں ہے جس کے پورے ہونے کا تم مطالبہ کر سکو لہذا انہیں مال دو اور بھلے طریقہ سے رخصت کر دو)۔

اور فرمایا:

"فإن أرضعن لكم فآتوهن أجورهن" (سورۂ طلاق:۶)۔

(پھر اگر وہ تمہارے لئے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انہیں دو)۔

"أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن وإن كن أولات حمل فأنفقوا عليهن حتى يضعن حملهن" (سورۂ طلاق:۶)۔

(ان کو (زمانہ عدت میں) اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو، اور انہیں تنگ کرنے کے لئے ان کو نہ ستاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو جب تک ان کا وضع حمل نہ ہو جائے)۔

نکاح کی ترغیب

ب- اسلام نے نوجوانوں کو شادی پر ابھارا ہے، خواہ کنواری عورت سے یا شوہر دیدہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وأنكحوا الأيامى منكم والصالحين من عبادكم وإمائكم إن يكونوا فقراء يغنهم الله من فضله والله واسع عليم" (سورۂ نور:۳۲)۔

(اور تم اپنے بے نکاحوں کا نکاح کرو اور تمہارے غلام اور باندیوں میں جو اس کے یعنی نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی۔ اگر یہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے گا اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا جاننے والا ہے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء" (صحیح بخاری)۔

(اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جو نفقہ پر قادر ہو وہ شادی کرلے اور جس کو

اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ سے شہوانی قوت ٹوٹتی ہے)، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

"تنکح المرأۃ لأربع لمالها و لحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداک" (صحیح بخاری)۔

(عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے، اس کے دین کی وجہ سے، تم دین دار کو ترجیح دو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں)۔

اگر ایک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات پر عمل کرے گا تو معاشرہ میں مطلقات کا تناسب بہت کم ہو جائے گا اور اس طرح اس مسئلہ پر بہت آسانی سے قابو پایا جا سکے گا۔

حجۃ الوداع میں آپ نے عورتوں کے حق میں عمومی اور بیواؤں اور مطلقہ عورتوں کے حق میں خاص طور پر نصیحت کی، فرمایا:

"فإنكم أخذتموهن بأمانة الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (مسلم)۔

(عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے بدلے لیا ہے، اللہ کے کلمہ کے ذریعہ تم نے ان کی شرمگاہیں حلال کی ہیں، تمہارے اوپر ان کی روزی اور معروف کے مطابق ان کو پہنانا ہے)۔

جہاں تک بیواؤں کی بات ہے تو وہ عورتوں کے عموم میں تو داخل ہی ہیں لیکن اسلام نے جہاں مساکین اور محتاجوں کی مدد اور ان کی خبر گیری پر ابھارا ہے وہیں بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک کی بھی ترغیب دی ہے: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: و كالقائم الذي لا يفتر و كالصائم الذي لا يفطر" (بخاری)۔

(مسکین اور بیوا کی دیکھ بھال کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔ میرا گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: وہ رات میں اس عبادت کرنے والے شخص کی طرح ہے جو تھکتا نہیں اور اس روزہ دار کی مانند ہے جو افطار نہیں کرتا)۔

ہر زمانہ میں اسلامی اوقاف نے مطلقہ عورتوں اور بیواؤں وغیرہ کی مشکلات ومسائل کو حل کیا ہے اور فقر وتنگدستی کے وقت ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کی ہے جب ان کے لئے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں، ان کے لئے اوقاف خاص کئے جاتے تھے جن کی آمدنی ان پر خرچ کی جاتی تھی، اسی طرح ان کو مکان دیئے جاتے، نفقہ اور لباس کا انتظام کیا جاتا، ان کو ہر وہ چیز دی جاتی جس سے ان کی ضرورت پوری ہوتی ہو، ان کی صحیح اسلامی طریقہ پر خبر گیری ہوتی اور ان کی اس کے لئے مدد کی جاتی کہ وہ کتاب اللہ کا حفظ کریں، شرعی علوم سیکھیں اور وہ کام بھی انہیں سکھائے جاتے تھے جو ایک مسلمان عورت کے لئے مناسب ہیں بلکہ وقف کے ادارے اس سے بھی آگے بڑھ کر شریعت کے مطابق ان کی شادی بھی کرتے تھے، تاکہ عورت کی حیا اور عزت کا تحفظ ہو سکے۔

دوم- اسلام میں مریضوں کی دیکھ بھال

سماج میں جو طبقہ خبر گیری، توجہ اور مدد کا سب سے زیادہ مستحق ہے وہ بیماروں کا ہے، یہ وہ گروپ ہے جس کو مختلف حکمتوں اور اسباب کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ابتلاء میں ڈال دیا ہے اور اسی وجہ سے سماج کے دوسرے لوگوں پر ان کا یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی کا سلوک کریں اور اگر بیماری کے ساتھ فقر وفاقہ، تنگدستی اور احتیاج ہو اور علاج کرانے کی سکت بھی نہ ہو تو اس سے انسان اور زیادہ متاثر ہوتا ہے، اسی مشقت کے لحاظ سے مریض پر خرچ کرنے والے کا ثواب بھی بڑھ جاتا ہے۔

اسلام نے بحیثیت دین رحمت کے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اپنے قوانین

کے ذریعہ انسانیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرلیا ہے اور اپنی عمومی ہدایات کے ذریعہ تکافل، اتحاد اور تعاون کے میدان میں ایک منفرد نظام دیا ہے، ان ہی عمومی ہدایات کے تحت مریضوں کی نگرانی، دیکھ بھال اور ان کی مدد بھی آجاتی ہے، تا آنکہ اللہ اپنے فضل وکرم سے انہیں شفاء عطا کرے، کیونکہ اس کی رحمت تو بھی انسانوں کے لئے عام ہے۔

جہاں تک خصوصیت کے ساتھ مریضوں پر توجہ دینے کا تعلق ہے تو اسلام نے ان سے اعتناء کرنے، ان کی خبر گیری اور ان کے علاج وعیادت پر ابھارا ہے اور اس پر زور دیا ہے کہ ان کے حوصلوں کو بلند کیا جائے اور مادی ومعنوی طور پر ان کی مدد کی جائے، تا آنکہ اللہ کے فضل سے وہ شفایاب ہوجائیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ باعتبار ضعف، مرض اور اپنی حالت کے اسلام نے ہمارے حال پر بہت توجہ دی ہے اور یہ بات سامنے رکھی ہے کہ سماج میں بیمار سب سے زیادہ مدد اور تعاون کے مستحق ہوتے ہیں، خاص کر جب کہ وہ فقیر ومحتاج بھی ہوں۔ اسلام کی یہ توجہ بیمار کے علاج ومعالجہ سے شروع ہوکر شفاء کے بعد بھی اس کی خبر گیری اور اس وقت تک اس کی کفالت تک رہتی ہے جب تک وہ پوری طرح شفایاب ہوکر کام کاج کے لائق نہ ہوجائے۔ اسی طرح اسلام نے اس پر بھی ابھارا ہے کہ بیمار کی عیادت کی جائے، کیونکہ عیادت سے اس کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور علاج پر بھی اس کا اچھا اثر پڑتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس پر ابھارا ہے، چنانچہ فرمایا:

"حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة وتشميت العاطس".

(مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت، جنازہ کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا)، نیز آپ نے فرمایا:

"عودوا المريض وأطعموا الجائع وفكوا العاني" (بخاری)۔

(مریض کی عیادت کرو، بھوکے کو کھلاؤ اور مصیبت زدہ کی مدد کرو)، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من عاد مريضا وزار اخا له في الله ناداه مناد بأن طبت وطاب ممشاک وتبوأت من الجنة منزلاً" (سنن ابن ماجہ)۔

(جس نے کسی بیمار کی عیادت کی یا اللہ فی اللہ اپنے کسی بھائی سے ملاقات کی تو اسے ایک ندا دینے والا پکارتا ہے کہ تم خوش رہو تمہارا چلنا مبارک ہو اور تم جنت میں ایک گھر پاؤ)۔

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن الله عز وجل يقول يوم القيامة: يا ابن آدم مرضت فلم تعدني قال: يارب كيف أعودک وأنت رب العالمين، قال: أما علمت أن عبدی فلاناً مرض فلم تعده أما علمت أنک لو عدته لوجدتني عنده......" (رواہ مسلم)۔

(اللہ تعالیٰ قیامت میں فرمائے گا: آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا، میرے رب تو تو رب العالمین ہے، میں تیری عیادت کیسے کرتا، کہے گا: تجھے معلوم نہیں ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی زیارت نہیں کی، تو نہیں جانتا کہ اگر اس کی عیادت کرتا تو مجھے بھی اس کے پاس پاتا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی ہدایات بیماروں کی خبر گیری، توجہ، علاج اور ان کی عیادت کے سلسلہ میں بہت ہیں۔ اس سلسلہ میں وہ نصوص بھی ہیں جو باہمی ہمدردی اور تعاون پر ابھارتی ہیں اور ایسے نصوص بھی ہیں جو خاص طور پر بیماروں سے متعلق ہیں۔

اسلام کے ہر عہد میں اوقاف نے ایک عظیم کردار ادا کیا ہے، آج بھی جبکہ نت نئے امراض ظاہر ہو رہے ہیں جن کو اب سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا، اوقاف کے اس کردار کو زندہ کیا جاسکتا اور ان کے نقوش کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

آج اگرچہ تشخیص وعلاج کے طریقوں میں تبدیلی آگئی ہے اور علاج کے طریقوں میں ترقی ہوئی ہے، لیکن علاج معالجہ پر اتنا زیادہ صرفہ آتا ہے کہ فقراء ومساکین اور محتاج لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، لہذا آج شدید ضرورت ہے کہ مریضوں اور اسپتالوں کے لئے اوقاف قائم کرنے کا اہتمام کیا جائے اور بطور خاص غریب اور محتاج بیماروں کی مدد وتعاون کے لئے وقف کے فنڈ قائم کئے جائیں۔

مبحث چہارم
تعلیم اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اوقاف کی اہمیت

علم وتعلیم اور دعوت الی اللہ دو عظیم کام اور ایسے میدان ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مقام بلند کیا ہے، ان کی عزت بڑھائی ہے اور ان کے ذمہ داران وکارکنان کی عزت افزائی کی ہے، دنیا میں ان کی جو توقیر ہوتی ہے اور جو اعتراف فضل ہوتا ہے وہ تو الگ آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ بھی ان سے فرمایا ہے۔ ان دونوں کاموں سے اسلام نے اتنا زبردست اعتناء کیا ہے کہ جس کی کوئی نظیر سابق یا بعد کے کسی نظام وقانون میں نہیں ملتی، ان کے شرف کے لئے یہ کافی ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے پہلی آیت وہ ہے جو قراءت (پڑھنا) کی دعوت دیتی ہے اور قراءت ہی علم وتعلم کا دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الإنسان من علق، اقرأ وربک الأکرم، الذی علم بالقلم، علم الإنسان ما لم یعلم" (سورۂ علق: ۱-۵)۔

(پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سے

علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہ جانتا تھا)۔

ان آیات کریمہ میں غور وفکر کرنے والا پائے گا کہ مضمون کی ابتدا قرأت سے ہوئی پھر قلم کا بیان ہوا اور قلم ہی کتابت کا وسیلہ اور علم وتعلیم کا رمز ہے، اس کے بعد بتایا گیا کہ خدا نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

اس سے دین اسلام کا راست طریق کار معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے درجہ میں توحید خالص کا دین تو ہے ہی، اس کے بعد وہ علم ومعرفت کا دین ہے، جس میں لوگوں کو امور دین سکھائے جاتے ہیں، انھیں حق کی اور صراط مستقیم کی دعوت دی جاتی ہے، اسی سے مولی تعالی کے حکم کی تعمیل بھی ہوتی ہے جس کا ارشاد ہے:

"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر وأولئك هم المفلحون" (سورۂ آل عمران: ۱۰۴)۔

(اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے، جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور پورے کامیاب یہی تو ہیں)۔

اسی طرح فرمایا:

"وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون" (سورۂ توبہ: ۱۲۲)۔

(اور مومنوں کو نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو یہ کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک حصہ نکل کھڑا ہوتا کہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ اپنی قوم والوں کو جب وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرائیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں)، نیز فرمایا:

"قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني وسبحان الله

وما أنا من المشركين" (سورۂ یوسف:۱۰۸)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ میرا طریق یہی ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے پیروی بھی اور پاک ہے اللہ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں)۔

قرآن میں بہت سی نصوص وارد ہیں جو علماء کی شان بلند کرتی ہیں، مثلاً اللہ تعالی نے فرمایا:

"يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات والله بما تعملون خبير" (سورۂ مجادلہ:۱۱)۔

(تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے)۔

اللہ نے بتایا کہ علماء وہ لوگ ہیں جو اپنی معرفت الہی، حلال و حرام کی معرفت اور اللہ تعالی کے امر و نہی کی پابندی کے باعث لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ فرمایا:

"إنما يخشى الله من عباده العلماء إن الله عزيز غفور" (سورۂ فاطر:۲۸)۔

(حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے)۔

وہ اللہ تعالی کی اطاعت کرتے ہیں جس نے ارشاد فرمایا:

"لا يكلف الله نفسا إلا وسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت ربنا لا تؤاخذنا إن نسينا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل علينا إصرا كما حملته على الذين من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين" (سورۂ بقرہ:۲۸۶)۔

(اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اس کے مقدور کے مطابق، اسے ملے گا وہی جو نیکی اس

نے کمایا اور اس پر پڑے گا وہی، جو کچھ اس نے کمایا اے ہمارے پروردگار ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے پروردگار ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے، اے ہمارے پروردگار ہم سے وہ نہ اٹھوا جس کی برداشت ہم سے نہ ہو، اور ہم سے درگذر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر)۔

اسلام میں علم وعلماء اور تعلیم کی اس زبردست اہمیت کے پیش نظر اور علی وجہ البصیرۃ دعوت الی اللہ، اللہ کے دین کی حفاظت اور اسلامی معاشرہ میں ان کی شدید ضرورت کے باعث، معاشرہ کی رفعت شان، ترقی اور اللہ کے دین کی نشر واشاعت اور امور دین اور عقیدہ کی حفاظت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے، اسلامی اوقاف نے تاریخ کے تمام ادوار میں علم اور دعوت الی اللہ کے میدانوں میں ایک بڑا کردار ادا کیا اور ہمیشہ ان امور کو اوقاف کی بڑی توجہ وعنایت حاصل رہی، ان پر زیادہ سے زیادہ خرچ کیا گیا، ان کے تحفظ کی کوشش ہوئی اور ان کے ذمہ داران وکارکنان کو عزت وتوقیر ملی، اس سے وہ علم اور دعوت کے میدان میں اپنا مطلوبہ کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

علم وتعلیم اور خاص کر شرعی علوم کی اشاعت کے سلسلہ میں اسلامی اوقاف نے وہ زبردست اور نمایاں کردار ادا کیا کہ اس کی تفصیل اس مختصر مقالہ میں بیان کرنا مشکل ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علم وتعلیم کے ان اوقاف میں مشترک قدر یہ تھی کہ وہ ان کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں جبکہ موجودہ دور کی طرح سرکاری ادارے اور ایجنسیاں اور وزارتیں نہیں ہوتی تھیں جو تعلیم وغیرہ پر خرچ کریں، اس صورت میں تمام تر انحصار صرف اوقاف کی مالیات اور ان کی آمدنی پر تھا جن کا فیض تعلیم علوم اور حفظ قرآن کے تمام حلقوں کو پہنچتا تھا بلکہ علم وتعلیم کا کوئی بھی گوشہ ان کے فیض سے محروم نہ تھا جیسا کہ تاریخی مراجع بتاتے ہیں، ان

کے مطابق وہ چاہے مساجد میں لگنے والے علم کے حلقے ہوں یا الگ سے مدارس کا قیام ہو، سب کے لئے مالی بنیاد وقف ہی تھا۔ متعدد تاریخی مصادر بتاتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں تمام تعلیمی ادارے وقف کے نظام کے ماتحت تھے۔

لہٰذا اگر اوقاف کا نظام نہ ہوتا بطور خاص عہد مملوکی میں تو یہ مدارس اپنی بنیاد کھو دیتے۔ تعلیم اور مدارس کے سلسلہ میں اوقاف جو اخراجات کیا کرتے تھے ان میں مدارس کی تعمیر، مدرسین کی تنخواہیں طلبہ کی ضرورتیں مثلاً کتابیں، روشنائی، کاغذ، کھانا اور لباس وغیرہ سب شامل تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ ابو صالح احمد بن عبدالملک المؤذن النیسا پوری کتب حدیث کے ذخیرہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اور ان کی حفاظت کے لئے اوقاف سے انہیں سرمایہ ملتا تھا۔ کچھ اوقاف محدثین کی ضروریات روشنائی وغیرہ فراہم کرتے تھے۔

القدس میں المدرسۃ العزیہ کا وقف تھا جس میں طلبہ کو روزانہ تقریباً ایک ہزار روٹی دی جاتی تھی، اس کے علاوہ دیگر اوقاف سے کپڑے، برتن، وضو کے لوٹے اور روشنی کے لئے تیل فراہم کیے جاتے تھے۔ اس طرح علم کے حلقے، مدارس اور تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق تمام امور ان ہی اوقاف سے انجام پاتے تھے، پورے عالم اسلامی میں بڑی مساجد بھی حفظ قرآن، علم کے حلقوں اور علوم شرعیہ کی اشاعت کی مرکز تھیں، مثلاً مکہ مکرمہ میں مسجد حرام، مدینہ منورہ میں مسجد نبوی، مسجد بصرہ، مسجد کوفہ، مسجد قرطبہ، الجامع الاموی، قاہرہ میں مسجد عمرو بن العاص، حتی کہ بعض مساجد میں علوم کے حلقے وسعت اختیار کر کے پوری پوری یونیورسٹیاں بن گئیں، مثلاً جامع قرطبہ، الجامع الازہر، جامع القرویین، جامع الزیتونہ وغیرہ، ان تمام سرگرمیوں کو سرمایہ مذکورہ چیزیں مشتمل اوقاف ہی فراہم کرتے تھے۔

اس مختصر مقالہ میں ذکر کردہ تفصیلات سے ہمیں یہ تحریک ملتی ہے کہ اوقاف کو ہم اس کا سابقہ کردار لوٹا ئیں خاص کر اس لئے بھی آج مسلم معاشروں میں آبادی بڑھ چکی ہے، تعلیم کے

اخراجات بڑے مہنگے ہوگئے ہیں اور کئی مسلم ممالک تنہا اپنے فرزندوں کی تعلیم وتربیت کے اخراجات اٹھانے کے متحمل نہیں ہیں۔ لہذا ایسے ملکوں کو شدید ضرورت ہے کہ اس میدان میں کوئی ان کی مدد وتعاون کرے، یہ تعاون اوقاف کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتا ہے۔ ان اوقاف کے ساتھ جو تعلیمی میدان کے لئے مختص ہوں ہر ملک کے ساتھ اصحاب ثروت کے عطیے اور چندے بھی تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کریں، اس سے علمی سرگرمیاں اپنے سابقہ کردار کی طرف لوٹ آئیں گی، اوقاف کے سرمایے اور آمدنیاں ان کو بنیادی طور پر مالیات فراہم کریں گی۔

دعوت وتحفظ دین

دعوت وتبلیغ اور تحفظ دین کے میدان میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تمام اسلامی ادوار میں اسلامی اوقاف بڑا کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو عامل بنیادی کردار ادا کرتے تھے جو اہل خیر کو مذکورہ میدانوں میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے پر ابھارتے تھے۔

پہلا عامل

پہلا عامل یہ تھا کہ وقف انفاق کے ان راستوں میں سے ہے جس پر بہت ابھارا گیا ہے۔ اس میں خرچ کرنا تزکیۂ نفس بھی ہے اور خیر ومعروف کو برقرار رکھنا بھی۔ یہ ان طریقوں میں سے ہے جو خالصتاً اللہ کے لئے نیکی اور انفاق کے ہیں جو زیادہ نفع بخش، زیادہ اجر والے، زیادہ مفید اور زیادہ پائیدار اثرات والے ہیں۔ کیونکہ انفاق کا یہ طریقہ سماج کی مضبوطی، یک جہتی اور تکافل کی حفاظت میں حصہ لیتا ہے۔ انسانی قلوب سے کینے دور کرتا ہے اور معاشرہ کے تمام افراد میں محبت واتحاد پیدا کرتا ہے۔ دنیا وآخرت میں اس کے فضل کے تذکروں سے کتاب وسنت کی نصوص بھری پڑی ہیں۔

دوسرا عامل

دوسرا عامل دعوت الی اللہ کی فضیلت، اس میں مشغول ہونے کی فضیلت اور اس کے کارکنان وذمہ داران کا مقام ومرتبہ ہے، جیسا کہ اوپر گزرا، اسی طرح لوگوں کے امور دین کو سیکھنے اور عبادت وغیرہ دوسرے اعمال کو صحیح طریقہ پر ادا کرنے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فضیلت اور معاشرہ کی صلاح وفلاح میں اس پہلو کی اہمیت ہے۔ نیز یہ کہ ان امور میں مشغول ہونے والوں اور کارکنوں سے آخرت میں اجر عظیم کا وعدہ ہے، کیونکہ یہ کام وہ خالصتاً لوجہ اللہ کرتے ہیں۔ انفاق، دعوت وتبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ کے جو کام ہیں وہ سب اللہ کی خوشنودی ورضا کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں اور جو لوگ بھی ان کاموں میں سرمایہ لگاتے ہیں انہیں اجر وثواب کی بشارت ہے۔

اس طرح دو عامل تھے جو لوگوں کو خیر کے کاموں میں خرچ اور انفاق پر آمادہ کرتے تھے۔ خاص طور پر ان میں خرچ کرنے پر آخرت میں جو اجر عظیم ملے گا اس کے باعث اہل خیر اور غیرت مند اہل ثروت کو اللہ کے راستہ میں، دین کی دعوت وتبلیغ میں اور تحفظ دین کے میدانوں میں خوب خوب خرچ کرنے کی تحریک ملتی تھی۔ اسی طرح اپنے ہم مذہب یا ہم جنس محتاج وغریب انسانوں کی شدید ضروریات زندگی کا پورا کرنا بھی خیر وثواب کے کاموں میں آتا ہے، ساتھ ہی دین کی دعوت جو تمام حاجتوں اور ضرورتوں سے بڑھ کر حقیقی اور ضروری ہے، جیسا کہ علامہ ابن القیمؒ نے صراحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''لوگوں کو شریعت کی ضرورت ان کی دوسری تمام حاجتوں سے بڑھ کر ہے حتی کہ شریعت کی انہیں اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے جتنی سانس لینے کی ہوتی ہے، کھانے اور پینے کا تو ذکر ہی کیا ہے، کیونکہ سانس نہ لینے اور کھانا پانی نہ ملنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موت آجائے گی جبکہ شریعت نہ ہونے سے روح اور دل تمام فاسد ہو جائیں گے۔ ابدی ہلاکت ہوگی،

ان دونوں کے مابین زمین وآسمان کا فرق ہے، موت سے صرف بدن ہلاک ہوتا ہے، لہذا لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی معرفت، اس کی دعوت، اس پر صبر، اس کے لئے شریعت سے بغاوت کرنے والوں سے جہاد جب تک کہ وہ اس میں واپس نہ آجائیں کی ضرورت سب سے زیادہ شدید ہے اور دنیا میں بقاؤ اور صلاح اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا"۔

معاشرہ کی اصلاح اور صراط مستقیم پر استقامت، اللہ کے دین کی حفاظت، دین کے بارے میں شکوک وشبہات کو دور کرنا، لوگوں کو امور دین سکھانا وغیرہ جیسے عظیم مقاصد ہیں جنھوں نے آخرت کے ثواب اور اللہ کے ساتھ نفع بخش تجارت کے ساتھ مل کر ایک زبردست محرک کی شکل اختیار کرلی اور اسی محرک نے مسلم معاشروں میں لوگوں کو اپنے مال وسرمایہ اللہ کے دین کی دعوت اور اس کی حفاظت میں لگا دینے پر ابھارا، چنانچہ وقف کے مالوں اور جائیدادوں کی کثرت ہوگئی، وقف کی صورتیں بھی بڑھتی گئیں، حتی کہ وقف نے علم ودعوت الی اللہ کے مختلف میدانوں کے مطالبات پورے کئے بلکہ بعض اوقاف کی آمدنیاں ان کے اخراجات سے بھی بڑھ گئیں، ان سب کی تفصیلات کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

عصر حاضر میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ نیکی وخیر اور دعوت دین کے کاموں کو برابر اہل خیر اور ثروت مند اپنے سرمایوں اور مالیات سے فیض پہنچاتے رہے ہیں جو رضائے الٰہی کے لئے ان میدانوں میں مسابقت کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کہ آج کے لوگ بھی رسول اکرم ﷺ، صحابہؓ اور سلف امت کی اقتدا کر رہے ہیں، کیونکہ امت محمدیہ میں خیر قیامت تک باقی ہے۔ ہم پاتے ہیں کہ ان میں بہت سے لوگ مسجدوں کی تعمیر، داعیوں کی کفالت، دعوتی کتابوں کی طباعت اور دعوت کے دیگر مطالبات وضروریات پر خرچ کرنے کے لئے مسابقت کر رہے ہیں۔

اس وجہ سے ہمیں بھی ان کی پیروی اور ان کی اقتداء کی ضرورت ہے، کتاب وسنت اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ ہم خیر کے اس کام کو ترقی دیں اور نئے نئے گوشے وا کریں

جو موجودہ زمانے کے مطالبات کے مطابق ہوں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وقف کے مخصوص فنڈ قائم کیے جائیں جو خیر کے کاموں کے لیے ہوں تاکہ یہ دعوت الی اللہ اور تحفظ دین کے میدانوں کے لئے مالی ذرائع اور مادی مدد و خیر کا نہ سوکھنے والا سرچشمہ اور غیر منقطع ذریعہ بن جائیں۔ ہمیں یہ بھی کرنا چاہیے کہ ان فنڈز میں سماج کے تمام لوگوں کے لئے حصہ لینے کا دروازہ کھولیں، کیونکہ اس سے فرد و معاشرہ پر اس کے اچھے اثرات پڑیں گے اور دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہوگی۔ ہمیں دیکھنا چاہے کہ ہمارے ارد گرد میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے عیسائی چرچوں اور ان کی مشنریز کے لئے کتنا مال وقف کر رکھا ہے حتی کہ ایک ایک مشنری چرچ کی آمدنی اور بجٹ اتنا ہوتا ہے کہ پوری پوری حکومتوں کا بھی اتنا بڑا بجٹ نہیں ہوتا۔

خاتمہ بحث:

اب میں اس مقالہ کے آخر میں بعض سفارشات پیش کرتا ہوں، تاکہ جب اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا معاشرہ کی دعوتی، تعلیمی اور صحتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے اوقاف قائم کرے تو ان سفارشات سے بھی فائدہ اٹھائے، یہ سفارشات سرخیاں ہیں اور فقہ اکیڈمی ان کو وسعت دے کر عملی زمین پر ان کو فعال بناسکتی ہے تاکہ بننے والے اوقاف سلامت بھی رہیں، صحیح سمت میں کام کریں اور ان سے جو آمدنیاں حاصل ہوں وہ خیر وفلاح کے منابع بنیں جن سے معاشرہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مستفید ہو۔

۱- سب سے پہلے تو یہ کہ اوقاف کو صحیح شرعی اصول پر قائم کیا جائے جو اس میدان میں کتاب وسنت اور عمل صحابہ سے مستفاد ہوں۔

۲- ایسا شرعی بامقصد ابلاغی پروجیکٹ بنایا جائے جس کے وسیلہ سے لوگوں کو وقف اور اس کی شرعی اصل سے واقف کرایا جائے اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے تصور کو راسخ کیا جاسکے۔

۳- وقف کے انتظامی امور کے لئے وہ انتظامی ڈھانچہ اختیار کیا جائے جو ہندوستان میں

مسلمانوں کے احوال وظروف کے مطابق ہو اور جس میں ان کے قانونی اقتصادی، سماجی اور سیاسی حالات کی رعایت رکھی گئی ہو۔

۴- انتظامی ڈھانچہ کی بنیادوں کو ترقی دی جائے اور معلومات کو قابل اعتماد شکل میں مرتب کیا جائے اور اس کے لئے مینجمنٹ کے جدید ترین نظریات اور سائنٹفک تکنیک کو اختیار کیا جائے تا کہ اوقاف کی تنظیمی تاسیس اس کے کاموں کے مطابق ہو اور وہ فعال شکل میں اپنا مشن انجام دیں اور جو واقفین کی شرائط کے بھی مطابق ہو، اس کے لئے کمپیوٹر اور پروگرامنگ کی جدید ترین ٹکنالوجی سے استفادہ ناگزیر ہے جن سے اوقاف کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا۔

۵- اوقاف کے تمام کاموں کی بہتر پلاننگ ہو، اس کے لئے مختصر مدتی اور طویل مدتی منصوبے بنائے جائیں جو کہ آخر کار اوقاف کے تمام مطلوبہ کاموں اور سرگرمیوں کی تکمیل پر منتج ہوں گے۔

۶- معاشرہ کے مطالبات اور ضروریات کا دقت نظر سے مطالعہ کیا جائے تا کہ ان میدانوں کی تحدید کی جا سکے جن میں اوقاف کام کریں گے کہ وہ ضروریات سماجی ہیں، صحت سے متعلق ہیں یا تعلیمی یا دعوتی وغیرہ۔

۷- وقف اور سرمایہ کاری کی نئی صورتیں پیدا کی جائیں جو ان مطالبات کو پورا کر سکیں جن کا ذکر اوپر آیا اور ساتھ ہی اس مالی معیار کے مطابق بھی ہوں کہ سماج کے افراد اس میں شامل ہو سکیں، یعنی وہ صورتیں وقف کے کاموں میں اکثر لوگوں کو حصہ داری کی اجازت دیتی ہوں۔

۸- معاشرہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں یا ان میں سے کسی ایک میدان میں وقف کے فنڈ بنائے جائیں۔ اس کے لئے یہ دیکھا جائے گا کہ معاشرہ کو کس میدان اور کس چیز میں تعاون کی زیادہ ضرورت ہے۔

۹- وقف کے کاموں کا باریک بینی سے جائزہ اور وقفہ وقفہ سے احتساب کیا جائے تا کہ

خرابیوں کو جان کر ان کی تلافی کی جائے اور خوبیوں کو پرکھ کر مزید آگے بڑھا جائے۔ اس کے لئے ایک با صلاحیت اور ماہر مینجمنٹ کی ضرورت ہوگی۔

۱۰- سماج کے ثروت مند اور تاجر طبقے سے سماج کے تعلقات کو مضبوط بنایا جائے، اس کے لئے مختلف وسائل اور چینل استعمال کیے جا سکتے ہیں، تا کہ ان کے ذریعہ ان اوقاف کو مادی و معنوی طور پر تعاون ملتا رہے۔

۱۱- وقف کرنے والوں کی شرطوں کو پوری باریکی کے ساتھ نوٹ کیا جائے تا کہ اوقاف کی حاصل شدہ آمدنیوں کو وقف شدہ میدان میں ہی خرچ کیا جائے اور اس طرح شرعی مصارف میں ان کا صرف عمل میں آئے۔

۱۲- اوقاف کے انتظام اور سرمایہ کاری کے لئے انتظامی اور سرمایہ کاری کی صلاحیتوں کو بڑھایا جائے اور ان کو کام میں لایا جائے جو ممتاز بھی ہوں اور اجر و ثواب کی نیت سے کام بھی کریں۔

☆☆☆

چوتھا باب

وقف کا فقہی پہلو

تفصیلی مقالات:

سماج کے سنگین مسائل کے حل کے لئے اوقاف کا قیام

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی ☆

۱- اس مسئلہ کے تبرع اور قربت فی ذاتہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جو وقف کی اصل روح ہے۔ علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "ان الوقف تبرع" صاحب تنویر الابصار رقم طراز ہیں: "وأن یکون قربة في ذاته"۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں: "فأجاب: الحمد لله الأصل في هذا أن كل ما شرط من العمل من الوقوف التي توقف على الأعمال فلا بدأن تكون قربة" جن اوقاف میں یہ ابدی عنصر موجود نہ ہوگا وہ وقف ہی باطل ہوگا۔

بنابریں مذکورہ عبارتوں سے بطریق تحقیق مناط مطلقہ اور بیوہ خواتین کے لئے اوقاف کی گنجائش نکلنی چاہئے، نیز ایک صریح فقہی جزیہ بھی موجود ہے: "وقال: من طلقت فلها أيضاً قسط من الوقف" (البحر الرائق ۵/۱۹۹) مطلقہ اور بیوہ کو بھی وقف سے دیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ سوال میں تحریر کردہ مشکلات و پریشانیوں کا حل یہی ہونا چاہئے کہ ایسی بے سہارا و مجبور خواتین کے لئے نظام اوقاف قائم کیا جائے۔

اسلام کی تابناک اور روشن تاریخ میں اوقاف کی آمدنیاں دفاعی امور، افلاس زدہ لوگوں کی امداد، علوم وثقافت کو فروغ دینے اور رفاہی مصارف میں خرچ کی جاتی تھیں۔

☆ شیخ الحدیث دارالعلوم مئو۔

علامہ ابن قدامہ کی تحریر سے بھی جواز کی گنجائش نکلتی ہے: "وسائر الوقف يصرف إلى كل ما فيه أجر ومثوبة وخير" (المغنی مع شرح ۶/۲۴۳)۔

۲- فقہاء کی آراء ونصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف درست ہیں: "قال شمس الأئمة: فعلى هذا إذا وقف على طلبة علم بلدة كذا يجوز؛ لأن الفقر غالب فيهم" (البحر الرائق ۵/۲۰۱، الفتاوى الهندية على هامش البحر ۲/۳۵۸)۔ نیز اس کے وجوہ خیر میں سے ہونے کے باعث بھی اس میں وقف درست ہے: "الثاني موقوفة صدقة على وجوه البر والخير أو اليتامى جاز مؤبداً كالفقراء" (بحر ۵/۲۰۰)۔

جس طرح قرآن عزیز کے مساجد ومدارس پر وقف کرنے کا رواج زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے، اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل علم نے دینی کتابیں بھی وقف کی ہیں، کیونکہ دونوں ہی کے مقاصد میں احیاء دین تعلیماً وتعلماً ہے: "وعن نصير بن يحيى أنه وقف كتبه إلحاقاً لها بالمصاحف، وهذا صحيح، لأن كل واحد يمسك للدين تعليماً وتعلماً وقراءة، وجوز الفقيه أبو الليث وقف الكتب، وعليه الفتوى كذا في النهاية" (البحر الرائق ۵/۲۰۳)۔

شیخ عبد المحسن محمد عثمان تحریر فرماتے ہیں: "أما عن أهمية التعليم: كل هذه الأمور جاءت التوجيهات الإسلامية فيها واضحة ومحدودة.. واعتبرها الإسلام من الضروريات وليست من الكماليات" (مجلہ فقہ اسلامی بابت وقف ۵۰۰)، آگے پھر لکھتے ہیں: "وإذا كانت الأوقاف القريبة كذلك غير محتاجة ففي مصالح المسلمين الاجتماعية وأمورهم الدعوية والتعليمية أولى في مصرف البر الذي يكون أنفع للمسلمين" (مجلہ مذکورہ ۱۱۳)۔ اسلام نے تعلیم کی اہمیت اور اس کی عظمت کی طرف واضح طور پر رہنمائی کی ہے اور اسے ضروریات میں سے شمار کیا ہے۔ اگر اوقاف قریبہ مستغنی ہوں اور ان میں احتیاج نہ ہو تو مصالح مسلمین، دعوت وتعلیم اور رفاہی مصرف میں خرچ کرنا چاہئے۔

تعلیم کی اہمیت کا اندازہ شیخ محی الدین بن شرف نووی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے جس میں انہوں نے تعلیم و تعلم کی غرض سے عورت کو غیر محرم کے سامنے آنے کی اجازت دی ہے اور دلیل میں علامہ تاج الدین سبکی کا قول پیش کیا ہے: "قد کشفت کتب المذاهب فإنما يظهر عنها جواز النظر للتعليم فيما يجب تعلمه وتعليمه كالفاتحة" (الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱۸۰) کتب مذاہب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کی تعلیم و تعلم واجب ہے ان میں غیر محرم کو دیکھنا جائز ہے جیسے سورۂ فاتحہ، جن حضرات کو بھرپور فقہی بصیرت حاصل ہے ان کو غور کرنا چاہئے کہ عامۃ المسلمین کی مصلحت اور نفع عام کس میں ہے: "فإن المفتي في سعة أن يفتي بذلك بشرط أن يرى مصلحة المسلمين الاجتماعية وتفهيم العام كما تابع العلامة الشامي الإمام الحلواني والإمام أبا شجاع في نقل أنقاض المسجد"۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فقہی بصیرت کا ہی نتیجہ تھا کہ جب آپ سے کہا گیا کہ غلاف کعبہ بوسیدہ ہو گیا ہے تو آپ نے اس مصالح مسلمین کی رعایت کرتے ہوئے غلاف کو فروخت کرا کر اس کی قیمت رفاہی مصرف میں خرچ کی جبکہ غلاف کعبہ پر وقف تھا (مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۳۱/ ۲۲۳)۔

ابن تیمیہ کے فتاوی سے بھی ائمہ و مؤذنین و علوم قرآن و فقہ و سنت سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے اوقاف کے جواز کا پتہ چلتا ہے: "فأجاب - قدس الله روحه - الحمد لله رب العالمين: الأعمال المشروطة في الوقف من الأمور الدينية مثل الوقف على الأئمة والمؤذنين و المشتغلين بالعلم والقرآن والحديث والفقه ونحو ذلك" (مجموع الفتاوی ۳۱/ ۵۷)۔

۳- قنیہ کے حوالے سے علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ایک عبارت تحریر فرمائی ہے جس سے اس طرح کے مصارف میں وقف کا ثبوت ملتا ہے: "وفي القنية: وقف الأدوية

بالفیمار خانہ لا یجوز إذا لم یذکر الفقراء" (ہسپتالوں میں دواؤں کا وقف اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک فقراء کا ذکر نہ ہو) ہاں فقراء کے ضمن میں اغنیاء بھی شامل ہو جائیں گے اور یہاں تو وہ مالدار ہو کر بھی اس قابل نہیں کہ اس موذی اور کثیر صرفہ والی بیماری سے نجات پاسکیں، اس لئے وہ مالدار بھی غریب ہی کے حکم میں ہیں، چنانچہ ایسے حضرات بھی وقف کا مصرف ہیں۔

۴- ہم لوگ جس ملک میں ہیں وہ ملک نہ تو اسلامی ہے اور نہ زمانہ ہی عہد اسلامی ہے کہ اس طرح کے کار خیر میں حکومتی سطح پر اوقاف کا قیام ہو، اس لئے عامۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے کہ اصلح للمسلمین کی خاطر اوقاف کا نظم قائم کریں تاکہ لا چار و نادار لوگوں کی کفالت، علاج و معالجہ و تعلیم و تعلم کا بندوبست ہو سکے اور تو مست دین، تحفظ دین و دعوت و تبلیغ کی راہیں ہموار ہو سکیں اور اسلام پر آنے والی مشکلات و پریشانیوں کا دفع کیا جا سکے۔

اب آخیر میں چند تجاویز اور فقہاء کی نصوص پیش ہیں جو تقریباً تمام سوالات کا جواب بن سکتی ہیں:

۱- اوقاف کے مسائل کے استیعاب سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوف علیہم کی دو صورتیں ہیں: ایک تو وہ جن کے موقوف علیہم موجود ہیں دوسرے جن کے موقوف علیہم موجود نہیں۔ پہلی صورت میں موقوف علیہم کی زائد اشیاء، جس کی اس موقوف علیہ کو نہ تو فی الحال ضرورت ہے نہ آئندہ سوال کردہ مصارف میں خرچ کیا جا سکتا ہے، مثلاً مسجد کی چٹائی، تیل وغیرہ جس کی اس مسجد کو نہ تو اب ضرورت ہے نہ آئندہ تو اسے فقراء و مساکین وغیرہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے (الفتح مع شرحہ ۶/۲۳۹، علامہ ابن تیمیہ کی بھی یہی رائے ہے، مجموع الفتاوی ۳۱/۲۰۲)۔

۲- دوسرے وہ جن کے موقوف علیہم موجود نہیں معدوم ہو چکے ہیں، ایسے وقف کا استعمال بھی صورت مسئولہ میں جائز ہوگا، کیونکہ اس وقف کا مقصود اصلی صدقہ جاریہ ہے (الفتح مع الشرح ۶/۲۱۶)۔

۳- اسی طرح وہ مساجد و مدارس جن پر اوقاف تھے مگر ان دنوں نہ مسجد ہی ہے نہ مدرسہ ہی اور لوگ وہاں سے ترک سکونت کر چکے ہیں تو ایسے اوقاف کی آمدنی فقراء و مساکین پر خرچ کی جا سکتی ہے (الفتاوی الہندیہ علی ہامش الہندیہ ۶ / ۲۶۳)۔

۴- وہ اوقاف جو بطور وقف شہرت یافتہ ہیں مگر دیوان قضا یا وقف بورڈ میں واقف کی جانب سے شرائط وقف و مصارف وقف کا پتہ نہیں چلتا ہے تو انہیں بھی مذکورہ مصارف میں خرچ کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ صورتیں تو وہ تھیں جہاں اوقاف پہلے سے قائم تھے، انہیں مزید ثمر آور منفعت بخش بنانے کی تدابیر تھیں۔ اب وہ صورتیں پیش خدمت ہیں جہاں از سر نو اوقاف کا قیام ہو۔

۵- مدارس و مکاتب و تعلیم گاہوں پر اس طرح وقف کیا جائے کہ مذکورہ تمام اداروں کا رجسٹریشن سوسائٹی نیز وقف بورڈ دونوں میں اس کے بائی لاز کے ذریعہ ہو اور اس کے دستور و شرائط میں جملہ مقاصد ہوں۔ مدارس کی رجسٹرڈ کمیٹی کے توسط سے مطلقہ اور بیواؤں کی امداد و کفالت (یا ماہانہ پنشن کے طور پر) دینی و عصری اداروں کا قیام، مریضوں کا علاج و معالجہ، دین کا تحفظ اور اس کی دعوت و صحافت و دفاع عن الدین وغیرہ ہوتا رہے۔

۶- ہندوستان کے تمام اوقاف کا سروے کیا جائے اور وہ اوقاف جو منجمد ہیں یا ان کی افادیت کمتر ہے، ان کے بارے میں مرکزی و صوبائی وقف بورڈ سے درخواست کی جائے کہ وہ انہیں فعال اور بیش از بیش منفعت بخش بنائے۔

۷- بیت المال کا قیام ہو اور اس میں دراہم و دنانیر وغیرہ وقف ہوں اور رقوم کو وقف کے زمرہ میں لانے کے لئے مضاربت کا معاملہ کیا جائے تاکہ ان دراہم و دنانیر پر وقف کی تعریف صادق آ سکے: "قیل: و کیف، قال: یدفع الدراهم مضاربة ثم یتصدق بها في الوجه الذي وقف علیه وما یکال أو یوزن یباع ویدفع ثمنه لمضاربة" (شامی قدیم ۳ / ۵۱۸)۔

اوقاف کا قیام
کئی مسائل کا بہترین شرعی حل

مولانا راشد حسین ندوی ☆

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

فقراء اور مساکین پر وقف کرنے کی مثالیں ہمیں ہر دور میں کثرت سے مل جاتی ہیں، لیکن مطلقہ اور بیوہ عورتوں پر الگ سے وقف کرنے کی مثالیں عام طور سے نظر نہیں آتی ہیں، اس لئے کہ اسلامی قانون وراثت اور قانون نفقات کی موجودگی میں اس کی مطلقاً کوئی ضرورت نہیں تھی، مطلقہ اور بیوہ اگر مالدار گھرانہ کی ہوتی تھی تو اس کو وراثت ہی میں اتنا کچھ مل جاتا تھا کہ وہ مستغنی ہو جاتی تھی، اور جس کو وراثت کا مال ناکافی ہوتا تھا اور کچھ دقت ہوتی تھی ان کے لئے نفقات کا مستقل ایک ضابطہ تھا، جس کے تحت اقرب پر اس کی خبر گیری لازمی تھی، اس کی تفصیل علامہ ابن نجیم سے سنئے:

"وللقريب محرم فقير عاجز عن الكسب بقدر الإرث لو موسرا، أي وتجب النفقة للقريب إلى آخره" (البحر الرائق ۴/۲۰۴)۔

"وقيد عن الكسب وهو بالأنوثة مطلقا وبالزمانة ونحوها في الذكر، فنفقة المرأة الصحيحة الفقيرة على محرمها، فلا يعتبر في الأنثى

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

بالا لفقیر" (ہدایہ ج ۲، ص ۴۱۰)۔

(کمائی سے عاجز ذی رحم محرم نادار کا نفقہ اس کو مالدار فرض کرکے وراثت کے بقدر واجب ہوتا ہے، کمائی سے عاجزی کی جو قید لگائی ہے وہ عورتوں میں مطلقاً رہتی ہے اور مردوں میں معذوری اور نابینا وغیرہ ہونے پر ہوتی ہے، اس طرح تندرست محتاج عورت کا نفقہ اس کے محرم پر واجب ہو جاتا ہے اور عورت میں صرف محتاجی کا اعتبار کیا جاتا ہے)۔

لیکن موجودہ دور میں صورت حال میں بڑی تبدیلی آچکی ہے، اسلام کے قانون وراثت کو نظرانداز کرکے عورتوں کو میراث سے محروم رکھا جا رہا ہے، خاص طور سے اتر پردیش جیسے صوبوں میں (جہاں اس قانون پر عمل کرنے میں کچھ قانونی رکاوٹیں بھی ڈال دی گئی ہیں) اس قانون پر عمل کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

اور قانون نفقات پر عمل تو بالکل ہی ختم ہو گیا ہے، اقرباء بیوہ عورتوں اور مطلقہ خواتین کی خبرگیری کرتے بھی ہیں تو اپنی دانست میں احسان و تبرع کرتے ہیں، واجب جان کر نہیں اور خاصی بڑی تعداد تو اس "احسان" کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی، پھر لوگ "زبان خلق" کے خوف سے اور بے دلی کے ساتھ کچھ کرنا بھی چاہتے ہیں تو "بے چارے" اپنی بیویوں کے عتاب کے ڈر سے اپنے کو معذور پاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی خبرگیری کی برکات سے بیوہ و بیچاری عورتیں اسی وقت مستفید ہو سکتی ہیں جب غیرت و خودداری کا خون کر دیں اور عزت نفس کا جنازہ نکال دیں۔

ہماری اصل ذمہ داری یہ ہے کہ اسلامی قانون وراثت اور نفقات جاری کرنے کی کوشش کریں، یہ مسئلہ تو مستقل طور پر حل ہو جائے، لیکن درمیانی مدت کے لئے یہ بھی مناسب شکل ہو سکتی ہے کہ اوقاف کے ذریعہ ان کا معاشی تکفل کیا جائے، فقراء و مساکین پر کئے جانے والے عام اوقاف سے بھی ان کے زخموں پر مرہم رکھا جا سکتا ہے اور مستقل اوقاف کے ذریعہ بھی۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

علماء دین عصری علوم کی طرف بھی توجہ دیں

علماء دین نے دینی مراکز کے قیام کو اپنا مقصد بنایا اور اس کے ذریعہ تحفظ دین اور دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا، انہیں اس میدان میں بھرپور کامیابی ملی اور اس میدان میں کوئی واقف شخص کسی کوتاہی کا شکوہ نہیں کرسکتا، ہمارے ان اسلاف نے (اللہ ان کے مراقد کو نور سے بھردے) پورے ہندوستان میں مدارس و مکاتب کا جال بچھادیا، لیکن ان حضرات نے علوم عصریہ کے مراکز قائم کرنے میں نہ دلچسپی دکھائی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی اور اس وقت یہی مناسب اور مفید بھی تھا تا کہ دانشوران قوم کو اپنے جوہر دکھانے کا بھرپور موقع مل سکے۔

لیکن یہ تجربہ بڑا تلخ رہا ہے علماء کے دلچسپی نہ لینے کے سبب عصری علوم کے میدان میں مسلمان ابناء وطن سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں، جبکہ علوم دینیہ میں اس طرح کا شکوہ نہیں کیا جا سکتا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۸۰ فیصد نوجوان کالجوں میں جاتے ہیں اور بمشکل ۲۰ فیصد مدارس دینیہ میں آتے ہیں (یہ تعداد تخمینی ہے، اندازہ اس سے بھی بڑے فرق کا ہے) لیکن جس کثرت سے دینی علوم کے ماہرین ہمیں میسر مل جاتے ہیں، ڈاکٹرس وکلاء اور انجینئر اس تعداد میں نظر نہیں آتے۔

لہذا علماء دین کے لئے ضروری ہے کہ اس میدان کی طرف بھی توجہ دیں تا کہ عصری علوم میں بھی ہم اتنی ترقی کرلیں کہ دنیا کی ضرورت بن جائیں اور ہمارے بغیر سائنس ٹکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیسن، سرجری اور دوسرے اہل علوم کا گلشن بے رونق اور سونا معلوم ہو، اس کے لئے ان شعبہ ہائے علم سے متعلق مراکز کا قیام اوقاف کے ذریعہ ہونا چاہئے۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں شہر شہر شفاخانوں کا جال بچھایا،

جہاں ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا تھا، بہت سے شفاخانے جانوروں کے علاج کے لئے مخصوص تھے، بعض سنگین بیماریوں کے شفاخانے مستقلاً ان سب کے علاوہ تھے اور عام طور سے ان شفاخانوں کے مصارف ان اوقاف سے پورے کئے جاتے تھے جو مسلمانوں نے شفاخانوں ہی کے لئے خاص طور سے کر رکھے تھے؛ (تفصیل کے لئے دیکھئے مجلہ: [illegible])۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ دوسرے امور کی طرح اس امر میں بھی مسلمان آج پستی کا شکار ہو گئے ہیں، عیسائی مشنریاں بظاہر خدمت خلق کے جذبے سے لیکن بباطن تبلیغی اور تبشیری مقاصد سے جگہ جگہ ہزاروں اسپتال کامیابی سے چلا رہی ہیں اور شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بڑی حد تک اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر رہی ہیں، لیکن کم ہی ایسے ملی اسپتال اور قابل ذکر شفاخانے ہوں گے جو مسلمانوں کے زیر انتظام کامیابی سے چل رہے ہوں، اصل بات تو یہ ہے کہ ان اسپتالوں کی تعداد ہی بہت کم ہے اور جو ہے بھی وہ اس لائق نہیں قرار دئیے جاسکتے کہ بطور مثال ان کا ذکر کیا جائے۔

البتہ بہت سے پرائیویٹ اسپتال اور نرسنگ ہوم کامیابی سے ضرور چل رہے ہیں جن کو مسلم ڈاکٹروں نے تجارتی مقاصد سے قائم کر رکھا ہے۔

اس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی اسپتال اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ کسی ڈاکٹر کے زیر انتظام ہو، لہٰذا اسپتالوں کے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہوگا کہ ملی درد رکھنے والے ڈاکٹروں سے رجوع کیا جائے اور ان کے مشوروں سے کام کو آگے بڑھایا جائے، ورنہ اس مد میں قائم کئے جانے والے اوقاف خواہ مخواہ ضائع ہو جائیں گے۔

جہاں تک کینسر اور ایڈز جیسے امراض کے لئے معیاری اسپتال قائم کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے اسی وقت کوشش کی جانی چاہئے جب عام نوعیت کے طبی مراکز پوری طرح کامیابی سے ہمکنار ہو چکیں، پھر بتدریج ترقی کرتے ہوئے مخصوص اور سنگین امراض کے مراکز بھی قائم کرنا آسان اور ممکن ہو جائے گا۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

دشمنان اسلام نہایت ہی منصوبہ بند طریقہ سے اپنے باطل خیالات نیز دین اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک وشبہات پھیلا رہے ہیں اور اس کے لئے ہر ممکن ذریعہ اور وسیلہ کو اختیار کر رہے ہیں۔

لہذا ضرورت ہے کہ اس محاذ پر بھی زبردست ان کا مقابلہ کیا جائے اور یہ تحقیق اور جائز ذریعہ سے ان کے زہر کا ازالہ کیا جائے، اوقاف کے ذریعہ یہ کام آسانی سے ہو سکتا ہے۔

اوقاف کو ثمر آور کیسے بنایا جائے

احقر کے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ اس کے لئے ماہرین اقتصادیات سے مدد لی جائے۔ پھر اوقاف کی شرائط کی روشنی میں ان کے مشوروں کے مطابق اوقاف کو زیادہ ثمر آور اور نفع بخش بنانا ان شاء اللہ ممکن ہو سکے گا۔

اوقاف کی فضیلت، تاریخ اور موجودہ دور میں ان کے قیام کی بعض عملی صورتیں

[illegible]

وقف کی فضیلت اور اس کی تاریخ

وقف ایک ایسی عبادت ہے جس کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے، رسول اکرم ﷺ کے سامنے جب بھی کوئی معاشرتی یا اقتصادی مسئلہ آتا تو آپ وقف و صدقات کی ترغیب دیتے تھے، ہجرت کر کے جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں پینے کے میٹھے خوشگوار پانی کی قلت تھی، ایک کنواں بئر رومہ نامی تھا جس کا پانی بڑا لذیذ اور انتہائی خوشگوار تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کے مابین اس کا باقاعدہ اعلان فرمایا کہ کون ہے جو بئر رومہ کو خرید کر اللہ کے لئے وقف کر دے اور جنت کا حق دار بن جائے، یہ فضیلت چونکہ حضرت عثمان کے مقدر میں تھی اس لئے آپ ہی نے وہ کنواں خرید کر تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا، خود بھی عام مسلمانوں کی طرح جا کر اسی سے پانی بھرتے تھے، "قال عثمان: أنشدكم بالله وبالإسلام هل تعلمون أن رسول الله ﷺ قدم المدينة وليس بها ماء يستعذب به غير بئر رومة فقال من يشتري بئر رومة فيجعل فيها دلوه مع دلاء المسلمين بخير له منها في الجنة فاشتريتها من صلب مالي فجعلت دلوي فيها مع دلاء المسلمين" (بخاری، کتاب الوصایا ۳۳، باب اذا وقف ارضاً او بئراً [illegible]، کتاب [illegible]، حدیث: ۲۷۷۸) (مجمع الفقہ الاسلامی کا [illegible]

٭ [illegible]

واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں بئر رومہ کے علاوہ کوئی اور میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا، آپ نے فرمایا: کون ہے جو بئر رومہ کو خریدے اور خود بھی عام مسلمانوں کی طرح وہاں سے پانی لے (یعنی وقف کردے) اور جنت میں اس سے کہیں بہتر چشمہ پائے، اس وقت میں نے ہی اپنے ذاتی مال سے وہ کنواں خریدا اور اپنا حصہ بھی اس میں عام مسلمانوں کی طرح رکھا، صحابہ نے کہا کہ عثمان اتم سچ کہتے ہو)۔

جہاں تک زمین یا جائیداد اللہ کے راستے میں وقف کرنے کا معاملہ ہے اس میں بلاشبہ اولیت حضرت عمر کو حاصل ہے، جب آپ نے اپنی خیبر والی زمین وقف کی تو عام مہاجرین کا خیال یہی تھا کہ یہ اولین وقف ہے جو اللہ کے راستے میں کیا گیا۔

"عن عمرو بن سعد بن معاذ قال: سألنا عن أول حبس في الإسلام فقال المهاجرون: صدقة عمر، وقال الأنصار: صدقة رسول الله ﷺ" (فتح الباری ۵؍۴۰۳، کتاب الوصایا)۔

حضرت عمرو بن سعد بن معاذ کہتے ہیں: ہم نے صحابہ کرام سے اسلام میں اولین وقف کے بارے میں دریافت کیا، مہاجرین کا کہنا تھا کہ اولین وقف حضرت عمر کا تھا جبکہ انصار نے کہا کہ اولین وقف رسول اکرم ﷺ کی طرف سے تھا)۔

واقدی کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جو زمین اللہ کے لئے وقف کی گئی وہ مخیریق کی تھی۔ ان کا تعلق بنو ثعلبہ سے تھا، یہود کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ دعوت حق آپ پر اثر انداز ہوئی، انہوں نے احد کے دن اپنی قوم کو دعوت دی کہ رسول اکرم ﷺ کے شانہ بشانہ لڑیں، اس لئے کہ آپ نبی برحق ہیں، قوم نے انکار کیا، خود جنگ میں شرکت کی، بے جگری سے لڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ خاصے صاحب جائداد تھے۔ مدینہ میں آپ کے سات باغات تھے، انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال رسول اکرم ﷺ کے حوالہ ہے، آپ جیسا چاہیں تصرف کریں، آپ نے سارا مال مسلمانوں کے لئے وقف

وقف کرنا زمانہ جاہلیت میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی نے اپنی زمین یا جائداد وقف کی ہو (فتح الباری ۵/ ۴۰۳)۔

وقف کن لوگوں پر کیا جائے

وقف ہر طرح کے لوگوں پر کیا جا سکتا ہے، حضرت عمر نے جن اصناف پر اپنی زمین وقف فرمائی تھی ان میں درج ذیل قسمیں شامل تھیں:

(۱) قرابت دار، اس سے مراد واقف کے اقرباء بھی ہو سکتے ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے اقرباء بھی ہو سکتے ہیں، پہلی توجیہ راجح ہے۔

(۳) فی سبیل اللہ (اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اسلام)۔

(۴) غلاموں کی آزادی کے لئے۔

(۵) مہمان۔

(۶) مسافر (فتح الباری ۵/ ۳۹۹ باب الوقف کیف یکتب)۔

حضرت عثمان کا وقف عامۃ المسلمین کے لئے تھا۔ حضرت ابن عمر نے اپنا گھر آل عمر کے ضرورت مندوں کے لئے وقف فرمایا تھا، حضرت انس نے اپنا ایک گھر وقف کیا تھا جو مدینہ منورہ میں تھا، جب آپ حج کے لئے تشریف لے جاتے تو قیام مدینہ کے دوران وہیں رہتے۔

حضرت زبیر نے اپنے بعض مکانات اپنی ان بیٹیوں کے لئے وقف کئے تھے جو مطلقہ بائنہ ہو چکی تھیں، یا ان کے شوہر کے انتقال کر جانے کی بنا پر ان کے لئے رہائش کا کوئی نظم نہ تھا (فتح الباری ۵/ ۴۰۶)۔

ان تمام احادیث اور واقعات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اوقاف صرف ضرورت وحاجت کے لئے ہی نہیں بلکہ راحت کے لئے بھی ہو سکتے ہیں، عمومی بھی ہو سکتے ہیں اور خصوصی بھی، محدود بھی اور لامحدود بھی، بالخصوص رسول اکرم ﷺ کے طرز عمل سے آپ کا پتہ چلتا ہے کہ ضرورت کے وقت وقف کرنے سے اجر میں بھی بہت اضافہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حضرت عثمان

نے میٹھے پانی کا کنواں خرید کر وقف کر دیا تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت سنائی اور ان کے اس عمل کی بڑی پذیرائی فرمائی۔

اوقاف میں اجتماعی ضرورت کا لحاظ

اوقاف میں اجتماعی ضرورتوں کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک باندی آزاد کی، جب آپ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا: اگر تم اسے اخوال یعنی ماں کے خاندان والوں کو یہ باندی ہبہ کرتیں تو تمہیں اجر و ثواب اور زیادہ ملتا (بخاری، کتاب الہبۃ، مسلم، کتاب الزکاۃ ۲۲۰۳)۔ یہاں بات تو ہبہ کی ہے لیکن غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ آزادی جیسے افضل ترین عمل پر بھی کبھی کبھی اجتماعی ضرورتیں بازی لے جاتی ہیں۔ موجودہ دور کا مسئلہ اجتماعی حساس ہے۔

یہ مشترکہ مسئلہ علماء امت اور اصحاب ثروت دونوں کا مشترکہ مسئلہ ہے کہ ایسے اوقاف قائم کئے جائیں جن کے ذریعہ ملت اسلامیہ ہندیہ آزمائش کے اس دور سے نکل جائے اور ایک بہتر مستقبل کی طرف پیش قدمی کر سکے۔

۱- مریضوں کے لئے اوقاف

اسلام جسمانی صحت پر کافی زور دیتا ہے اور اسے انسان کے ذاتی حق کے ساتھ ساتھ شرعی تقاضا بھی قرار دیتا ہے، اسلام میں ایسے مومن کو جو طاقتور ہو اللہ کی نظر میں زیادہ محبوب اور پسندیدہ بتایا گیا ہے: "المؤمن القوي خير وأحب إلى الله من المؤمن الضعيف وفي كل خير" (مسلم)، اسی طرح یہ بات بھی زور دے کر کہی گئی ہے کہ آدمی پر اس کے جسم کا بھی حق ہے: "وإن لجسدك عليك حقا" (بخاری، کتاب الصوم، ۱۹۷۵، ۵۱۹۹، ۶۱۳۴، مسلم کتاب الصیام ۱۱۵۹)، خود رسول اکرم ﷺ سے مختلف امراض کے علاج اور اس کی ترکیبیں بھی ثابت ہیں، احادیث کی کتابوں میں کتاب الطب کے عنوان کے تحت بہت سارے محدثین نے

احادیث درج کی ہیں بلکہ طب نبوی پر علماء امت کی مستقل تصنیفات بھی ہیں، ہماری تہذیب، ہماری تاریخ اور ہمارا شاندار ماضی اس کی گواہی دیتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے کہ عالم اسلامی کا چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا شہر ایسا نہ تھا جہاں ایک سے زیادہ اسپتال نہ ہوں، ان کے لئے بڑی بڑی جائدادیں وقف ہوتی تھیں، ایک وقت ایسا تھا کہ صرف قرطبہ میں پچاس بڑے اسپتال تھے (من روائع حضارتنا للدکتور مصطفی السباعی، ص: ۱۴۰)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم دین کے بعد علم طب کو سب سے افضل قرار دیا ہے، علم دین انسان کی روحانی بالیدگی کا سامان کرتا ہے اور انسان کی معنوی شخصیت کی بقاء کی ضمانت لیتا ہے، اسی طرح علم طب انسانی جسم کو صحت اور عافیت کے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "لا أعلم علماً بعد الحلال والحرام أنبل من الطب" (سیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۰/۵۷) (حلال وحرام کے علم کے بعد طب سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے)۔

اوقاف سے متعلق کرنے کے کام

اوقاف کے میدان میں ہمیں دو طرح کے کام کرنے ہوں گے:

پہلا کام نہایت اہم ہے وہ یہ کہ ہمارے سابقہ اوقاف جن میں اکثر عمومی اور مطلق تھے ان کو واگذار کروایا جائے، اس کے لئے قانونی لڑائی لڑی جائے، ان اوقاف پر جو بددیانت افراد حاوی ہیں ان کو بے دخل کیا جائے، اگر وہ اوقاف حکومت کے قبضہ میں ہیں تو حکومت کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے، ان ہمدردان ملت کی جائدادوں کو از سر نو قابل انتفاع بنایا جائے، بیشتر یا صفت افراد کے قبضہ میں موجود ہمدردان ملت کی جائدادوں کو از سر نو قابل انتفاع بنایا جائے جو اوقاف کے ایندھن سے اپنے لئے جہنم کی آگ بھڑکا رہے ہیں، صرف پنجاب، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، کرناٹک اور بہار میں کل جائداد اوقاف کی تعداد ایک لاکھ دس ہزار کے لگ بھگ ہے، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی جن میں مدھیہ پردیش میں ۵۷ فیصد سے

زائد اوقاف ناجائز قبضہ میں ہیں اور پنجاب میں ۹۰ فیصد کے قریب ناجائز قبضہ میں ہیں (ہندوستان میں وقف بورڈوں کا نظام، رپورٹ، سالار محمد خاں ص ۲)۔ اس کے علاوہ ہر صوبے کے اوقاف میں ایک بڑا حصہ یا تو حکومت کے ناجائز قبضہ میں ہے، یا پھر بددیانت متولیان کے ہتھے چڑھا ہوا ہے، اوقاف کی واگذاری کے لیے مسلمانوں کی نمائندہ تنظیمیں اگر یکجا ہوکر یہ کام کریں تو بہت کچھ مفید نتائج نکل سکتے ہیں، بالخصوص مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے اگر ایک ''محافظ اوقاف فورم'' قائم کیا جائے تو امکان ہے کہ امت کی یہ امانتیں ملت کے تعمیری کاموں میں پھر سے استعمال ہو سکیں۔

دوسرا کام یہ ہے کہ نئے اوقاف قائم کئے جائیں۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

یہ سماج کا سلگتا ہوا مسئلہ ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس زمانے میں مسلم معاشرے میں بھی معاشی ناہمواریوں کی بنا پر بہت ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، اسلام نے مطلقات اور بیواؤں کی کفالت کے لئے جو ترتیب قائم کی تھی آج مسلم معاشرہ کا ایک بڑا حصہ عملاً اس سے کنارہ کش ہو چکا ہے، فقہ شافعی کی رو سے معاشی کفالت کی ذمہ داری ترتیب وار منتقل ہوتی بیت المال تک جا پہنچتی ہے، اگر بیت المال کا نظم نہ ہو تو اس علاقہ کے اصحاب ثروت اس کے ذمہ دار ہیں، اگر وہ بھی اپنی ذمہ داری ادا نہ کریں تو پھر یہ ذمہ داری اور پھیلتی ہے، یہاں تک کہ کفایہ وجوب پوری قوم پر عائد ہوتا ہے، اس کی رو سے دیکھا جائے تو جو خاتون بھی معاشی بدحالی سے تنگ آکر اپنے لئے غلط راستے ڈھونڈ لیتی ہے اس کا ذمہ دار پورا معاشرہ ہوگا، ہر ایک کے ذمہ اپنے حصے کے بقدر گناہ کا بوجھ ضرور ہوگا، لہذا بیواؤں اور مطلقات کے لئے اوقاف کا نظم اگر ان کی کفالت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہو تو پورے معاشرے کی یکساں ذمہ داری ہے، یہ کام اتنا عظیم اور اہم ہے کہ ایسے شخص کو رسول اکرم ﷺ نے مجاہد فی سبیل اللہ، قائم اللیل اور صائم النہار سے

تشبیہ دی ہے، ارشاد رسالت ہے: "الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله وأحسبه قال: وكالقائم لا يفتر وكالصائم لا يفطر" (بخاری، کتاب الادب: ۲۵، ۲۶، مسلم، کتاب الزہد: ۴۱) (بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ایسا نمازی ہے جو بلا تکان نماز پڑھتا جائے، یا ایسا روزہ دار ہے جو ہمیشہ روزے سے رہے)، حضرت عمرؓ تو ان عورتوں کے گھر بھی تشریف لے جاتے جن کے شوہر وقتی طور پر جنگی مصروفیات کی بنا پر غائب رہتے اور ان خواتین کی ضروریات پورا کرنے پر خاص توجہ فرماتے، آج کل اس طرح کے واقعات صرف پڑھنے اور سر دھننے کے لئے رہ گئے ہیں، عملی اقدام کرنے والے بس چند گنے چنے لوگ ہی رہ گئے ہیں۔

اوقاف کو مفید اور ثمر آور کیسے بنایا جائے؟

جہاں تک اوقاف کو مفید اور ثمر آور بنانے کا معاملہ ہے تو اس کی شرط اول دیانت داری ہے، امت مسلمہ میں جب تک اس صفت کا وجود رہا اوقاف نے ایسے حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اوقاف بلاشبہ حکومت کے اندر ایک پوری حکومت کا کام انجام دیتے تھے، مسجدیں، مدرسے، اسکولس، یونیورسٹیاں، شفاخانے، کارخانے، سڑکیں، سرائے خانے، کنویں، قبرستان، پل، رہائشی مکانات، لائبریریاں، قلعے، رصدگاہیں، کونسا ایسا تہذیبی وتمدنی سرمایہ تھا جو اوقاف کے ذریعہ محفوظ نہ رکھا گیا ہو، آج یہ صفت عنقا ہے، ضرورت ہے ایسے دیانت دار افراد کی جو اسے سنبھال سکیں، سالار محمد خاں (ایڈوکیٹ) کی رپورٹ میں جو ہندوستان میں وقف بورڈس کے نظام سے متعلق ہے، یہ بات صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ وقف سے متعلق آج کے سنگین مسائل میں سب سے مشکل اور پیچیدہ مسئلہ اوقافی جائداد پر غاصبانہ قبضہ ہے، جس کی وجوہات میں ایک اہم ترین وجہ متولیان کی بددیانتی ہے، حدیث شریف میں ایسے

دھوں کے بارے میں یہ ارشاد نبوی کافی ہے: "إن رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق فلهم النار يوم القيامة" (بخاری، خمس ۷) (کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق مداخلت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے قیامت کے دن آگ ہے)۔ جب ناحق مداخلت پر یہ وعید ہے تو نا جائز تصرف اور غاصبانہ قبضہ پر کیا کچھ وعیدیں نہ ہوں گی، غور کرنے کا مقام ہے۔ اس کا حل بعض حضرات نے یہ سوچا ہے کہ اگر متولی وقف خائن یا بددیانت ہو تو موقوفہ مال کو موقوف علیہ کے زیر تصرف دے دیا جائے، اس لئے کہ وقف کا فائدہ تو موقوف علیہ کی ملک ہے لہذا اسے کلی وقف ہی کا مالک بنا دیا جائے تو مناسب ہوگا، لیکن یہ حل کوئی آسان نہیں ہے، اس لئے کہ اگر وقف کی جہت عامہ ہو یعنی موقوف علیہ فقراء و مساکین ہوں تو یہ لوگ وقف کو کس طرح سنبھال سکتے ہیں، دوسرے یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب موقوف جائداد کا مالک ہی موقوف علیہ کو قرار دیا جائے، جو بہر حال کمزور مسلک ہے، ورنہ راجح مسلک تو یہی ہے کہ اصل وقف کی ملکیت اللہ تبارک وتعالی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے مدارس اور ان کے لئے اوقاف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، جن میں کچھ مشہور مدارس یہ ہیں: مدرسہ نظامیہ، مدرسہ صالحیہ، مدرسہ ظاہریہ، مدرسہ صاحبیہ، مدرسہ عادلیہ وغیرہ (مجلہ دعوۃ الحق ۱۴۱۵ھ رجب شعبان رمضان ۱۴۰۹ء)۔

یہ تمام مدارس اوقاف سے چلتے تھے، مدرسہ نظامیہ کے بارے میں تاریخ العرب میں ہے: "یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مدرسہ نظامیہ وہ معیاری درسگاہ تھی جس کی تقلید یورپ کے ان دانش کدوں نے بھی کی جو بعد میں جامعات یعنی یونیورسٹیز کی حیثیت سے مشہور ہوئے (تاریخ دعوت، سید ابو الحسن علی ندوی بحوالہ Hitti-History of the Arabs -P- 260)۔ خود امام شافعیؒ نے ایک مدرسہ قائم فرما کر اس کے لئے اپنا گھر وقف کر دیا تھا، مدارس اور ان کے لئے

اوقاف کا سلسلہ بعد کی صدیوں میں اس قدر ترقی کر گیا کہ مشہور سیاح ابن جبیر کے مطابق جب اس نے دمشق کا دورہ کیا تو وہاں چار سو مدارس وقف کے تھے (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، ۱۵، ۱۴۱۵ھ، رجب شعبان، رمضان ص ۱۲۷)، نعیمی نے کچھ مدارس اور ان کے لئے وقف کی ہوئی جائدادوں کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے، جس کے مطابق صرف دمشق میں فقہ حنفی کی تدریس کے ۵۲ مدارس، فقہ شافعی کی تدریس کے ۶۳ مدارس اور فقہ حنبلی کے گیارہ مدارس تھے (ایضاً ص ۱۲۷)، دمشق کا سرسبز وشاداب قطعہ جسے غوطہ دمشق کہا جاتا تھا، یہ لگ بھگ پورا کا پورا وقف تھا (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ، رجب شعبان رمضان ص ۱۳۰) بالخصوص تعلیمی امور کے لئے، اس کے علاوہ چھوٹے موٹے مکاتب کی تعداد تو بے شمار تھی، اس کے لئے جو اوقاف تھے وہ صرف طلبہ کی رہائش ہی کے لئے نہیں تھے، بلکہ ان کے کھانے پینے دوا علاج اس سے آگے بڑھ کر ان کے بیوی بچوں تک کی کفالت کا ان مدارس کے اوقاف میں بھرپور انتظام تھا (ایضاً ص ۱۲۷، ۱۳۹)، اس کثرت وفراخی کو دیکھ کر ابن جبیر نے یہاں تک کہہ دیا: **تكثر الاوقاف على طلبة العلم في البلاد الشرقية فمن شاء الفلاح فليرحل إليها** (ایضاً ص ۱۲۹) (تشنگان علم کے لئے تو مشرقی ممالک میں اوقاف کی بہتات ہے، جو بھی نمایاں کامیابی حاصل کرنا چاہے وہیں جائے)، ابونعیم رضوان النصری نے غرناطہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اس کے اخراجات کا بندوبست کیا اور اس کے لئے جائدادیں وقف کیں، یہ مدرسہ اپنی مثال آپ تھا، خوش نمائی، وسعت، حسن ذوق اور شان وشکوہ کا نمونہ تھا، اس کے لئے ایک کثیر مقدار میں نہر سے پانی آنے کا راستہ بنایا گیا تھا (نگارشات عبد اللہ عباس ندوی ۸۳، بحوالہ الاحاطہ فی اخبار غرناطہ لسان الدین ابن الخطیب)۔

تعلیم وتعلم اور علم وفن کی ترقی کے لئے مسلمانوں نے مساجد کے ذریعہ بھی خوب خوب کام لیا ہے اور ان پر بہت کچھ وقف کیا ہے، یہ مسجدیں صرف نماز پنجگانہ کے لئے نہیں ہوتی تھیں بلکہ ان میں سے اکثر علمی مراکز کی حیثیت رکھتی تھیں، اندلس کی مسجد قرطبہ، مراکش کی جامع قرویین، قاہرہ کی جامع ازہر، دمشق کی مسجد اموی اور تیونس کی جامع الزیتونہ، یہ سب فی الحقیقت

مساجد تھیں جو آہستہ آہستہ پوری یونیورسٹی کی شکل اختیار کر گئیں، ان میں جامع ازہر، جامع قرویین اور جامع ابن طولون پر بہت کچھ اوقاف تھے جن سے ان کا پورا خرچ چلتا تھا ([illegible]

۵: ۱۰ رجب شعبان رمضان ص ۱۲۹)۔

اسی طرح مکتبات یعنی لائبریریوں کے لئے بھی اچھے خاصے اوقاف ہوا کرتے تھے، یہ محض لائبریریاں نہ تھیں، بلکہ علم و فضل کی درسگاہیں تھیں، جہاں علم کا دریا بہتا تھا، دنیا جہان کے محققین یہاں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے، ان پر اوقاف کی آمدنی دل کھول کر خرچ کی جاتی تھیں، جو بھی کتابوں سے استفادہ کے لئے دور سے آتا اسے یہ سہولتیں ضرور ملتی تھیں، رہائش، اسکالرشپ اور صفائی ستھرائی کا بے مثال نظم تھا، مثلاً ان کے لئے خاص غسل خانے ہوتے جسے عام آدمی استعمال نہیں کر سکتا تھا، علمی خدمت اور ان کے لئے کچھ مستقل ڈاکٹر ہوتے جو وقتاً فوقتاً ان کا چیک اپ کرتے، بیمار ہونے پر ان کے لئے مخصوص اسپتال ہوتے، گویا وی آئی پی شفاخانے ہوتے جہاں ہر طرح سے ان کی دیکھ بھال ہوتی، اس کے علاوہ خادمین کی سہولت الگ سے میسر تھی جو روزمرہ کے کام انجام دیتے (ایضاً ص ۱۰) گویا ان محققین کو تمام فکروں سے فارغ کر دیا جاتا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے محققین پیدا ہوئے جن کے کارناموں پر آج بھی دنیا فخر کرتی ہے۔

کچھ مکتبات کا حال آپ بھی سن لیں:

مکتبۃ الخلفاء الفاطمیین: یہ فاطمی خلفاء کی لائبریری تھی جہاں بعض مؤرخین کے نزدیک بیس لاکھ کے لگ بھگ کتابیں تھیں (من روائع حضارتنا، مصطفیٰ السباعی ص ۱۵۱)۔

مکتبہ دار الحکمہ، قاہرہ: یہ مکتبہ حاکم بامر اللہ کا قائم کیا ہوا تھا، ۳۹۵ھ میں اس میں لگ بھگ ساڑھے سات لاکھ کتابیں تھیں (ایضاً ص ۱۵۱)۔

بیت الحکمہ: اسے ہارون رشید نے قائم کیا تھا، مامون کے دور میں یہ اپنی ترقی کو پہنچی، روم و یونان کی اکثر کتابوں کا ترجمہ جب مامون کے حکم سے کیا گیا تو وہ کتابیں اسی مکتبہ کی زینت

بنیں، یہ ایک پوری یونیورسٹی تھی، جہاں محققین مطالعہ کرتے اور آپس میں تبادلہ خیال بھی ہوتا، گویا اسے اپنے زمانے کا علمی وتحقیقی بے مثال مرکز قرار دیا جاسکتا ہے (ایضاً ص ۱۵۹، ۱۶۰)۔

مکتبہ بنی عمار، طرابلس، یہاں کی کتابوں کی تعداد مناسب اندازے کے مطابق تین لاکھ کے قریب تھی (ایضاً ص ۱۶۰)۔

ان مدارس ومکتبات میں علوم عصریہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور اس کے لئے بھی خوب خوب اوقاف تھے، مسلمانوں نے اس میں اپنوں اور غیروں کی بھی تفریق نہیں کی، غیر بھی اوقاف کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے (مجلۃ البحوث الفقہیہ المعاصرہ رجب شعبان رمضان ۱۴۱۵ھ ص ۱۲۷)۔

ان ہی موقوف مدارس میں پڑھ کر امام غزالی جیسے نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے اور دنیا پر چھا گئے، ان ہی مدارس سے کسب فیض کر کے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی ثانی بنے، متقدمین بلکہ متوسطین میں کسی کی بھی سیرت اٹھایئے اکثر یہ ملے گا کہ ان کی تعلیم فلاں موقوف مدرسہ میں ہوئی، اس ناحیہ سے دیکھا جائے تو دینی علوم کی ترویج واشاعت میں اوقاف کا کردار بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعلیم وتعلم کے لئے اگر خدانخواستہ دائمی اوقاف کا قیام نہ ہو پارہا ہو تو اتنا ضرور کیا جاسکتا ہے کہ عارضی طور ہی پر اہل ثروت سے فائدہ اٹھایا جائے، ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ان غریب مگر ذہین بچوں کا خیال رکھیں جو صرف غربت کی بناء پر حق تعلیم سے محروم ہورہے ہوں، پھر ہر متمول شخص کم سے کم ایک طالب علم کا بار تو اپنے ذمہ لے، اپنی زندگی سہولت سے گذارنے کا یہ سب سے آسان اور ثواب سے بھرپور راستہ ہے کہ آدمی دوسروں کی مدد کرے، "واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون أخیہ" (اللہ اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے)، رسول اکرم ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل ہی یہ مبارک عمل اپنے حق میں لازم کرلیا تھا، حضرت خدیجہ نے جن الفاظ میں آپ کی توصیف کی ہے، ان کا پہلا جملہ ہی یہ ہے کہ آپ تو دوسروں کا بوجھ ڈھوتے ہیں، اللہ آپ کو رسوا کیسے کرسکتا ہے:

کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک تحمل الکل (بخاری، بدء الوحی ۳، کتاب ۱، مسلم، کتاب الایمان ۲۵۲) ان احادیث کی روشنی میں کسی کو بھی تاجر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی ایک طالب علم کی مکمل تعلیم اپنے ذمہ لے اور اپنے نفع کا ایک حصہ اس پر خرچ کرتا رہے، یہاں تک کہ وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہو جائے، کوئی صاحب جائداد اپنی زمین اگر وقف نہ کرنا چاہے تو اتنا ہو سکتا ہے کہ اپنی پیداوار کے ایک حصہ کو کسی طالب علم کی تعلیم پر خرچ کرنے کے لئے الگ کر لے، اوقاف کے ذریعہ اگر دوائی اور پائدار کام نہ ہو رہے ہوں تو اس طرح کے عارضی اور وقتی کام تو کئے جا سکتے ہیں، پھر یہ چھوٹی موٹی کوششیں بھی رنگ لائیں گی، فرض کیجئے کسی علاقے میں تین بڑے مالدار ہیں اور وہیں غریب مگر ذہین طلبہ کو پڑھا لکھا کر اچھا شہری بنائیں، کیا یہ طلبہ آئندہ چل کر اپنے جیسے کئی اور طلبہ کا سہارا نہیں بنیں گے؟ بس ترتیب قائم کرنے پھر اسے قائم رکھنے کی ضرورت ہے، مالدار صحابہ نے اسی طرح نادار صحابہ کو آگے بڑھایا ہے، پھر دنیا نے دیکھا کہ (عجم) میں ایسے ایسے نابغۂ روزگار افراد پیدا ہوئے کہ آج علمی دنیا کی گردن ان کے احسانات سے جھکی ہوئی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے کسی کاریگر کی مدد کرنے کو بھی افضل عمل بتایا ہے (بخاری، کتاب العتق ۲، مسلم، کتاب الایمان ۲۵۰)، اس زمانے میں "علم" سے بڑھ کر کوئی صنعت ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ انفاق فی سبیل العلم کے جذبہ کو تازہ رکھا جائے، جو اس امت کا نمایاں امتیاز ہے۔

☆☆☆

معاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار

مولانا [illegible]٭

وقف کی شرعی حیثیت

"الاسعاف" میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سات باغوں کو وقف کیا جو اسلام میں پہلا وقف خیری تھا، یہ باغات "مخیریق" نامی ایک یہودی کے تھے، جو ہجرت نبوی کے بتیسویں ماہ کے آغاز میں اس وقت مارا گیا جب وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی طرف سے شریک قتال تھا، اس نے وصیت کی کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرے اموال محمد ﷺ کے لئے ہوں گے، وہ انہیں اللہ کی مرضی سے صرف کریں گے، احد کے دن یہودیت پر ہی اس کی موت ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "مخیریق اچھا یہودی تھا" نبی کریم ﷺ نے ان سات باغوں کو اپنی تحویل میں لے کر انہیں صدقہ یعنی وقف کردیا، پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وقف ہوا، پھر صحابہ کرام کے اوقاف مسلسل ہوتے گئے (الاسعاف فی احکام الاوقاف برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی ص ۹-۱۰)۔

نبی کریم ﷺ نے صدقہ جاریہ کی ترغیب دی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسی مفید خدمت انجام دے جس کا فائدہ محض وقتی نہ ہو بلکہ اس کے گزر جانے کے بعد بھی اس کا فائدہ جاری رہے اور اس کا اجر وثواب اس کو مسلسل ملتا رہے۔ نیل الاوطار میں ہے: "اذا مات ابن

٭ نائب مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ

لازمی طور پر مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے ملک کے ہر گوشہ، ہر شہر اور ہر صوبہ میں وقفی نظام کا قائم کرنا اور اس کو منظم طور پر چلانا ہر ایک اخلاق مند، غیور اور باضمیر مسلمان کا فریضہ ہے تاکہ قوم کی محتاج اور معاشی کمزوری کی شکار مطلقات اور بیوائیں باعزت زندگی گزار سکیں، دردر کی ٹھوکریں کھانے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے محفوظ رہیں: "الثاني موقوفة صدقة على وجوه البر أو الخير أو اليتامى جاز مؤبدا كالفقراء" (۵/۲۰۰)۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے: "مسجد کے علاوہ دوسرے کار خیر کے لئے بھی اگر وقف ہو تو شرعاً صحیح ہے تاکہ امور خیر میں لوگوں کے لئے مزید وسعت، سہولت اور آسانی ہو (۱۰/ ۷۶۵۷، نیز دیکھئے: فتاوی عالمگیری ۲/ ۳۷۰)۔

۴- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلم سماج تعلیم کے میدان میں نہایت پیچھے ہے، یہ بات صرف ہندوستانی مسلمانوں پر ہی صادق نہیں آتی بلکہ کم وبیش پوری مسلم امت اپنے عددی تناسب کے لحاظ سے دوسری معاصر قوموں کے بالمقابل نہ صرف پیچھے بلکہ بہت پیچھے ہے، ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی صورتحال کا اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنی آبادی کے تناسب سے اس کا تعلیمی ریکارڈ نہایت مایوس کن ہے۔

وقف میں اس مسئلہ کے حل کی ایک بہت اچھی شکل موجود ہے جسے آج وزارت تعلیم انجام دے رہی ہے، اس کے بارے میں قرآن میں بڑی فضیلت اور تاکید آئی ہے اور حدیث میں اس کو صدقہ جاریہ قرار دیا گیا ہے، آپ ﷺ نے لوگوں کو مختلف طریقے سے اس کی ترغیب دی ہے۔

ارشاد ہے: "يا أيها الذين آمنوا أنفقوا مما رزقناكم من قبل أن يأتي يوم لا بيع فيه ولا خلة ولا شفاعة" (سورۂ بقرہ: ۲۵۴)۔

(اے ایمان والو! ہماری دی ہوئی چیز کو خرچ کرو قبل اس کے کہ ایسا دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی سفارش)۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف

دین اسلام رحمت ہے، انسانوں کی خدمت اور اس کی راحت رسانی اس کی تعلیمات کا ایک جزو لاینفک ہیں، قدیم تاریخوں میں وقف کی طبی خدمات مسلم اور ثابت ہیں لیکن آج یہ چیز کمیاب اور مفقود ہے جب کہ عصر حاضر میں ایسے ایسے امراض پیدا ہوگئے ہیں جن کا علاج بہت گراں ہے اور جس پر ہر کوئی قادر نہیں۔

لہٰذا ایسے وقت میں شرعی اعتبار سے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اوقاف قائم کرکے اسپتال اور طبی مراکز کا نظام ایک اصول اور ضابطے کے تحت چلایا جائے اور مریضوں کا اطمینان بخش اور کارگر علاج کیا جا سکے (دیکھئے: [illegible])۔

دواؤں کا وقف بصراحت فقراء واغنیاء صحیح ہے جیسا امراء کے لئے بھی اس سے استفادہ درست ہے (دیکھئے: ہندیہ ۲؍۳۶۲، البحر الرائق ۵؍۲۰۲)۔

خلاصہ یہ کہ اسپتال اور طبی مراکز کا نظم چلانے کے لئے اوقاف قائم کرنا اور ان کی آمدنی اور منفعت سے مریضوں کا علاج ومعالجہ اور طبی خدمت کرنا شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ مطلوبات شرعیہ میں سے ہے اور اس فریضہ کو انجام دینا ہر صاحب ثروت اور مالدار مسلمان پر ضروری ہے۔ ارشاد ہے: "وفي أموالهم حق للسائل والمحروم"

☆☆☆

متنوع سماجی ومعاشی مسائل کے حل میں اوقاف کا کردار

مولانا محمد ارشد مدنی چمپارنی ☆

۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف کا قیام

موجودہ دور میں غرباء ومساکین اور مطلقہ بیوہ اور بے سہارا عورتوں کا مسئلہ نہایت ہی اہم مسئلہ ہے۔ اسلام کا نظام نفقہ رائج نہ ہونے کی وجہ سے مسلم سماج کے اندر غرباء ومساکین کے ساتھ ساتھ مطلقہ اور بیوہ عورتوں کا معاشی بدحالی کا شکار ہونا عام سی بات ہوگئی ہے۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ کتاب وسنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز زندگی کو اسوہ بنایا جائے اور ایسے محتاج افراد کی اعانت کے لئے منظم تحریک چلانے کے ساتھ عملاً ان کی معاشی کفالت کا انتظام کیا جائے۔

رسول اکرم ﷺ نے بیوہ عورتوں کی مدد اور ان کی خبر گیری کا خصوصی نظم فرما رکھا تھا (بخاری مع الفتح ۹؍۲۱۵) اسی طرح آپ ﷺ امت کو اس کار خیر میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کی ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله أو القائم الليل، الصائم النهار" (بخاری النفقات، ۵۳۵۳، ادب، ۶۰۰۷)۔

یعنی "بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی کفالت کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ یا راتوں کو تہجد پڑھنے والے اور دن میں روزہ رکھنے والے کی طرح ہے"۔

☆ جامعہ ابن تیمیہ، چمپارن، بہار

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اسلامی حکومتوں خصوصاً خلفاء راشدین نے بیوہ اور مطلقہ عورتوں کے لئے حکومتی سطح پر معاشی کفالت کا انتظام کیا اور اسے بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک بیوہ عورت کی استدعاء پر اس کا نام بیت المال کے رجسٹر میں درج کرکے اس کے اور اس کے یتیم بچوں کے لئے مستقل معاش کا انتظام فرمادیا (معد (صلواۃ ۔۔۔ سیرۃ عمر لابن الجوزی ص ۔۔۔)۔ اپنی شہادت سے چند ہی روز قبل انہوں نے فرمایا:

"لئن سلمني الله لأدعن أرامل أهل العراق لا يحتجن إلى رجل بعدي أبدا" (بخاری فضائل اصحابہ ۳۷۰۰) (یعنی" اگر میں زندہ رہا تو عراق کی کوئی بیوہ اپنی گذر بسر کے لئے کسی کی محتاج نہ رہے گی)۔

مذکورہ نصوص کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ باثروت مسلمانوں کے لئے مناسب ہی نہیں بلکہ ان کے اوپر واجب ہے کہ بیوہ اور مطلقہ عورتوں کی معاشی کفالت کا انفرادی یا اجتماعی خصوصی نظم کریں۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی مالی کفالت اور ان کی امداد کی کئی ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر کردینا مناسب ہے:

۱- ان کے گذر اوقات کے لئے مستقل نظم کیا جائے اور ان کے بال بچوں کی اچھی تعلیم کے لئے خصوصی بجٹ متعین کیا جائے۔

۲- بعض عورتیں گھریلو صنعت کے ذریعہ خود کفیل ہونا چاہتی ہیں، ان کے کام میں معاونت کی جائے تاکہ وہ گھریلو صنعت میں ترقی کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل سنوار سکیں۔

۳- خواندہ طبقہ کی عورتوں کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے کہ محلے اور علاقے کی بچیوں کو یہ عورتیں اپنے گھروں میں ابتدائی تعلیم دیں اور ان کا باضابطہ وظیفہ اوقاف جیسے رفاہی اداروں سے متعین کردیا جائے یا طالبات کی اقامتی درسگاہوں میں جن میں معلمات کی ضرورت ہو، ان کی تقرری کرکے ان کا اور ان کے بچوں کا مناسب وظیفہ متعین کردیا جائے۔

۴- مسلمانوں کے اندر بیوہ اور مطلقہ عورتوں سے شادی کرنے کو رواج دیا جائے اور شادی میں ان کو خوب مدد دی جائے۔

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

امت کے ذہین بچوں کی تعلیم کے لئے امداد کرنے میں امیر و غریب کی تفریق نہ کی جائے، غریب طلباء کے ساتھ ساتھ امیر طلباء کی بھی مدد کی جائے تا کہ امت کے عام بچوں کے اندر بے فکر ہو کر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ ہمارے اسلاف نے طلباء، علماء، فقہاء، اور قضاۃ کی امداد کے سلسلے میں امیر و غریب کی تفریق نہیں کی ہے، انہوں نے خدمت علم کی تشجیع کی خاطر بلا تفریق بیت المال سے وظائف دیے ہیں، عمرؓ نے اپنے حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ قرآن کی تبلیغ و تعلیم کو عام کرو اور قرآن پڑھنے والوں کے لئے وظیفہ جاری کرو۔ بعض حاکموں نے اطلاع دی کہ بعض لوگ قرآن اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ان کی معاش کا سلسلہ پیدا ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ وظیفہ بہرحال جاری کرو (کتاب الاموال ص ۲۰۷)۔ طلباء و اساتذہ کے وظائف کا یہ سلسلہ عمر بن عبد العزیز کے عہد تک جاری تھا (طبقات ابن سعد ۵؍ ۲۹۳)۔ امام غزالی بیت المال سے علماء دین و محدثین و مفسرین، فقہاء، وقراء، اور طلبہ وغیرہ کی امداد و مساعدت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ولیس یشترط في هؤلاء الحاجة بل یجوز أن یعطوا مع الغنی، فإن الخلفاء الراشدین کانوا یعطون المهاجرین والأنصار ولم یعرفوا بالحاجة ولیس یتقدر أیضاً بمقدار بل هو إلی اجتهاد الإمام" (احیاء العلوم ۲؍ ۱۳۸)۔

(ان حضرات کی امداد کے سلسلے میں حاجت و ضرورت کی شرط نہیں ہے بلکہ مناسب ہے کہ ان کو مالداری کے باوجود دیا جائے، کیوں کہ خلفاء راشدین انصار و مہاجرین کو ان کی ضرورت جانے بغیر دیا کرتے تھے اور اس میں مقدار کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ چیز امام

کے اجتہاد پر موقوف ہوگی)۔

۵- ملک سے باہر اعلیٰ تعلیم۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف

بلاشبہ دورِ حاضر میں انسانی آمدنی کا معتد بہ حصہ علاج و معالجہ پر صرف ہو رہا ہے اور متعدد مہلک اور جان لیوا بیماریاں مثلاً ایڈز اور کینسر وغیرہ عام ہوچکی ہیں جن کے علاج کے مصارف برداشت کرنا عام آدمی سے قطع نظر صاحبِ ثروت افراد کے لئے بھی کبھی کبھی ناممکن ہوجاتا ہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ایسے افراد کی معاونت و امداد ہمارا دینی و اخلاقی فریضہ ہے، انسانی ہمدردی اور جذبہ ایثار و قربانی ہم ملتِ اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے جس کا حکم ہماری شریعتِ مطہرہ نے دیا ہے، اس لئے انسانی آبادی میں پیش آنے والے مصائب و آلام پر دوسروں کی مدد کرنا اور لوگوں کو اس کارِ خیر پر ابھارنا خوش آئند اور مستحسن عمل ہے بلکہ بیت المال اور اوقاف کے ذریعہ مختلف بیماریوں میں مبتلا افراد جو علاج کا صرفہ برداشت کرنے سے قاصر ہیں ان کی امداد و اعانت کا معقول انتظام نہایت ہی ضروری ہے تاکہ مذکورہ بیماریوں کی وجہ سے جو شرحِ اموات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور معاشی طور پر کمزور ہونے کے سبب علاج کا صرفہ نہ برداشت کرپانے والے لوگوں میں جو قلق و اضطراب ہے اس کا سدِّباب ہوسکے۔

۴- تحفظِ شریعت اور دعوتِ دین کے لئے اوقاف

اسلامی شریعت اور اس کے اصول و مبادی پر ہمیشہ سے مختلف پیرایہ و انداز میں حملے ہوتے رہے ہیں، ہر دور میں اعداءِ اسلام نے متعدد ذہنی، فکری اور مادی و معنوی وسائل کو استعمال کرکے دینِ حنیف کو مٹانے کی ناروا کوششیں کی ہیں، لہٰذا آج کے اس سائنس، ٹکنالوجی اور متنوع وسائلِ اعلام کے دور میں شریعتِ اسلامیہ پر حملوں اور اعتراضات کے لئے اعداءِ اسلام نے مختلف طریقے اپنا رکھے ہیں۔

ماضی میں ہمارے اسلاف نے تحفظ شریعت اور تبلیغ دین کی راہ میں جتنے بھی وسائل وذرائع ہو سکتے ہیں ان کا خوب خوب استعمال کر کے دشمنان اسلام کے اعتراضات کا مسکت ومدلل جواب دیا جس کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اپنے باہمی اختلافات کے باوجود توحید وسنت کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی بسر کر رہے ہیں ورنہ آج ہماری حالت کیا ہوتی اہل دانش بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

آج بھی امت مسلمہ کے ہر فرد پر واجب ہے کہ حسب استطاعت دین وشریعت کی حفاظت اور اسلامی احکام کی ترویج واشاعت کے لئے پوری کوشش کریں، اس ضمن میں ارباب حل وعقد پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت اور اس کی تبلیغ واشاعت کے لئے کوئی منظم طریقہ اختیار کریں، کیونکہ عصر حاضر کے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر ہی ہم اپنی اس کوشش میں نمایاں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

موجودہ دور میں اوقاف کے شرعی مصارف

مولانا نذیر احمد [illegible] ☆

۱- پریشان حال مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے شہروں اور دیہاتوں میں اوقاف قائم کئے جاسکتے ہیں تاکہ ان مصیبت زدہ عورتوں کی کفالت کی جائے اور یہ پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر غلط راستے پر نہ پڑ جائیں یا ڈال دی جائیں۔

۲- مسلمان تعلیم کے میدان میں پچھڑے ہوئے ہیں کیا اس کا سبب معاشی بدحالی ہی ہے یہ محل نظر ہے، میری سمجھ سے معاشی بدحالی بعض اعتبار سے رکاوٹ بن سکتی ہے لیکن تعلیمی زوال کا اسے بنیادی سبب نہیں قرار دیا جاسکتا، تعلیمی پسماندگی کے بہت سے اسباب ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

☆ گھر پر طلبہ کی مناسب نگرانی نہ ہونا۔

☆ سرمایہ داروں کا تعلیم کو اہمیت نہ دینا۔

☆ طلبہ کا مطلوبہ محنت نہ کرنا۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف کا قیام ہونا چاہئے۔

ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طبقے کے لوگوں کا علاج کیا جائے۔

جسمانی علاج کے ساتھ روحانی علاج کا بھی نظم کیا جائے۔

☆ [illegible] مدرسہ [illegible] دہلی۔

۱۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف کا قیام جائز ہے، تحفظ شریعت کی مختلف شکلیں ہیں:

قرآن کی طباعت، قرآن کے معانی کا ترجمہ، قرآن کی تفسیر، ان کو وقف کے پیسے سے شائع کر کے مفت فراہم کیا جائے۔

حدیث کا ترجمہ، شرح، تخریج، تحقیق کر کے علماء اور طلبہ کو مفت یا کم قیمت پر فراہم کی جائے۔

اسی طرح دیگر علوم وفنون کی کتابیں شائع کی جائیں جو محقق کوئی کام کر رہا ہے اور مالی اعتبار سے کمزور ہے اس کی مدد کی جائے اور اسی وقف سے اس کی کفالت کی جائے، مذکورہ کاموں میں اخلاص کے ساتھ ساتھ امانت بھی مطلوب ہے۔

وقف کی جائداد سے یہ کام بھی لیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی کتابوں کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرایا جائے، نیز قرآن، حدیث، فقہ ترجمے کے کام میں تکرار نہیں ہونی چاہئے۔

وقف کی ایک سرگرمی یہ ہو سکتی ہے کہ قرآن، حدیث یا پیغمبر اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں، علماء اس کا مدلل اور منطقی جواب تحریر کریں اور ٹی وی، ریڈیو، اخبار یا کتاب کے ذریعہ اسے عوام تک پہنچایا جائے۔

وقف کی جائداد سے علماء کو وظائف دیے جائیں اور بے لوث دعوت کا کام کریں۔

اس ترقی یافتہ دور میں اوقاف کے ذمہ داروں کا ذہن کامرشیل اور استثماری ہونا چاہئے، اسی طرح اوقاف کے ذمہ داروں کو مختلف اوقاف کے لئے میزانیہ بنا کر اہل ثروت لوگوں کی طرف راغب کرنا چاہئے، کہ فلاں پروجیکٹ میں استثمار، یہ کہنے کا آپ اتنا پیسہ دے کر اسے اپنے نام وقف کرالیں۔

مثلاً: تجارت، زراعت، مچھلی پالن، مرغی پالن، دودھ، مضاربت، بس یا جیپ چلوانا، مکتبہ کھول کر دینا، زیراکس، پریس وغیرہ کھولنا۔

اوقاف کا قیام — ضروریات اور دائرہ کار

مولانا اقبال احمد قاسمی ☆

اوقاف کا درجہ اسلام میں دیگر عام صدقات سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، وقف، صدقۂ جاریہ کے زمرہ میں آتا ہے جس کی فضیلت کے لئے یہ مشہور روایت کافی ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به أو ولد صالح يدعو له" (ترمذی [illegible])۔

وقف کی صحت کے سلسلہ میں بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ ابواب خیر میں سے کسی باب میں ہو اور اس کا سلسلہ دوامی اور جاری و ساری رہنے کا امکان ہو۔

مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف

غریب مطلقات اور مسکین بیوگان کی کفالت اور اخراجات کے لئے وقف کی صحت و جواز میں تو کوئی شبہ نہیں، کیونکہ ان مصارف پر خرچ کار خیر میں شامل ہے اور اس کے علاوہ ان میں احتیاج اور تابید کی صورت بھی پائی جاتی ہے (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۳۷۰)۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف

دینی تعلیم کے لئے اوقاف تو قدیم بات ہے، الحمد للہ دینی مدارس کے لئے اوقاف کا

☆ مدرسہ مظہر العلوم [illegible]

رواج بھی کسی قدر ہے، لیکن دینی تعلیم اور ملازمت کے لائق بنانے والی تعلیم وصنعت کے لئے اوقاف کی صحت محل تامل ہے۔

دنیاوی تعلیم اگر دینی تعلیم کے ضمن میں ہو یا مسلم اسکول کا قیام علاحدہ شکل میں ہو یعنی ملک بھر میں پھیلے غیر اسلامی طرز کے کالج اور عصری تعلیم گاہوں کے برعکس اس میں دینی اعمال کی بیداری اور عمل کے ساتھ غیروں کی تہذیب سے بچا کر ان کو اعلیٰ عصری تعلیم دی جائے اور اس مقصد کے لئے اوقاف کا قیام ہو تو یقیناً کار خیر کا ایک باب شروع ہوگا اور اعمال بر کے دائرہ میں آکر وقف کی صحت کا سبب ہوگا ورنہ محض کلاسیں پاس کرا کر دین سے دور اور دنیا کے پاس کر دینا کوئی کار خیر کار نامہ نہ ہوگا اور نہ ایسے امور کے لئے وقف کرنا درست ہوگا۔

تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وقف کی عمارت، ہاسٹل وغیرہ سے تو امیر وغریب بھی طلبہ مستفید ہو سکتے ہیں، لیکن اوقاف کی آمدنی اور رقم واشیاء کا مصرف صرف غریب طلباء ہی ہو سکتے ہیں اور غریب طلباء کی ملازمت میں بھی وقف کی آمدنی سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

مریضوں کے لئے اوقاف

غریب مریضوں کے علاج ومعالجہ کا خرچ بھی ضرورت مند اور فقراء پر اخراجات کا ایک جزء ہے لہذا فقراء اور غرباء کی دیگر ضروریات پر وقف کی طرح علاج پر خرچ کے مقصد سے کیا گیا وقف بھی صحیح ہے، ضرورت کے تحت موقع محل کے اعتبار سے ہر نوع کے شفاء خانے، ڈسپنسری سے کلینک اور نرسنگ ہوم تک کے اسپتالوں کا قیام یا محض دواؤں کا نظم یا صرف تشخیص وتجویز کی سہولت کے مراکز کا قیام یہ سب صورتیں جائز اور درست ہیں۔ صراحت ہو یا کم از کم نہ ہو تو غرباء کے علاج کے ساتھ ساتھ امراء کے علاج میں بھی رعایت برتی جا سکتی ہے بشرطیکہ وقف کا اصل محل جو فقراء ہیں ان میں خلل نہ پڑے (شامی کتاب الوقف ۳/۴۹۴ مع شامی ۳/۴۷۵)۔

دیگر مقاصد کے لئے اوقاف

دین کے بہت سے ایسے شعبے ہیں جن کو موجود رکھنا اور ان کی حفاظت وبقا کا نظم اور ان کی ترقی وفروغ پوری امت مسلمہ کا اجتماعی فریضہ کفایہ ہے، مثلاً:

۱۔ مبلغین اسلام ومصنفین امت کے ذریعہ تبلیغ دین، غیروں میں تبلیغ اسلام اور مسلمانوں میں تذکیر کا کام، معروفات کی ترویج اور منکرات پر نکیر۔

۲۔ ہر بستی میں دینی تعلیم کا نظم اور پیش آمدہ مسائل کا شرعی حل بتانے کے لئے کسی مستند عالم کا ہونا کم از کم مسلمانوں کے ایمان، عقائد، نکاح، جنازہ، اذان وغیرہ کا بندوبست رکھنا۔

۳۔ یتیم خانہ کا قیام اور یتیم ونادار بچوں کی دینی ودنیاوی کفالت وتربیت۔

۴۔ نومسلموں کا نظم جو اپنے رشتہ داروں کے ہاتھوں مظلوم ومحروم ہو کر مسلمانوں کے دامن میں بھی پھل پھول نہیں پاتے اور پریشانی کا شکار رہتے ہیں۔

۵۔ عوامی قبرستان کا نظم اور ان کا تحفظ، لاوارث میتوں کی تجہیز وتکفین کا نظم۔

۶۔ اچانک حادثات یا آفات سماوی وارضی میں یا فسادات میں جو بے گھر پریشان حال ہو جاتے ہیں ان کے قیام وطعام اور ریلیف کا نظم۔

۷۔ مسافر خانے، کنواں، پل، سبیلیں بنانا۔

۸۔ نشر واشاعت، لائبریری وغیرہ کا قیام۔

۹۔ محکمہ جات شرعیہ، دار القضاء وغیرہ کا قیام۔

۱۰۔ عید وتقریبات وغیرہ مواقع میں غرباء کے لئے کپڑوں اور ضروریات کی فراہمی۔

اس قسم کی جملہ دینی خدمات جو کہ ابدی ہیں اور اسلامی حکومت نہ ہونے کے باعث تعطل کا شکار رہیں یا ہو سکتی ہیں، کوئی ذریعہ نہ ہونے کی صورت میں اوقاف کی آمدنی سے بھی انجام دی جا سکتی ہیں، ان کار خیر کی انجام دہی کرنے والوں کی تنخواہ بھی دینا ضرورت (قیاس علی اجرت التعلیم) وقف کی آمدنی سے ایسے میں خرچ کا کوئی مضائقہ نہ ہوگا، وقف کا منشاء پورا ہوگا اور عند اللہ اجر کا سبب ہوگا۔

وقف کے سلسلہ میں چند قابل لحاظ مسائل

حاجت وضروریات کے تنوع کے پیش نظر وقف کے مصرف کے تعین میں واقف کو یہ ہدایت کرنی چاہئے کہ وہ وقف کا مصرف از خود قرار دے تو اس میں یا تو توسع سے کام لے یا وقف کے متولی کی صوابدید پر چھوڑ دے تاکہ واقف کی غرض کے خلاف وقف کا مصرف اختیار کرنے کی نوبت لازم نہ آئے (شامی ۳/۵۸۵، عالمگیری ۲/۴۰۰)۔

محکمۂ اوقاف ایک سرکاری محکمہ بھی ہے جو بلا مبالغہ حکومت کے شعبوں میں سب سے خائن شعبہ ہے، اس لئے حتی الامکان اوقاف کو ان کے عمل دخل سے اور ان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے، یوں بھی اوقاف کو شرعاً سرکاری محکمۂ اوقاف کے حوالہ کرنا ضروری نہیں ہے (قاموس ۳/۲۹۷)۔

اوقاف کو مستحکم اور اس کے نظم ونسق کو بہتر بنانے کے لئے ایک تدبیر فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ متولی جو اوقاف میں آمد وخرچ اور تصرفات کا ذمہ دار ہوتا ہے اس پر ایک نگراں کمیٹی بھی مسلط رہے جو صرف نگرانی کا اختیار رکھے گی کہ جائز مصرف کے علاوہ کوئی تصرف نہ ہو سکے (قاموس ۳/۲۹۸)۔

وقف کی آمدنی کے جو مصارف ہیں ان پر خرچ کرنے میں بھی حدود کا لحاظ ضروری ہے مثلاً:

وقف کی آمدنی اوقاف کے استحکام میں لگانا جائز ہے تزئین ونقش ونگار میں نہیں (قاموس [illegible]، عالمگیری [illegible])۔

وقف کے متولی فرد یا کمیٹی کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ وقف کا حساب سالانہ یا حسب مطالبہ واقف یا وقف سے فائدہ اٹھانے والوں یا معتمد و دیانتدار مخلص لوگوں یا قاضی کے سامنے پیش کرتا رہے اور اپنا دامن صاف رکھنے کی کوشش کرے (ردالمحتار ۳/۵۸۵، عالمگیری ۲/۴۰۹)۔

☆☆☆

تجاویز آراء:

مختلف دینی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی ☆

اسلام میں فلاح و بہبود کے کاموں کی ذمہ داری حکومت پر ہے اور وقف کا ادارہ ایک ایسا پرائیویٹ ادارہ ہے جو فلاح و بہبود کے کاموں میں حکومت کی امداد اور اعانت کرتا ہے۔

وقف کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع سے فائدہ پہنچایا جاتا ہے اور یہی بات اس کو سب سے ممتاز کرتی ہے۔ اس لئے ہر وقف صدقہ ہے مگر ہر صدقہ وقف نہیں ہے۔ صدقہ دینے والے کی ملک سے نکل کر جس کو دیا گیا اس کی ملک میں چلا جاتا ہے، لیکن وقف واقف کی ملکیت سے نکل کر مالک حقیقی کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے منافع سے ہمیشہ ہمیشہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔

۱- جہاں تک مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے اوقاف قائم کرنے کا تعلق ہے یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، مطلقہ اور بیوہ عورتیں خاوند کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد بے سہارا ہو جاتی ہیں، اس لئے ایسا وقف ضرور ہونا چاہئے جو ایسی خواتین کو سہارا دے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دے۔

☆ جامعہ دار السلام، مالیر کوٹلہ، پنجاب

۲- تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام بھی نہایت ضروری ہے، ہمارے بچوں کو مناسب تعلیم نہ ملنے سے ان کی صلاحیتیں برباد ہورہی ہیں اور بعض اوقات ایسے بچے اچھی تعلیم وتربیت نہ ملنے کی وجہ سے بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں، اس لئے تعلیمی مقاصد کے لئے اوقاف کا قیام نہایت ضروری ہے۔

۳- مریضوں کے لئے اوقاف قائم کرنا اسلام کی روایت رہی ہے، وہ لوگ جو طبی امداد حاصل کرنے کی سکت نہیں رکھتے، ان کے لئے کم خرچ اور مفت علاج معالجے کی سہولت کا ہونا ایک صحت مند سماج کے لئے ضروری ہے، صرف علاج ہی کے لئے نہیں بلکہ ایسے کیمپ بھی لگائے جائیں جن میں حفظان صحت کے اصولوں اور طریقوں سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے، مریضوں کے اوقاف کے تحت اس طرح کے کیمپوں کا لگنا اور ان کے ذریعہ لوگوں کو صحت کے تحفظ کے طریقوں سے باخبر کرنا نہایت مفید ہوگا۔

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے بھی مستقل وقف ہونا چاہئے، قرآن مجید میں سورۂ توبہ کی آیت مصارف: "وفي سبيل الله" کے جملے میں جہاں مجاہدین شامل ہیں، وہیں دین کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے اور شریعت کے تحفظ کی خدمات انجام دینے والے بھی اس کا مصداق ہیں، اس لئے اگر ایسے اوقاف قائم ہوں گے تو دین کی دعوت کا کام زیادہ منظم اور وسیع پیمانہ پر انجام دیا جاسکے گا۔

البتہ یہ غور کرنا ہوگا کہ حکومت ہند کے وقف ایکٹ کے تحت جو سرکاری اوقاف قائم ہیں اس سے الگ ہو کر اوقاف کے ایک مستقل ادارے کو قانونی تحفظ کیسے حاصل ہوگا۔ حکومت کے قائم کردہ وقف بورڈوں پر لوگوں کو اعتماد نہیں رہا اور اس سے بدگمانیاں عام ہو چکی ہیں لیکن ایک مستقل ادارہ جو عوامی ادارہ ہوگا اس کو قانونی تحفظ اور لوگوں کا اعتماد دونوں حاصل کرنے ہوں گے، اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ امت مسلمہ میں اجتماعی کاموں کو عملی جامہ

سے کرنے کا ابھی وہ سلیقہ پیدا نہیں ہو سکا ہے جو اس طرح کے کاموں کے لئے ضروری ہے۔ خصوصاً مالیات کے معاملے میں احتیاط کا پایا جانا اور اس کے لئے معتمد افراد کا ملنا یہ سب باتیں ہمیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

☆☆☆

۴- تحفظ شریعت اور دعوت دین کے لئے اوقاف

اس امر کی ضرورت ہندوستان جیسے ملک میں بہت شدید ہے اور یہ ”وجوہ قربت“ کے جامع مفہوم میں داخل ہے (شامی ۲/۳۲۲)۔

☆☆☆

نئے اوقاف کے قیام کے لئے پیش بندی کی ضرورت

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

سوالنامہ میں: ۱- مطلقہ اور بیوہ عورتوں کی فلاح وبہبود، ۲- مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ، ۳- مریضوں کی خبر گیری اور ۴- تحفظ شریعت کے مقصد سے اوقاف کے قیام کی جو تجویز پیش کی گئی ہے، اس کے محمود اور مطلوب ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ ملت اور ملت کی اس طرح کی دیگر ضروریات ومقاصد کی بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے، جہاں تک امت کی فلاح وبہبود کے لئے نفس اوقاف کے مسئلہ کا سوال ہے تو اس کی فضیلت اور برتری کے حق میں اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ امت میں اس بابرکت روایت کی ابتداء کا سہرا موفق امت حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے سر ہے، آپ ﷺ کی اجازت سے خیبر میں اپنی ثمغ نامی اراضی کو راہ خدا میں وقف قرار دیا (بخاری [illegible] طبع رشیدیہ دہلی)۔ اس کے سلسلے میں اللہ کے آخری رسول ﷺ کی دوسری احادیث اس کے علاوہ ہیں جن میں اس کار خیر کی غیر معمولی فضیلت اور اہمیت بیان کی گئی ہے، جس کی تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جاسکتی ہے (ایک حوالہ کے لئے دیکھئے: الاسعاف [illegible] برہان الدین ابراہیم [illegible] طبع جدید مکتبہ عاطف (مصر) تصحیح وتعلیق محمد عبد العزیز الوقی)۔

اس کی بنا پر آج بھی بالخصوص بے سہارا خواتین کی بہتری اور ان دیگر مقاصد کے لئے اوقاف کے قیام کی ترغیب مسلم عوام کو دی جاسکتی ہے، جن کی زیر نظر سوالنامہ میں نشاندہی کی گئی

☆ ادارہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ۔

ہے۔ موجودہ حالات میں جبکہ بحمد للہ امت میں ایک طبقے کو خوشحالی اور آسودگی میسر ہے اس کے لئے مزید فضا ہموار کی جاسکتی ہے، شہری آبادی میں مسلمانوں کے پاس بڑی بڑی عمارتیں اور حویلیاں ہیں جن کی ان کو کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور تھوڑے سے عزم وارادے سے وہ انہیں راہ خدا میں وقف کر سکتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں بھی خاص طور پر قدیمی عمارتوں اور حویلیوں کی بڑی تعداد ہے جن کا ان کے مالکوں کے لئے اب کوئی خاص مصرف نہیں رہ گیا ہے، ان کو راہ خدا میں وقف کر کے دین وملت کی بڑی خدمت کی جاسکتی ہے اور اپنے نامہ اعمال کو سرسبز وشاداب کیا جاسکتا ہے، شہر اور دیہات دونوں جگہ دوکانوں اور زراعت اور کاشت کی زمینوں کو بھی اسی طرح مختلف مقاصد کے تحت راہ خدا میں وقف کیا جاسکتا ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے موجودہ نازک اور پیچیدہ حالات کے پس منظر میں بلاشبہ علماء وعمائدین امت ان کو اس کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں اور ان کی اس پکار پر مسلم عوام وخواص کو لازماً توجہ دینی چاہئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے مسئلہ کی طرف بھی امت کو متوجہ کرنا چاہئے اور وہ ہے امت کے اندر تنظیم کی قوت کا پیدا کیا جانا جس کے نتیجے میں کاموں کو مل جل کر دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ لگاتار اور مسلسل باہمی مشاورت اور اعتماد کی فضا میں انجام دیا جاسکے۔ اس صلاحیت کے لحاظ سے امت اسلامیہ ہندیہ کا حال بالکل کھوکھلا ہے اور اس کے تمام ادارے، فورم اور تنظیمیں اکثر وبیشتر دکھاوے کی اور حقیقی قوت سے محروم ہیں، ورنہ دیانتداری، شورائیت اور تنظیم کی صلاحیت اگر ہندوستانی مسلمانوں کے اندر موجود ہو تو جیسا کہ کہا جاتا ہے آج صرف پنجاب اور ہریانہ کے مسلمانوں کے قدیمی اوقاف سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسی کئی ایک یونیورسٹیاں چلائی جاسکتی ہیں۔ لیکن بہر حال امت کی ضرورتیں بہت پھیلی ہوئی ہیں اور ان اوقاف کے باوجود مسلمانوں کے لئے نئے اوقاف کی ضرورت کسی طرح کم نہیں ہوتی ہے، البتہ نئے اوقاف کے قیام کے ساتھ ان کے موثر انتظام کی بھی اول دن سے اسی طرح فکر کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ پرانے اوقاف کے مانند ہمارے یہ نئے اوقاف بھی ہماری روایتی بدنظمی اور نا اہلی کی نذر ہو جائیں اور ان

کی بدحالی کی شکایت کے ساتھ ان کے متولیین و مجوزین کی طرف بھی تنقید واعتراض کی انگلیاں اٹھتی ہیں۔ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے نئے اوقاف کے قیام کی ترغیب اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پلیٹ فارم سے دی جا سکتی ہے۔

☆☆☆

اوقاف کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے جامع منصوبہ بندی کی ضرورت

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

فقہ اکیڈمی کے ارکان تاسیسی کی فکر اور اس کے لئے ممکنہ حل قابل مبارکباد ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ متولیان اوقاف اپنا حق ادا نہیں کرتے، آج جو ہمارے قدیم بزرگوں کے اوقاف ہیں اگر انہیں کی ٹھیک دیکھ بھال کی جائے اور موجودہ شرح کرایہ ان کی مقرر کی جائے اور جو شکستہ ہوگئے ہیں ان کی تعمیر جدید کی جائے تو آپ کے مذکورہ مدات کے لئے بہت کچھ ضرورت ان سے پوری ہو سکتی ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ضلع وار اوقاف کمیٹیاں بنائی جائیں جن میں علماء حق شامل ہوں اور وہ قدیم اوقاف کا سروے کریں، جن اوقاف کے متولیان غبن کر رہے ہیں یا حق تولیت ادا نہیں کر رہے ہیں ان کی تولیت توڑ دی جائے اور ہر مکتبہ فکر کے علماء حق کی ایک کمیٹی بنا کر کار تولیت ان کے سپرد کیا جائے، وہ ذرائع آمدنی بھی بڑھائے اور اس کو اس کے مصارف پر خرچ کرے، مزید اہل اسلام کو اس میں تعاون کے لئے سرگرم کرے، چاہے بذریعہ وقف ہو یا وقتی امداد ہو۔ اس میں جو مصارف زکاۃ کے تحت آتے ہیں، ان کے لئے زکاۃ بھی وصول کی جائے، جب علماء حق اور بااثر دین دار، دین پسند مسلمانوں کی کمیٹیاں بنیں گی اور صحیح خدمت مسلمانوں کی انجام دیں گی تو اوقاف بھی بڑھیں گے اور موجودہ اوقاف میں سدھار بھی آئے گا، مسلمان قوم آج ہمارے دینی و دنیاوی رہنماؤں سے بدگمان ہو چکی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان میں اپنا اعتماد

☆ انگوری باغ، رامپور۔

بحال کیا جائے تو اس جیسے کام خود بخود پورے ہونے لگیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ علما، صوفیا، اور رہنمایان قوم خدمت کے محاذ پر پورے نہیں اترتے، اگر فقہ اکیڈمی یہ کام انجام دے سکتی ہے تو اس میں ضرور پیش قدمی کرنا چاہئے ورنہ قوم کے سرمائے کو ضائع کرنے اور اپنے اوپر ایک اور داغ لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، ماشاء اللہ آپ حضرات کو مجھ سے اس معاملہ میں کہیں زیادہ تجربہ ہے اور اوقاف کی حالت سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ آپ نے جو چار مدات قائم کی ہیں ضروری ہیں لیکن سوچ سمجھ کر اور غور وفکر کے بعد قدم اٹھانا چاہئے۔

☆☆☆

نئے اوقاف کے قیام سے متعلق تجاویز پر غور

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری☆

ملی ضروریات کی تکمیل کے لئے اوقاف کے قیام کی ترغیب بظاہر بہت اچھی تجویز ہے اور دیانت دارانہ طور پر اس پر عمل ہو جائے اور مستحقین تک اوقاف کی آمدنی پہنچانے کا انتظام ہو تو بلاشبہ اس ذریعہ سے بڑے بڑے کام انجام پاسکتے ہیں، لیکن عملی اور تجرباتی زندگی میں ہمارے ملک میں آج ایسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ حصول آمدنی کے لئے اوقاف کی ترغیب دینا محض بے فائدہ بلکہ مضر معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حکومت اسلامی کے مفقود ہونے کی وجہ سے ۹۰ رفیصدی سے زیادہ اوقاف خود مسلمانوں کی طرف سے دست درازی کا شکار ہیں اور واضح طور پر نہایت بے دردی سے ان کا استحصال کیا جارہا ہے۔ مثلاً:

۱- اوقاف کے متولی حضرات وقف کی جائدادوں میں مالکانہ تصرف کرتے ہیں اور ان کی آمدنی اصل مصارف میں خرچ نہیں کرتے ہیں۔

۲- بعض مرتبہ متولیان کی خیانت اس درجہ تک پہنچتی ہے کہ وہ وقف بورڈ کے بددیانت افسران سے مل کر وقف جائداد کو فروخت کردیتے ہیں۔

۳- وقف کی جگہ پر جو قابض ہوتا ہے وہ آسانی سے خالی نہیں کرتا اور وقف کے کرایہ دار نسلاً بعد نسل قابض رہنے کی وجہ سے مقبوضہ دوکان یا جائداد پر مالکانہ تصرف کرتے رہتے ہیں۔

☆ دارالافتاء، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد۔

۴-عموماً کرایہ داروں اور اوقاف کے متولیوں میں مقدمہ بازی شروع ہو جاتی ہے جو دسیوں سال میں بھی نمٹنے میں نہیں آتی اور ادارہ کا بڑا سرمایہ اس میں ضائع ہوتا رہتا ہے، دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی جیسے بڑے اداروں کے اوقاف کے شعبوں کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر قابض کرایہ داروں سے مقدمہ بازی چل رہی ہے اور اس شعبہ کی آمدنی بہت محدود ہے جبکہ خطرات اور تحفظ اوقاف کے لئے محنتیں کہیں زیادہ ہیں۔

۵-مذکورہ باتوں سے قطع نظر یہ بھی ایک الیہ ہے کہ جس ملی ادارہ کے ساتھ وقف وغیرہ کی شکل میں آمدنی کے متعین ذرائع جتنے زیادہ پائے جاتے ہیں اسی اعتبار سے اس میں اقتدار کے لئے رسہ کشی بھی تیز ہو جاتی ہے اور طالع آزما قسم کے لوگ ان اداروں پر قابض ہو کر من مانی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

ان سب خرابیوں کی اصل بنیاد یہ ہے کہ یہاں کوئی ایسا طاقتور ادارہ اور حکومت موجود نہیں جو وقف کا صحیح معنی میں تحفظ کرے، انہیں خائن منتظمین اور متولیان سے بچائے اور اوقاف کو خرد برد ہونے سے محفوظ رکھے، جب تک اس کا انتظام نہ ہو یہاں اوقاف کی ترغیب کیسے دی جاسکتی ہے؟ اگر بالفرض کسی ادارے میں وقتی طور پر اس میں کوئی فائدہ بھی نظر آتا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ بھی یہ نفع برقرار رہے گا لہذا اوقاف کی ترغیب سے متعلق تجویز لانے سے پہلے اس راہ کی مشکلات کا سدباب کرنے کا انتظام کر لینا چاہئے، اس کے بعد ہی ترغیبی پہلو اپنانا چاہئے۔

مسلم اوقاف کا اسلامی حکومت سے بڑا گہرا جوڑ ہے، فقہ اسلامی کا ایک مستقل باب وقف اور اس کے تحفظ کے متعلق ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو اس موضوع پر مبسوط کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں لیکن تقریباً تمام وقف کے مسائل کی تان حاکم کے اختیارات پر آ کر ٹوٹتی ہے، شریعت میں بااختیار مسلم حکومت کو اوقاف کے تحفظ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اوقاف کے رجسٹریشن سے لے کر اس کو کرایہ پر اٹھانے، اوقاف کے متولیان کی نگرانی کرنے، اور خیانت پر گرفت کرنے اور

کوتاہی کرنے والوں سے باز پرس کرنے تک کی ساری ذمہ داری با اختیار مسلم حاکم کی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر حاکم شرعی اس معاملہ میں دخیل نہ ہو تو اوقاف کا ہرگز تحفظ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں چونکہ تحفظ اوقاف کا ابھی تک صحیح انتظام نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو ملی ضرورت کی تکمیل کے لئے اوقاف قائم کرنے کا مشورہ دینا دراصل ان کی جائدادوں کے ضیاع کا دروازہ کھولنا ہے، اس لئے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ تجویز انجام کے اعتبار سے بہتر معلوم نہیں ہوتی، ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اوقاف موجود ہیں پہلے ان کو کارآمد بنانے کی کوشش کی جائے اور جس طرح پنجاب وقف بورڈ ایک نظم کے ساتھ اوقاف کی آمدنی کے ذرائع پیدا کر رہا ہے اور وہ آمدنی ملی اداروں اور ائمہ وغیرہ کی تنخواہوں میں صرف بھی ہو رہی ہے، دیگر صوبوں کا نظام بھی اسی طرح بنانے کی کوشش کی جائے، یہ ملت کی بڑی خدمت ہوگی۔ انشاء اللہ۔

☆☆☆

نئے اوقاف کا منصوبہ دیہات تک وسیع ہو

مفتی نعمت اللہ قاسمی ☆

اس سلسلے میں میری تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

- سب سے پہلی تجویز تو اسی تعلق سے یہ ہے کہ اس منصوبہ کو گاؤں دیہات تک پھیلایا جائے۔

- دوسری تجویز یہ ہے کہ اوقاف کا قیام ہر گاؤں میں ہو یا زیادہ سے زیادہ دو چار گاؤں کا حلقہ بنا کر اس میں اوقاف کا قیام کیا جائے جو ان گاؤں یا اس حلقے کے لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی ہو، چھوٹے شہر کو ایک حلقہ تسلیم کیا جائے، بڑے شہروں میں کئی حلقے بنائے جا سکتے ہیں اور ہر حلقہ میں اوقاف کا قیام ہو۔

- تیسری تجویز یہ ہے کہ ہر دو چار اوقاف پر ایک منتظم مقرر ہو جو ان اوقاف کی حفاظت اور نگرانی کرے۔

- چوتھی تجویز یہ ہے کہ ہر حلقہ میں امداد کی درخواست پر غور کرنے کے لئے پانچ نفری کمیٹی بنادی جائے جو ہر ہفتہ امداد کی درخواست پر غور کر کے اپنے [illegible] فیصلہ کرے۔

- پانچویں تجویز یہ ہے کہ تمام ذیلی مراکز (اوقاف) کو منظم اور مربوط رکھنے کے لئے ایک مرکزی وقف بورڈ قائم ہو جس کی حیثیت تنظیم اعلیٰ کی ہو۔

☆☆☆

☆ جامعہ اسلامیہ [illegible]

مچھلی کی خرید وفروخت

فقہ اسلامی کی روشنی میں

[مچھلی کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں علماء ہند کا فیصلہ، نیز تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ، جو نویں فقہی سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور، مورخہ ۱۱ر تا ۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۶ء میں پیش کئے گئے]

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

(کراچی پاکستان)

نام کتاب : بجلی کی خرید و فروخت - فقہ اسلامی کی روشنی میں

صفحات : ۴۰۰

قیمت :

سن طباعت : مارچ ۲۰۰۸ء

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

کراچی پاکستان

فہرست مضامین

تیسرا باب : مختصر جوابات

چوتھا باب : اقتباسات

☆☆☆

پیش لفظ

شریعت اسلامی کا ایک امتیازی پہلو اس کی ہمہ گیریت اور جامعیت ہے، اس نے جس طرح عقیدہ وعبادت اور اخلاق کے میدان میں انسانیت کی رہنمائی کی ہے اسی طرح وہ معاشرت اور معاملات کے باب میں بھی ہماری رہنمائی کرتی ہے، اور ان شعبوں میں خاص طور پر شرعی احکام کی بنیاد سماجی اور معاشی مصالح، مفادات اور تمام لوگوں کے ساتھ عدل وانصاف پر ہے، معاملات کا ایک اہم حصہ اشیاء کی خرید وفروخت سے متعلق ہے، ہر انسان کے پاس اس کی تمام ضروریات مہیا نہیں، بہت سی ضروریات کے لئے ہمیں ایک دوسرے پر انحصار کرنا پڑتا ہے، اس طرح تاجر اور گاہک دونوں ایک دوسرے کی ضرورت پوری کرتے ہیں، تاجر خریدار کو اس کی مطلوبہ اشیاء فراہم کرتا ہے اور خریدار کے ذریعہ خود اس کو نفع حاصل ہوتا ہے۔

اسی لئے معاملات کا سب سے اہم عنوان ''خرید وفروخت'' ہے، بازار کی رونق اور انسانی زندگی میں سہولتوں کی فراوانی اسی کی رہین منت ہے، اسی لئے معاملات کے دوسرے شعبوں کے مقابلہ، خرید وفروخت کے احکام، قرآن وحدیث میں زیادہ تفصیل سے ملتا ہے اور فقہاء نے بھی ان کو اپنے فکر ونظر کا خاص مرکز بنایا ہے، خرید وفروخت کے سلسلہ میں ایک اصولی بات یہ بھی پیش نظر رکھی گئی ہے کہ کوئی فریق دھوکہ نہیں کھائے، جو چیز موجود ہی نہ ہو، جو شئی ابھی ملکیت ہی میں نہ آئی ہو اور جس پر انسان نے ابھی قبضہ نہ کیا ہو، اگر انسان اس کو دوسروں کے ہاتھ بیچے، تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ اس شئی کے حوالہ کرنے کا وعدہ پورا نہیں کر پائے اور خریدار دھوکہ سے دوچار ہو۔

اسی لئے بیع کے اصولوں میں سے یہ ہے کہ جو چیز بیچی جارہی ہو، وہ معاملہ طے پاتے وقت موجود ہو، معدوم نہ ہو، نیز اسے اس پر ملکیت اور قبضہ بھی حاصل ہو، البتہ فقہاء نے بعض مخصوص صورتوں کو لوگوں کی ضرورت اور تعامل کو دیکھتے ہوئے اس اصول سے مستثنیٰ رکھا ہے، جیسے سلم اور استصناع، گویا فی الجملہ لوگوں کی ضرورتیں اور رواجات کو بھی اس اصول کے منطبق ہونے اور نہ ہونے میں دخل ہے۔

اسی پس منظر میں مچھلی کی خرید وفروخت کا مسئلہ فقہاء کے یہاں زیر بحث رہا ہے، جو مچھلی انسان کے قبضہ میں نہ ہو، بلکہ تالاب میں ہو، وہ کب انسان کی مملوکہ سمجھی جائے گی، کب ان پر قبضہ کا تحقق متصور ہوگا، اور کس صورت میں اس کی خرید وفروخت درست ہوگی، یہ اہم مسائل ہیں، موجودہ دور میں مچھلی کی افزائش پہلے سے زیادہ ترقی یافتہ صورت میں ہورہی ہے، بڑے بڑے تالاب یہاں تک کہ سمندر کے حصے میں فروخت کئے جاتے ہیں، مچھلی کو پکڑنے کے جال بھی بمقابلہ پہلے کے اب زیادہ وسیع بنے گئے ہیں اور مچھلیوں کو گرفت میں لانے کے لئے، ان جالوں سے منسلک مشینیں بھی کام کرتی ہیں، غرض کہ مچھلیوں کی افزائش اور ان کو اپنے قبضہ میں لینے کی نئی، آسان اور ترقی یافتہ صورتیں وجود میں آگئی ہیں، ان حالات میں مچھلیوں کی خرید وفروخت یا تالاب کرایہ پر لینے کے احکام کیا ہوں گے؟ یہ اہم سوالات ہیں اور صرف فرضی مسائل نہیں ہیں۔

اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ، جے پور، بتاریخ ۱۱ تا ۱۴ را اکتوبر ۱۹۹۶ء میں اس مسئلہ کو غور وفکر کا موضوع بنایا تھا اس موقع پر جو مقالات اور مختصر جوابات اکیڈمی تک پہنچے، یہ مجموعہ انہیں پر مشتمل ہے، جو چار ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں موضوع سے متعلق سوالنامہ ہے، سمینار میں طے پانے والی تجاویز ہیں، مقالات کی تلخیص ہے اور موضوع سے متعلق عرض مسئلہ ہے گویا یہی باب پورے مجموعہ کا نچوڑ ہے اور جو تجاویز طے پائی ہیں وہی اکیڈمی کے نقطۂ نظر کو واضح کرتی ہیں، دوسرے باب میں موضوع سے

متعلق تفصیلی مقالات ہیں، تیسرا باب بعض اکابر اہل علم اور دیگر علماء کی طرف سے آنے والے تفصیلی جوابات پر مشتمل ہے، چوتھے باب میں مختلف مدارس میں زیر تربیت شعبۂ افتاء اور تخصص فی الفقہ طلبہ کے جوابات ہیں، جو بطور تربیت کے لکھائے جاتے ہیں، اسی باب میں اس موضوع پر ہونے والے مباحثات ومناقشات بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعہ پہلی بار شائع ہو رہا ہے، اس کی ترتیب یا ایڈیٹنگ، پروف ریڈنگ وغیرہ کی خدمت اکیڈمی کے شعبۂ علمی کے رفیق مفتی احمد نادر القاسمی نے بہتر طریقہ پر انجام دی ہے، جزاہ اللہ خیر الجزاء، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیڈمی کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور جدید دور میں پیدا ہونے والے احکام ومسائل کے حل کے سلسلہ میں جو کاوشیں یہاں سے انجام پا رہی ہیں، ان میں دوام واستمرار باقی رہے، وللہ الحمد أولاً وآخراً۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۱۵ر ذی قعدہ ۱۴۲۸ھ

۲۶ر۱۱ر۲۰۰۷ء

پہلا باب

تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت

رسول اللہ ﷺ نے پانی میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، فی زمانہ مچھلیوں کے کاروبار کی بعض ایسی صورتیں مروج ہوگئی ہیں جن کے اس زمرہ میں شامل ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور طے پائے:

۱- ندی، نالے، نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں بلکہ سرکار ان کو اشخاص یا کوآپریٹو سوسائٹی یا گرام پنچایت کو مخصوص مدت کے لئے بندوبست کر دیتی ہے، یہ مچھلی کے حق شکار پر ہوتا ہے، اس لئے یہ معاملہ عقد اجارہ کی صورت ہے اور جائز ہے۔ لیکن سرکار کے لئے مناسب ہے کہ ایسے تالاب کا بندوبست نہ کرے جس سے عام لوگوں کو ضرر پہنچ سکتا ہو۔

۲- پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کر دینا جائز نہیں ہوگا۔ اگر بائع تالاب کی ان مچھلیوں کا مالک ہو تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر بائع حسب حکم شرع ان مچھلیوں کا مالک بھی نہیں اور ان کو پانی سے نکالے بغیر فروخت کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہوگی، البتہ اگر حوض چھوٹا ہو اور وہ مچھلیاں آسانی کے ساتھ نکال کر خریدار کو حوالے کی جا سکتی ہوں تو ایسی صورت میں پانی میں رہتے ہوئے مچھلی فروخت کی جا سکتی ہے۔

۳- مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

(الف) تالاب میں مچھلیاں قدرتی طور پر آگئی ہوں اور تالاب کے مالک نے ان مچھلیوں کو

روکنے کی تدبیر کی ہو۔

(ب) مچھلیوں کی غرض سے تالاب بنوایا گیا ہو۔

(ج) کسی شخص نے تالاب میں مچھلی کی افزائش کے لئے مچھلی کے ذریے ڈالے ہوں۔

نوٹ: مولانا شاہین جمالی صاحب (مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ) کے نزدیک موجودہ وسائل ماہی گیری، تحفظ اور حاجت انسانی کی رعایت کے نقطۂ نظر سے ملحوظ کہ مچھلیاں پانی کے اندر ہوں اور تالاب ایسا ہو کہ جال اس کا احاطہ کر لے، تب ان کو پانی کے اندر بھی فروخت کرنا جائز ہے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت

آج کل جو مچھلیاں منڈی میں فروخت کی جاتی ہیں ان کا ایک بڑا حصہ ان ندیوں اور نالوں سے آتا ہے جنکے مختلف رقبے حکومت کی طرف سے مختلف افراد کو ٹھیکے پر دے دئے جاتے ہیں، اور بہت سی مچھلیاں وہ ہوتی ہیں جن کی گڑھوں اور تالابوں میں افزائش کی جاتی ہے، یہ گڑھے اور تالاب کبھی شخصی ملکیت ہوتے ہیں اور کبھی عوامی ملکیت ہوتے ہیں، جنہیں مختلف جگہوں پر خاص مدت کے لئے ٹھیکے پر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں آپ ان سوالات کا تشفی بخش جواب کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تحریر فرمائیں گے۔

۱- عام طور پر آج یہ متعارف ہے کہ ندی نالے اور نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں، بلکہ سرکاری ہیں، ان کو حکومت کسی خاص شخص، کوآپریٹیو سوسائٹی، یا مقامی پنچایتوں کے ہاتھ متعین مدت کے لئے بندوبست کر دیتی ہے، اور یہ لوگ سرکار کو معاوضہ دے کر اس خاص حصے سے حاصل ہونے والی مچھلی نکال لیتے ہیں اور خود استعمال کرتے ہیں یا اس کو فروخت کر دیتے ہیں، یہ مچھلی ضروری نہیں کہ اس ندی نالے یا تالاب میں پرورش کی گئی ہو، سیلاب کی آمد ورفت کے ساتھ یہ مچھلیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں، اسی طرح ہاٹ بازار کا بھی سرکار نیلام کرتی ہے، سڑکوں کے کنارے سرکار کی طرف سے لگائے گئے درخت یا سرکاری زمین میں پیدا ہونے والے خودرو درختوں کے پھلوں کا نیلام کئے جاتے ہیں، اس طرح کے معاملات عرف میں عام ہیں، لیکن خاص کر سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر ان مچھلیوں کے

نکالے ہوئے شریح کے عام اور معروف اصولوں کے مطابق بیع کے مجہول ہونے یا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ممنوع ہونا چاہئے، موجودہ عرف کو دیکھتے ہوئے آج کے حالات میں اس مسئلہ پر کیا فتویٰ دیا جانا چاہئے۔

۲- اگر مذکورہ بالا صورت معاملہ شرعاً ناجائز ہو تو ٹھیکیدار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان شخص کا (پوری صورت حال جانتے ہوئے) ایسی مچھلی کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

۳- جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے اگر وہ شخص اس میں باقاعدہ مچھلی پال کر اس حوض یا تالاب کی تمام مچھلیاں شکار کرنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، تاکہ وہ دوسرا شخص ایک خاص مدت میں اس حوض یا تالاب کی تمام مچھلیاں نکال کر فروخت کرے تو شرعاً اس صورت معاملہ کا کیا حکم ہے؟ تالاب یا حوض کی مچھلیوں کو شکار کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۴- کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو، یا عوامی ملکیت کا اس میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آگئی ہیں انہیں کسی کے ہاتھ فروخت کرنا یا اس حوض یا تالاب کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ دینا اس طور پر کہ اس مدت میں ٹھیکہ لینے والے ہی کو اختیار ہو کہ وہ اس تالاب کی مچھلیاں شکار کرکے فائدہ اٹھائے، یہ صورت معاملہ شریعت کی نگاہ میں کیا حکم رکھتی ہے؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت

۱- ندی نالے اور نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں، بلکہ سرکاری ہوں اور ان میں سیلاب کی آمد ورفت کے ساتھ مچھلیاں آتی جاتی رہتی ہوں، حکومت انہیں کسی خاص شخص، سوسائٹی یا پنچایتوں کے ہاتھ متعین مدت کے لئے اسطور پر بندوبست کردے کہ وہ سرکار کو معاوضہ دے کر اس خاص حصہ سے حاصل ہونے والی مچھلیاں نکال کر خود استعمال کریں یا فروخت کریں، اس صورت مسئلہ کے تعلق سے مقالہ نگار علماء کرام آراء میں مختلف جہتوں سے اختلاف ہوا ہے۔

بنیادی طور پر یہ آراء جواز اور عدم جواز دو قسم کی ہیں۔ ذیل میں دونوں نقطہائے نظر اور ان کے دلائل و بنیاد بیان کی جارہی ہیں:

عدم جواز:

اس رائے کے اپنانے والے علمائے کرام نے ایسی بیع وشراء کے عدم جواز کی علاحدہ علاحدہ وجوہات ذکر کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف حدیث ہے جس میں صراحتاً پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: "لا تشتروا السمک فی الماء، فإنه غرر" مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے اور موقوفاً بھی اور موقوف کے رواۃ کو بخاری کے رواۃ قرار دیا ہے، مولانا

موصوف نے مسند مرفوع کے رد وقف پر کلام کرتے ہوئے مرفوع روایت کو بھی حسن کے درجہ کی مقبول حدیث قرار دیا ہے، اس حدیث کی رو سے پانی میں مچھلی کی خرید و فروخت صریحاً ممنوع ہے اور علت ممانعت غرر ہے۔

متعدد حضرات نے ائمہ اربعہ اور دیگر فقہاء کی آراء کا جائزہ لیتے ہوئے واضح کیا ہے کہ اس باب میں مچھلی کی خرید و فروخت کی ممانعت پر قریب قریب اتفاق ہے، اور ابن قدامہ حنبلی کے بقول اس میں کوئی اختلاف رائے نظر نہیں آتا "لا نعلم لهم مخالفا"۔

بعض حضرات نے حضرت عمر بن عبد العزیز، ابن ابی لیلیٰ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک جواز کی رائے بھی ذکر فرمائی ہے۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک کسی سامان کی فروختگی کی صحت کے لئے درکار شرائط میں فروخت کئے جانے والے سامان پر فروخت کنندہ کی ملکیت، سامان کو حوالے کرنے کی قدرت اور تنازعات کا سبب بننے والی جہالت سے دوری بھی شامل ہیں، زیر بحث مسئلہ میں متعدد حضرات کے نزدیک علاحدہ علاحدہ طور پر یہ شرائط بھی مفقود ہیں۔

یہ وہ مجموعی بنیادیں ہیں جو مختلف مقالات میں علاحدہ علاحدہ ذکر ہوئی ہیں اور ان وجوہات سے صورت مسئولہ میں عدم جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ بعض دوسری بنیادیں بھی چند مقالات میں بیان ہوئی ہیں۔

سرکاری ندی نالے وغیرہ کی مچھلیاں کسی کی ملک نہیں ہیں، عدم جواز کی علت غیر مملوک ہونا ہے، لہذا اگر جہالت مرتفع ہو جائے اور مقدور التسلیم ہو جائے تو بھی اس کی بیع درست نہیں ہے (مولانا زید صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب وغیرہ)۔

سرکار کا بالعوض بندوبست کرنا فعل عبث اور لاحاصل ہے، سرکار کا عوض لینا ظلم اور ٹھیکیدار کا عوض دینا اپنے مال کا نقصان و ضیاع ہے۔ مچھلیاں مباح الاصل ہیں اور مباح الاصل ہی رہیں گی (مولانا زبیر قاسمی صاحب)۔

اس کے علاوہ ۲۸ مقالہ نگار حضرات عدم جواز کے قائل ہیں۔

جواز:

دوسری رائے جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین علمائے کرام نے علاحدہ علاحدہ مختلف بنیادیں ذکر فرمائی ہیں، جو مجموعی طور پر درج ذیل ہیں:

☆ حدیث شریف میں علت ممانعت "غرر" کو قرار دیا گیا ہے، فقہائے کرام کی مختلف تعریفات سے غرر کی حقیقت علامہ کاسانی کے الفاظ میں ایسا اندیشہ جس میں وجود و عدم کے دونوں پہلو برابر ہوں " هو الخطر الذی استوی فیه طرف الوجود و العدم" قرافی مالکی کے الفاظ ہیں: "هو الذی لا یدری هل یحصل أم لا " اور نووی شافعی کی زبان میں: "ما انطوى عنه أمره وخفي عليه عاقبته" قرار پاتی ہے، پھر غرر کی دو قسمیں، یسیر اور کثیر ہیں، اس کے تعین کا مدار عرف و رواج پر ہے، علامہ بہوتی کے الفاظ ہیں:

"إذا غبن في البيع يخرج عن العادة، لأنه لم يرد الشرع بتحديده فرجع فيه إلى العرف" معمولی اور ادنی درجہ کے غرر کے قابل انگیز ہونے پر علامہ طیبی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے، "وأجمعوا على جواز حقير" ابن رشد مالکی لکھتے ہیں: "وبالجملة فالفقهاء متفقون على أن الغرر الكثير في المبيعات لا يجوز وأن القليل يجوز، لأن الغرر اليسير الذي لا تنفك البيوع منه مستخف و مستجاز" فقہی احکام میں غرر یسیر کی بناء پر جواز کی بے شمار مثالیں ہیں۔

اس دور میں موجود دریافتوں اور اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کے تجربات کی روشنی میں پانی کے مخصوص حصوں میں مچھلیوں کی پیداوار کے تقریباً صحیح تخمینہ کے پیش نظر اب اس میں غرر نہیں رہ گیا ہے، یا بالکل معمولی درجہ کا غرر ہے، جو تجارت میں قابل انگیز ہے۔

☆ ایسی تجارت کا اب عرف عام عموم بلوی اور تعامل ناس ہو گیا ہے، تعامل ناس کی

بنیاد پر بہت سے مسائل میں جواز کی مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں، امام سرخسی لکھتے ہیں "وتعامل الناس من غير نكير أصل من الأصول كبير"۔

عقد کے لئے مفسد صرف ایسی جہالت ہے جو باعث نزاع ہو اگر کوئی جہالت نزاع باقی نہ رہے تو عقد کے جواز پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، "وما كل جهالة تفسد البيع، فإن كثيراً من الأمور يترك جهلاً في البيع، واشتراط الاستقصاء حرج، ولكن المفسد هو المفضي إلى المنازعه" (حجۃ اللہ البالغہ)، مچھلی کی مذکورہ تجارت اب باعث نزاع نہیں رہ گئی ہے، ٹھیکہ کا معاملہ خوشی خوشی انجام پاتا ہے۔

☆ ایسی تجارت اس وقت اس قدر عام ہوگئی ہے کہ اس سے لوگوں کو روکنے میں انتہائی مشقت، حرج اور ضرر ہے، لاکھوں مسلمانوں کے اس ذریعہ معاش سے جڑے ہونے کی وجہ سے حاجت کا درجہ اختیار کرلیا ہے، لہذا ازالہ مشقت اور دفع ضرر وحرج کے قواعد عامہ کی بنیاد پر اس کے جواز کا فتویٰ دیا جانا چاہئے۔

☆ جواز عقد کے لئے بیع کا حقیقۃ مقدور التسلیم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ حکماً مقدور التسلیم ہونا ہی کافی ہے، اس لئے مجلس عقد میں مبیع کو حاضر کرنا بیع کے شرائط جواز میں سے نہیں ہے، علامہ شامی نے بھی اس نقطہ نظر کو ترجیح دی ہے، موجودہ دور میں ماہی گیری کے ترقی یافتہ وسائل وذرائع بڑے بڑے جالوں کے پھیلاؤ اور دواؤں کے ذریعہ مچھلی کے شکار کی سہولت کی بنا پر حکماً "مقدور التسلیم" ہے۔

☆ جواز یہ نقطہ نظر بالکل اصل نہیں ہے۔ قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں: "رخص في بيع السمك في الآجام اقوام"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی جواز کی رائے منقول ہے، اصحاب ظواہر بھی جواز ہی کے قائل ہیں۔

جواز کی رائے اختیار کرنے والے درج ذیل علماء کرام کے نزدیک جواز کی یہ مشترک

وجوہات اور بنیادیں ہیں:

مولانا مفتی شاہین جمالی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا مجاہد الاسلام، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا محمد ارشد، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا قمر الزماں، مولانا محمد ایوب سنبھلی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا ابرار خان قاسمی، مولانا شمس پیرزادہ کا خیال ہے کہ یہ درحقیقت بیع وشراء کا معاملہ نہیں ہے، عوامی ملکیت سے استفادہ کا جو حق حکومت کسی شخص یا سوسائٹی کو دیتی ہے اس کے بالمقابل انتظامی امور کے مصارف اور مفاد عامہ کے لئے بطور عطیہ ایک معاوضہ وصول کرتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب اور حکیم ظل الرحمن صاحب کی رائے میں یہ صرف حق شکار ہے، جو ایک خاص مدت اور پیمائش کے لئے ہوتا ہے، لہذا اسے حق شکار کے طور پر بیچنے یا خریدنے کی گنجائش ہے۔

درج ذیل حضرات نے اس خیال کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ اس بیع کو اجارہ تصور کیا جائے اور زمین کو اجارہ پر حاصل کرکے اس سے مچھلی نکالی جائے (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا نسیم احمد قاسمی)۔

۲- ٹھیکے دار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان شخص کا پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلی کو خریدنا تقریباً تمام مقالہ نگار علمائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

جن علمائے کرام کے نزدیک سوال نمبر (۱) جائز ہے، یہ سوال ان کے نزدیک زیر بحث آتا ہی نہیں۔ لیکن جن علمائے گرامی قدر نے پہلے سوال میں عدم جواز کی رائے اختیار کی ہے، ان کے نزدیک بھی چونکہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں جو بھی ان کو پکڑ لے گا وہ ان کا مالک ہو جائے گا،

لہذا ٹھیکیدار اگر مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو مملوک اور مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے فروخت کرنا جائز ہے اور دوسرے مسلمان کے لئے خریدنا بھی درست

چند استثنائی آراء درج ذیل ہیں:

مولانا ابراہیم بڑودوی کے نزدیک اس طرح بیچنا یا مسلمان شخص کا خریدنا ناجائز، مولانا حامد کمال صاحب اور مولانا اختر عادل صاحب کی رائے میں کسی مسلمان شخص کا خریدنا مکروہ تحریمی ہے۔

مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کی رائے میں بیع ثانی کی مسلمان کے لئے گنجائش ہے۔

۳۔ ذاتی ملکیت کے حوض یا تالاب میں پالی گئی مچھلیاں شکار کرنے سے پہلے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دینا کہ وہ ایک خاص مدت میں مچھلیاں نکال کر فروخت کرے تقریباً ان تمام حضرات کے نزدیک جائز ہے جنہوں نے پہلے سوال کی بابت جواز کی رائے دی ہے، (باستثناء مولانا عزیز قمر قاسمی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا اقبال قاسمی اور مولانا محمد ارشد قاسمی)۔

بقیہ تمام حضرات کے نزدیک شکار کرنے سے قبل ان مچھلیوں کی فروختگی درست نہیں ہے، اگر حوض یا تالاب اتنا چھوٹا ہو کہ بغیر کسی حیلے کے مچھلیاں بآسانی پکڑی جاسکتی ہوں تو شکار سے قبل فروختگی جائز ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا اسماعیل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا قمر عالم سہیلی کی رائے میں تالاب کو ایک مقررہ مدت کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہے۔

مولانا شکیل احمد سیتاپوری صاحب کی رائے میں ٹھیکہ پر دینے کے بجائے تالاب کے مالک اور مچھلیاں نکال کر فروخت کرنے والے شرعی اصول کے مطابق ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں یا مالکان خود مچھلیاں نکلوا کر فروخت کریں تو حرام سے بچنے کی شکل ہو سکتی ہے۔

۴۔ نجی یا سرکاری ملکیت کے تالاب یا حوض میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے

ازخود آ گئی ہوں انہیں کسی کے ہاتھ فروخت کرنا یا اس حوض یا تالاب کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا درج ذیل حضرات کے نزدیک مطلقا درست و جائز ہے (مولانا اخلاق الرحمان قاسمی، مولانا شمس پیر زادہ، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا مجاہد الاسلام، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، حکیم ظل الرحمن، مولانا اسماعیل)۔

مندرجہ ذیل حضرات نے اس مسئلہ کی بابت یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اسی مقصد سے تالاب یا حوض بنایا گیا ہو یا اس مقصد سے تو نہیں بنایا گیا ہے، لیکن مچھلیاں آجانے کے بعد ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا گیا ہو، تو ایسی صورت میں وہ مچھلیاں اس کی مملوک ہو جائیں گی، اب اگر مقدور التسلیم ہوں، یعنی بغیر کسی ادنی مشقت کے مچھلیاں حاصل کی جاسکتی ہوں تو ان کی فروختگی درست ہے، لیکن مقدور التسلیم نہ ہوں تو ان کی بیع فاسد ہوگی اور ان کا ٹھیکہ پر دینا بھی صحیح نہیں ہوگا (مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا عبد الرحیم، مولانا احمد دیولوی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا مجیب الغفار اسعد، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا نور قاسمی، مولانا اسماعیل بھد کودروی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا عبد اللطیف، مولانا نعیم رشدی، مولانا منظور احمد، مولانا عبد القیوم، مولانا نعیم نسیم الدین قاسمی، مولانا ابراہیم بڑودوی، مولانا اختر امام عادل، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا ابو الحسن علی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا قاضی عبد الجلیل قاسمی، مفتی انور علی اعظمی)۔

درج ذیل حضرات کے نزدیک مچھلیوں کی فروختگی کی بابت تو یہی تفصیل ہے، لیکن ٹھیکہ پر دینا اجارہ اراضی کے طور درست ہے (مولانا حامد کمال، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا عزیر اختر، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا شاہین جمالی، مولانا قمر الزماں ندوی)۔

☆☆☆

عرضِ مسئلہ:

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت

مفتی انور علی اعظمی ☆

۱- سرکاری ندی، نالے اور نہروں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں تقریباً ۴۱ مقالہ نگاروں کے جوابات موصول ہوئے ان میں سے ۳۱ حضرات نے اس بیع کے ناجائز اور ممنوع ہونے کی رائے دی ہے، اور بقیہ ۱۰ حضرات نے بیع کو جائز قرار دیا ہے۔

جواز کے قائلین کے اسماء گرامی:

مولانا شمس پیرزادہ، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا مجاہد الاسلام حیدرآباد، مولانا ابرار احمد خان ندوی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا ایوب سیلی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن اشاعت العلوم۔

عدم جواز کے قائلین کے اسماء گرامی:

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا خورشید انور

☆ مفتی دارالعلوم مئو۔

مظاہر العلوم بنارس، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اسماعیل قاسمی، مولانا محمد زید، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا شاہین جمالی، مولانا مجیب الغفار اسعد، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا محمد نورالقاسمی، مولانا اسماعیل، مولانا حامد کمال، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا نعیم اختر، مولانا قمرالزماں ندوی، مولانا محمد ارشد قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا قمر عالم سہیلی، مولانا احمد، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی۔

قائلین جواز کی دلیل:

اکثر قائلین جواز نے عرف کو دلیل بنایا ہے، لیکن عرف کی بنیاد پر ان کا استدلال زیادہ مضبوط نہیں، کیونکہ یہ عرف چند عام نصوص سے اور ایک نص خاص سے متعارض ہے اور عرف کو اختیار کرنے کے نتیجہ میں نص خاص کا ترک لازم آرہا ہے، حالانکہ علماء اصول نے اس بات کی صراحت کی ہے جو عرف نص خاص سے متعارض ہو وہ معتبر نہیں ہوگا، چنانچہ "نشر العرف" (ص ۱۱۶) پر علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: "إذا خالف العرف الدليل الشرعي فإن خالفه من كل وجه بأن لزم منه ترك النص فلا شك في رده"۔ شیخ مصطفی زرقاء اعتبار عرف کی شرائط میں اپنی کتاب "المدخل" میں ذکر کرتے ہیں: "أن لا يعارض العرف نص شرعي بحيث يكون العمل العرف تعطيلا له"۔

نیز یہ کہ نص عام سے تعارض کے وقت بھی، عرف عام ہی موثر ہوتا ہے اور عرف عام وہ عرف کہلاتا ہے جو تمام لوگوں اور تمام شہروں میں رائج ہو اور اسے عوام وخواص سارے لوگوں نے قبول کیا ہو، مسئلہ مذکورہ میں ایسا عرف معدوم ہے، جسے عرف عام کا درجہ دیا جاسکے، اس لئے یہ عرف "بيع ما لا يملك" اور "بیع غرر" سے نہی والی عام نصوص سے تعارض کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا تو نص خاص "لا تشتروا السمك في الماء، فإنه غرر" کے مقابلہ میں کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

قائلین عدم جواز کے دلائل:

اس بیع کو ناجائز کہنے والے حضرات نے مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱- "لا تبع ما ليس عندك" (ترمذی ۱/۲۳۸)۔

۲- "عن أبي هريرة نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر وعن بيع الحصاة" وقال الشافعي: من بيع الغرر بيع السمك في الماء" (ترمذی ۱/۲۳۳)۔

۳- "عن ابن عمر وابن مسعود رضي الله عنهما قالا: لا تشتروا السمك في الماء فإنه غرر" (مسند احمد ۱/۳۸۸)۔

اگرچہ مذکورہ حدیث کا مرفوع و موقوف ہونا علامہ بیہقی اور بعض دوسرے محدثین کے نزدیک مختلف فیہ ہے، لیکن اس حدیث کی شاہد ایک دوسری مرفوع حدیث ہے، جو "نیل الاوطار" میں مذکور ہے، علامہ شوکانی تحریر فرماتے ہیں: "قد روى أبو بكر بن عاصم عن عمران بن حصين حديثا مرفوعا، وفيه النهي عن بيع السمك في الماء، فهو شاهد لهذا" (نیل الاوطار ۵/۱۴۸) "مسند احمد" کی موقوف روایت مذکورہ مرفوع حدیث کی تائید کے بعد قابل استدلال ہو جائے گی۔ یہ حدیث مسئلہ مذکورہ میں نص صریح کی حیثیت رکھتی ہے، لہذا عرف کی وجہ سے اسے ترک کرنا درست نہیں ہوگا۔

انعقاد بیع کے لئے فقہاء کے یہاں جو شرائط معتبر ہیں ان میں ایک بنیادی شرط مبیع کا مملوک ہونا بھی ہے، بیع سلم کے علاوہ نہیں اور غیر مملوک کی بیع درست نہیں، مسئلہ مذکورہ میں مبیع کے غیر متعین، متعذر التسلیم اور مجہول ہونے کے علاوہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ بائع کی ملک نہیں ہے، بلکہ قبضہ سے پہلے سب کے لئے مباح الاصل ہے، لہذا یہ بیع غیر مملوک کی بیع ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگی۔

عدم جواز کے قائلین میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا محمد نور الحق کی صاحبان نے مذکورہ بیع میں فساد بیع کی صراحت کی ہے، البتہ محترمہ

حضرات نے بطلان بیع کی صراحت کی ہے، بقیہ دس حضرات نے فساد و بطلان کی وضاحت کئے بغیر اس کو ناجائز کہنے پر اکتفا کیا ہے، لیکن دلائل کے اعتبار سے ان کا رجحان بھی بطلان ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ فساد کے قائلین میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور فساد کے لئے بنیادی وجہ غیر مقدور التسلیم ہونا قرار دیا ہے، لیکن مبیع کے غیر مملوک ہونے سے کوئی بحث نہیں کی ہے، چنانچہ اپنے مدعا پر علامہ ابن ہمام کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے:

"الوجه عندي أن عدم القدرة على التسليم مفسد لا مبطل"، علامہ شامی کی بھی بعض عبارتیں ذکر کی ہیں، مگر وہ مدعا پر واضح نہیں ہیں، علامہ زیلعی کی ایک عبارت بھی ذکر کی ہے جس میں انہوں نے عبد آبق کی بیع کو فاسد کہا ہے اور اس کے لوٹ آنے کے بعد بیع کو صحیح مانا ہے، لیکن مسئلہ مبحوث عنہا پر کوئی واضح عبارت ذکر نہیں کی، بحث کے آغاز میں یہ ضرور کہا ہے کہ ظاہر روایت بیع کے بطلان کی ہے، راقم السطور اور اکثر مقالہ نگاروں کی رائے، ظاہر روایت پر مبنی ہے، ان حضرات نے فقہ کی صریح اور واضح روایتوں سے استدلال کیا ہے، مثلاً شامی کی یہ عبارت ہے:

"وفيه أن بيع ما ليس في ملكه باطل كما تقدم؛ لأنه بيع المعدوم والمعدوم ليس بمال، فينبغي أن يكون بيعه باطلاً" (شامی ۴/۱۴۰)۔

"البحر الرائق" میں بھی صراحت موجود ہے: "والسمک قبل الصيد أي لم يجز بيعه لكونه باع ما لا يملكه، فيكون باطلاً" (۹۱/۷)، خود علامہ ابن الہمام کا میلان بھی اس مسئلہ میں بطلان ہی کی طرف ہے، کیونکہ انہوں نے بیع کے عدم جواز کے لئے غیر مقدور التسلیم کو علت بنانے کے بجائے، عدم ملک کو علت بنایا ہے، چنانچہ "فتح القدیر" کی عبارت اس طرح ہے:

"بيع السمک في البحر أو النهر لا يجوز فإن كانت له حظيرة فدخلها السمک فإما أن يكون أعدها لذلک أو لا، فإن كان أعدها فما دخلها ملكه... وإن لم يكن أعدها لذلک قد يملک ما يدخل فيها، فلا يجوز بيعه

لعدم الملک" (فتح القدیر ۶؍۲۹)۔

الغرض ظاہر روایت اور فقہاء کی ان صریح عبارات کی بنیاد پر اس بیع کو باطل کہنا ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

مچھلی کی خرید وفروخت اور غور وفکر کے بنیادی اصول

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

خرید وفروخت کے اصول میں سے یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جائے وہ معاملہ طے ہوتے وقت فروخت کنندہ کی ملکیت میں بھی ہو اور قابو میں بھی، کہ اگر چاہے تو فی الفور حوالے کردے، فقہاء کی تصریحات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سوائے ظاہریہ کے قریب تمام ہی فقہاء وائمہ مجتہدین کے یہاں متفق علیہ قاعدہ ہے۔

فقہاء حنفیہ میں کاسانی کا بیان ہے:

"منها أن يكون مقدور التسليم عند العقد، فإن كان معجوز التسليم عنده لا ينعقد، وإن كان مملوكاً له" (بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۷)۔

(ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ معاملہ طے پاتے وقت مبیع کو حوالہ کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اگر اس وقت قادر نہ ہو تو گو وہ اس کی ملکیت میں ہو پھر بھی بیع منعقد نہ ہوگی)۔

ہاں مشائخ حنفیہ کے یہاں اختلاف صرف اس میں ہے کہ اگر ایجاب وقبول کے وقت سامان کی سپردگی پر قادر نہیں تھا، لیکن اس مجلس میں قادر ہوگیا تو کیا حکم ہوگا؟ عام مشائخ کے یہاں تو پہلے کیا گیا ایجاب وقبول بے نتیجہ ہوگا، لیکن امام کرخیؒ اور طحاوی کے نزدیک خرید وفروخت درست ہوجائے گی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۳۳۰)۔

علامہ قرافی مالکی نے معاملہ کے درست ہونے کے لئے پانچ شرطیں ذکر کی ہیں، ان

☆ ناظم "المعہد العالی الاسلامی" (حیدرآباد) وجنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

میں بیچی گئی شیٔ ایسی ہو کہ جس کے حوالہ کرنے پر قادر ہو "أن یکون مقدور علی تسلیمہ" اور پانچویں شرط یہ ہے کہ قیمت اور سامان پر خریدار اور فروخت کنندہ کی ملکیت ہو "أن یکون الثمن مملوکین للعاقد والمعقود لہ" (کتاب الفقہ ۲۰۳/۲)۔

فقہاء شوافع میں ابواسحاق شیرازی کہتے ہیں:

"ولا یجوز ما لا یقدر علی تسلیمہ" (المہذب مع شرح ۲۸۳/۹)۔

(ایسی چیز کی فروخت جائز نہیں جس کو حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو)۔

یہی بات ابن قدامہ حنبلی نے لکھی ہے (المغنی ۱۹۳/۴)۔

مچھلی جو پانی میں موجود ہو، بعض اوقات تو اس پر ملکیت ہی ثابت نہیں ہوتی اور ملکیت ثابت بھی ہو جائے تو مقدور التسلیم نہیں ہوتی، یعنی اس کو شکار کئے بغیر حوالہ کرنا ممکن نہیں ہوتا، اسی کیفیت کا نام "غرر" ہے، سرخسی نے "غرر" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"الغرر ما یکون مستور العاقبۃ" (المبسوط ۱۹۴/۱۲)۔

(غرر یہ ہے کہ جس کا انجام معلوم نہ ہو)۔

اسی غرر کی صراحت کے ساتھ آپ ﷺ نے پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت کو منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راوی ہیں کہ ارشاد نبوی ہے:

"لا تشتروا السمک فی الماء فإنہ غرر" (مسند احمد مع تحقیق احمد شاکر)۔

(پانی میں موجود مچھلی فروخت نہ کرو کیونکہ یہ غرر ہے)۔

علامہ ہیثمیؒ نے "طبرانی معجم کبیر" کا بھی حوالہ دیا ہے (مجمع الزوائد ۸۰/۴)، ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس روایت کو امام احمد نے مرفوعاً بھی نقل کیا ہے اور موقوفاً بھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کا ارشاد ہے اور بعض روایات سے ظاہر ہے کہ خود حضرت ابن مسعودؓ کا فتویٰ ہے اور موقوف روایت کی بابت کہا ہے کہ اس کے رواۃ بخاری کے رواۃ ہیں "ورجال الموقوف رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ۸۰/۴)، نیز شیخ محمد عبدالرحمٰن نے بیہقی اور دار قطنی سے بھی

حدیث موقوف کا صحیح و راجح ہونا نقل کیا ہے (فتح الربانی ۱۵/ ۳۵)۔

لیکن غور کیا جائے تو حدیث مرفوع کی سند بھی درجۂ اعتبار سے کم تر نہیں، سند یوں ہے:

"محمد بن سماک، عن یزید بن ابی الزیاد، عن المسیب بن رافع عن عبد اللہ بن مسعود"

یہ بھی راوی ثقہ ہیں، علامہ ہیثمی نے محمد بن سماک کے علاوہ سبھوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ صرف امام احمد کے ان استاذ کے ترجمہ سے واقف نہ ہو سکا، باقی سب ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ۴/ ۸۰) لیکن شیخ احمد محمد شاکر نے لکھا ہے کہ "محمد بن سماک" کا اصل نام "محمد بن صبیح" ہے یہ ثقہ راوی ہیں، ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور بخاری نے "تاریخ کبیر" میں اور خطیب نے "تاریخ بغداد" میں ان کا ترجمہ لکھا ہے (حاشیہ احمد محمد شاکر ۵/ ۲۲۴) البتہ خود شیخ نے اس روایت کو اس لئے ضعیف قرار دیا ہے کہ مسیب بن رافع گو ثقہ راوی ہیں اور تابعی ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں، اس لئے حدیث کی سند میں انقطاع ہے (حوالہ مذکور) لیکن ظاہر ہے کہ یہ اعتراض انہی محدثین کی رائے پر درست ہو سکتا ہے جو مراسیل تابعی کو حجت خیال نہیں کرتے، حنفیہ، مالکیہ اور اکثر قدیم محدثین کے نزدیک مراسیل ثقات معتبر ہیں، اس لئے یہ حدیث بھی مقبول ہے اور حسن سے کم درجہ نہیں۔

فقہاء کی رائیں:

اب اس اصول اور حدیث کی روشنی میں مچھلی کی خرید و فروخت سے متعلق فقہاء کے خیالات کا جائزہ لینا چاہئے۔

حقیقت یہ ہے کہ تالاب میں مچھلی کی خرید و فروخت کی ممانعت پر قریب اتفاق ہے، اسی لئے ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف رائے نظر نہیں آتا، "لا معلم لهم مخالفا لما ذکرنا من الحدیث" (مغنی ۴/ ۱۴۴)، البتہ امام ابو یوسفؒ نے حضرت عمر بن

عبدالعزیز سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی اور اس کو "حبس" سے موسوم کیا (کتاب الخراج: ۹۵)، اسی طرح اصحاب ظواہر اور اس مکتب فکر کے ترجمان و نقیب علامہ ابن حزم نے بھی اس کی اجازت دی ہے (محلی ۸/۳۹۵)۔

فقہاء مالکیہ نے نہروں اور تالابوں کی خرید و فروخت کو مطلقاً منع کیا ہے (الاثر المدنی ۲۲۹)، خود امام مالک سے صراحۃً اس کی ممانعت منقول ہے، امام مالک نے اس بابت فرمایا: "لا خیر فیہ" (المدونۃ الکبری ۳/۲۱۸)۔

شوافع کا خیال ہے کہ اگر تالاب اتنا چھوٹا ہو کہ بلا مشقت و دشواری تالاب سے مچھلی نکالنا ممکن ہو تو بیع صحیح ہے، بشرطیکہ پانی اتنا صاف ہو کہ مچھلی نظر آتی ہو اور اگر تالاب بڑا ہو کہ شدید تکان و مشقت کے بغیر مچھلیوں کا نکالنا ممکن نہ ہو تو اس بابت دو قول ہیں، اور زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں خرید و فروخت درست نہیں (شرح مہذب ۹/۲۸۶-۲۸۷)۔

حنابلہ کے نزدیک تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے، تالاب مملوک ہو، پانی اتنا صاف ہو کہ مچھلی نظر آتی ہو، ان مچھلیوں کا شکار کرنا اور ان کو روک رکھنا ممکن ہو (المغنی ۴/۲۰۱)، شرف احمد بن مقدسی نے اس کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ تالاب نہر سے متصل نہ ہونا چاہئے، یہ اس کے باوجود جائز ہے کہ ایک مدت کے بعد مچھلی حاصل کرنا مقصود ہو (الفروع ۴/۱۶۲)۔

حنفیہ کا نقطۂ نظر:

حنفیہ کے یہاں پانی میں مچھلی کی خرید و فروخت کی بابت تفصیل یہ ہے:

مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱- کسی نے مچھلی ہی کے لئے تالاب کھدوایا ہو اور اس میں مچھلی آگئی ہو۔

۲- اس مقصد کے لئے زمین تیار تو نہ کی گئی ہو، لیکن پانی کے ساتھ مچھلی آنے کے بعد واپسی کا راستہ بند کر دیا گیا ہو۔

طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز سے "سیدآبام" کی بیع کا جواز نقل کیا ہے، اس روشنی میں ابن نجیم مصری نے یہ رائے قائم کی ہے کہ بیت المال اور وقف کی اراضی کا اس مقصد کے لئے اجارہ درست ہے، دوسری اراضی کا نہیں (البحر الرائق ۷/ ۳۰۰) مگر خود ابن نجیم نے بعد کو "ایضاح" میں دیکھا کہ اس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور صاحب "نہر" نے "ایضاح" کی روایت کو ترجیح دیا ہے (منحۃ الخالق علی ہامش البحر ۶/ ۳۰۰)۔

اسی طرح کا ایک مسئلہ چراگاہ کو کرایہ پر حاصل کرنے کا ہے تا کہ اس کی گھاس سے نفع اٹھایا جا سکے، یہ بھی جائز نہیں کہ گھاس خود عین ہے، لیکن فقہاء نے غالباً اپنے زمانہ کے تعامل کو دیکھتے ہوئے اس کے لئے یہ تدبیر بتائی ہے کہ زمین جانور وغیرہ ٹھہرانے کے لئے کرایہ پر لی جائے اور ضمنی طور پر گھاس بھی اس میں داخل ہو جائے گی۔

"الحيلة أن يستاجر الأرض لضرب فسطاط أو لايقاف دوابه أو لمنفعة أخرى كمقيل المراح" (الدر المنتقی بہامش مجمع الانہر ۳/ ۵۴)۔

فقہاء حنابلہ نے بھی تالاب (برکہ) کے اجارہ کو درست قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں جو مچھلیاں آجائیں، کرایہ دار اس کا مالک ہوگا (المغنی ۵/ ۳۳۲)۔

مالکیہ کے یہاں اس بابت صریح گفتگو نہیں مل سکی، تاہم انہوں نے بھی اجارہ کے اصول میں یہ بات ذکر کی ہے کہ اجارہ خود "عین" کے لین دین کو شامل نہیں ہو سکتا (الشرح الصغیر ۴/ ۱۰)۔

لیکن علامہ صاوی نے اس اصول سے دو صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے، ایک یہ صورت کہ ایسی زمین اجارہ پر لی جا سکتی ہے جس میں کنواں یا چشمہ ہو کہ اس کا پانی لیا جائے اور ظاہر ہے کہ پانی عین ہے، اور بکری کرایہ پر لی جا سکتی ہے کہ اس کا دودھ لیا جائے اور دودھ بھی عین ہے۔

"وكذلك استثنوا إيجار أرض فيها بئر أو عين واستئجار شاة للبنها إذا وجدت الشروط، فإن فيها استيفاء عين قصداً وهو الماء في الأولى واللبن في الثانية" (حوالہ سابق)۔

ان مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مچھلی کے حصول کے لئے تالاب وغیرہ کا اجارہ درست ہے، مالکیہ کے نزدیک اصولی طور پر یہ جائز نہیں، لیکن ان کے یہاں اس اصول سے بعض مستثنیات موجود ہیں، حنفیہ کے نزدیک بھی قول مشہور و راجح کے مطابق اس کی گنجائش نہیں، تاہم سرکاری املاک کی حد تک بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔

اس اجارہ کے ناجائز ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اجارہ معاوضہ ادا کرکے کسی شئی کی منفعت حاصل کرنے کا نام ہے، خود کسی شئی کو حاصل کرنے کا نہیں، اسی سلسلہ میں وہ بات قابل غور ہے جو حنابلہ وشوافع نے کہی ہے کہ اگر کسی آبی خطہ میں موجود مچھلی کے لئے اجارہ کیا جائے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ عین کی لین دین کا عقد ہے اور اگر اجارہ اس بنیاد پر طے ہو کہ کرایہ دار اس میں مچھلیوں کے زیرے ڈال کر مچھلیوں کی افزائش کرے یا اس میں باہر سے پانی لانے کی تدبیر کرے یا رواں پانی کے ایک حصہ میں مچھلی آنے کے بعد اس کے روکنے کا انتظام کیا جائے تاکہ ان کے ساتھ مچھلیاں آسکیں تو اجارہ درست ہے، کیونکہ یہ مچھلیوں کا اجارہ نہیں، بلکہ اس خطۂ زمین کا اجارہ ہے جس میں مچھلیوں کی پرورش وافزائش کی جائے گی، اس طرح یہ خطہ گویا ایک ایسے جال کے درجہ میں ہے جس کو کرایہ پر حاصل کیا گیا ہو اور اس کے ذریعہ مچھلیوں کا شکار کیا جاتا ہو، امام نووی کے الفاظ ہیں: "لأن البركة يمكن الاصطياد بها فجازت إجارتها كالشبكة" (شرح المہذب ۹ر ۲۸۵) اور بقول ابن قدامہ: "إذا آجر بركة أو مصفاة ليصطاد فيها السمك فحصل فيها سمك ملكه، لأنه آلة معدة للاصطياد فأشبه الشبكة" (المغنی ۴ر ۱۳۳)۔

غور کیا جائے تو احناف نے جس قاعدہ کی بناء پر مچھلیوں کے اجارہ کو ناجائز قرار دیا ہے، وہ اجارہ کی اس صورت میں موجود نہیں ہے اور پھر سرکاری تالاب کے اجارہ پر لئے جانے کی ایک نظیر خود فقہ حنفی میں موجود ہے، نص میں بھی بیع سمک کی ممانعت ہے نہ کہ اس آبی خطہ کے اجارہ

کی، جس میں مچھلیوں کی افزائش کی جائے، لہٰذا:

اگر تالاب، ندی، نالے اور نہر کے کسی حصہ میں موجود مچھلی خریدی جائے تو جائز نہیں اور اگر اس حصہ کو متعین مدت کے لئے کرایہ پر لیا جائے تاکہ اس میں مچھلی کے انڈے ڈال کر مچھلی کی افزائش کی جائے، جیسا کہ آج کل رواج ہے، یا برسات و سیلاب وغیرہ میں آنے والے پانی کو روک کر یا کسی اور راستے سے پانی لاکر مچھلی حاصل کی جائے تو یہ اجارہ ہے اور اس طرح اجارہ پر لینا اور دینا درست ہے۔

بیع باطل ہے یا فاسد؟

۲- سوال نمبر (۱) کے جواب سے واضح ہے کہ اجارہ کا معاملہ درست ہے، البتہ اگر تالاب و نہر وغیرہ میں موجود مچھلیوں ہی کو فروخت کرنا مقصود ہو تو یہ جائز نہیں، اب دوسروں کا ان مچھلیوں کو خریدنا جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ یہ ناجائز بیع، بیع باطل شمار ہوگی یا بیع فاسد؟ اگر بیع باطل ہو اور خریدار مسلمان ہو تو دوسروں کا اس سے خریدنا جائز نہیں، کیونکہ بیع باطل سے باوجود قبضہ کے ملکیت ثابت نہیں ہوتی "وحكمه عدم إفادة الحكم وهو الملك قبضه أولا" (بحر الرائق ۶/۶۹، شیخ زکریا) اور اگر خریدار غیر مسلم تھا تو اس سے خریدنے کی گنجائش ہے، کیونکہ حنفیہ کے یہاں کفار حکم دینوی میں مخاطب بالفروع نہیں ہیں، اس لئے ان کے افعال کے بارے میں مسلمان خریدار جوابدہ نہیں۔

اگر یہ بیع فاسد ہے تو قبضہ کے بعد ملک حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے اب دوسروں کا اس سے خریدنا درست ہوگا "والفاسد يفيد الملك عند اتصال القبض به ويكون المبيع مضمونا في يد المشتري فيه" (ہدایہ ۳/۴۰۰) اس لئے دیکھنا چاہئے کہ یہ بیع اصطلاحی اعتبار سے بیع باطل کے زمرہ میں آئے گی یا بیع فاسد کے؟

مشائخ کے یہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ پانی میں موجود مچھلی کی خرید و فروخت

کس زمرہ میں آتی ہے؟ اور ظاہر روایت بیع کے باطل ہونے کی ہے، لیکن امام محمد کی ایک روایت کے مطابق امام صاحب کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے، بعض فقہاء نے بیع با لعرض اور بیع بالنقد میں فرق کیا ہے (ردالمحتار ۴/۱۱۹) اور زیلعی نے اس پر گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

"فلو سلم بعد ذلک ینبغی أن یکون علی الروایتین اللتین فی بیع الآبق علی باطل أو فاسد" (تبیین الحقائق ۴/۴۵)۔

(اگر اس کے بعد حوالہ کردے تو دو روایتیں ہونی چاہئیں جو مفرور غلام کی بیع کی بابت ہے کہ بیع باطل ہے یا فاسد)؟

پھر بھاگے ہوئے غلام کی خرید فروخت کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

"اگر ایسے غلام کو فروخت کیا اور بیع فسخ کرنے سے پہلے غلام واپس آجائے تو چونکہ محل بیع نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہو چکی تھی، اس لئے اب بیع صحیح نہ ہوگی......... امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ بیع درست ہو جائے گی، اس لئے کہ اس میں مالیت موجود ہے، لہذا وہ بیع کا محل ہے، یعنی بیع منعقد ہو جائے گی، البتہ چونکہ اس کی سپردگی سے عاجز ہے، اس لئے فاسد ہوگی، لہذا اگر فسخ معاملہ سے پہلے غلام لوٹ آئے تو مانع کے ختم ہو جانے کی وجہ سے بیع درست ہو جائے گی، کرخی اور ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے اور پہلے قول پر ابوعبداللہ بلخی اور مشائخ کے ایک گروہ کا فتویٰ ہے" (تبیین الحقائق ۴/۵۵)۔

ان دونوں آراء میں ترجیح کے لئے ہمیں باطل و فاسد کی اصطلاح کی طرف رجوع کرنا چاہئے، عام طور پر فقہاء نے بیع باطل و فاسد کی جو تعریف کی ہے، وہ خاصی مبہم ہے کہ جو بیع اصل کے اعتبار سے ہی مشروع و درست نہ ہو وہ باطل ہے اور جو کسی خارجی وصف کی وجہ سے نادرست قرار دی گئی ہو، وہ فاسد ہے (فتح القدیر و عنایہ ۶/۴۰۲)، لیکن عمدۃ الفقہاء علامہ شامی نے اپنے مزاج و مذاق فقہی کے مطابق اس عقدہ کو بھی حل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"جو وصف بیع کے رکن میں خلل پیدا کردیں، وہ بیع کے باطل ہونے کا باعث ہیں اور

بیع کا رکن ایجاب وقبول ہے، مثلاً پاگل اور بے شعور بچہ کی طرف سے ایجاب یا قبول ہو… یا محل بیع، یعنی مبیع میں خلل ہو، تو یہ خلل بھی باعث بطلان ہے، جیسے مبیع مردار خون، آزاد آدمی یا شراب ہو" (ردالمحتار ۴؍ ۱۱۲ طبع کوئٹہ)۔

اس طرح بیع باطل وہ ہے جس میں ایجاب وقبول ہی درست نہ ہو، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایسے اشخاص سے ایجاب وقبول کا صدور ہوا ہو جو اس کے لئے اہل ہی نہ ہوں، یا ایسی چیز کو بیع کا محل بنایا گیا ہو جس میں محل بیع ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو، "محل بیع" بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، اس سے کیا مراد ہے؟ اس کو شامی ہی کی ایک اور عبارت واضح کرتی ہے:

"فاسد باطل میں امتیاز کا ضابطہ یہ ہے کہ مبیع اور قیمت میں سے کوئی ایسی شئی ہو جس کو کسی بھی مذہب آسمانی میں "مال" تسلیم نہ کیا گیا ہو تو بیع باطل ہے، لہذا مردار، خون اور آزاد آدمی کی بیع باطل ہے اور یہی حکم اس کو "ثمن" بنانے کی صورت میں بھی ہے، اور اگر بعض مذاہب آسمانی میں مال ہو اور بعض میں اس کو مال تسلیم نہ کیا گیا ہو تو اگر اس کو قیمت کا درجہ دینا ممکن ہو، جیسے غلام اور شراب کی ایک دوسرے کے عوض، تو بیع فاسد ہوگی اور اگر اس کا مبیع ہی ہونا متعین ہو تو جیسے: شراب اور درہم کی ایک دوسرے سے بیع ہو تو بیع باطل ہے" (ردالمحتار ۴؍ ۱۱۲ طبع کوئٹہ)۔

اس اصول کی روشنی میں ان لوگوں کی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے جن کے نزدیک یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ اس عقد کے ایجاب وقبول میں کوئی خلل نہیں، معقود کا کسی دین سماوی میں مال تسلیم کیا جانا تو بہت فروتر ہے، شاید کوئی دین سماوی نہیں جس نے مچھلی کو مال شمار نہ کیا ہو، مقدور التسلیم نہ ہونا "مبیع" سے متعلق ایک خارجی وصف ہے، اس لئے صحیح یہی ہے کہ یہ بیع فاسد ہے اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہے، زیلعی کی روایت گذر چکی ہے کہ امام کرخی جیسے فقیہ نے اس کو ترجیح دیا ہے، مزید باعث تقویت یہ ہے کہ ابن ہمام بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

"الوجه عندی أن عدم القدرة على التسليم مفسد لا باطل" (فتح القدیر ۶؍ ۴۲۲)۔

(میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مبیع کی سپردگی پر قادر نہ ہونا بیع کے فاسد ہونے کا باعث ہے نہ کہ باطل ہونے کا)۔

اس لئے خریدار اول سے دوسرے لوگوں کا اس مچھلی کو خرید کرنا جائز ودرست ہوگا۔

۳- جیسا کہ مذکور ہوا، سرکاری تالاب وغیرہ میں تو بعض فقہاء کے یہاں مچھلی کی خرید وفروخت کی بابت کسی قدر روایت بھی ہے، گو وہ بھی قول مرجوح ہے، جیسا کہ ابن نجیم کا قول مذکور ہوا، لیکن شخصی حوض وتالاب کی بابت کوئی استثناء نہیں، اس لئے تالاب وغیرہ میں موجود مچھلیوں کے نکالے بغیر خریدنا اور بیچنا درست نہیں، سوائے اس کے کہ مچھلیاں اس قدر کثیر تعداد میں ہوں کہ ان کے حصول میں شکار کی حاجت نہ ہو، گو مشاہدہ میں ہندوستان میں شاید ہی یہ تالاب آسکے۔

ہاں اگر تالاب ایک مقررہ مدت کے لئے کرایہ پر دیا جائے کہ کرایہ دار اس میں مچھلیوں کے انڈے وغیرہ ڈال کر مچھلیوں کی افزائش کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

۴- اس صورت میں ملکیت کے لئے ضروری ہے کہ مالک اراضی نے خاص اسی مقصد کے لئے تالاب بنایا ہو، یا کم سے کم مچھلیوں کے آجانے کے بعد ان کی واپسی کا راستہ مسدود کر دیا ہو اور "مقدور التسلیم" یعنی سپردگی پر قادر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مچھلیاں اس کثیر مقدار میں ہوں کہ جال وغیرہ استعمال کے بغیر ادنی مشقت سے مچھلیاں حاصل کی جاسکتی ہوں، اگر یہ دونوں شرطیں پائی جاتی ہوں تو ان کا فروخت کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

٭٭٭

مچھلی کی خرید وفروخت کے چند مسائل

مولانا انیس الرحمن قاسمی ☆

ندی نالوں کا اجارہ:

یہاں دو قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں: اول یہ کہ اس طرح کے اجارہ کی حیثیت کیا ہے؟ اور دوسرے ان سے مچھلیاں جس طرح نکالی جاتی ہیں اور ان کو فروخت کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں اور ان مچھلیوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔

شرعی نقطہ نظر سے اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے فقہاء احناف نے "محل اجارہ" کے لئے یہ شرط قرار دی ہے کہ اجارہ کا محل "منفعت" ہو اور وہ منفعت بھی متقوم و مقصود ہو اور باقیمت مباح نہ ہو، منفعت کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اجارہ پر لیا جارہا ہے اس کے عین کا استہلاک نہ ہو۔

"قال: الإجارة إذا وقعت على العين لا تصح" (رد المحتار ۹؍ ۳۲)۔

البتہ بعض دیگر فقہاء نے اس میں توسع کی ہے اور بعض صورتوں میں "استہلاک عین" کے باوجود بھی جائز قرار دیا ہے (الموسوعة الفقہیہ ۱؍ ۲۵۹)۔ اس پہلے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ندی نالوں اور سمندر کا اجارہ مچھلی نکالنے کے لئے جائز نہیں ہوگا، کیونکہ ان سے انتفاع ہر ایک کے لئے جائز ہے، اور اس اجارہ میں عین شئی یعنی مچھلی کا استہلاک ہے۔ البتہ بعض دیگر فقہاء اور خود بعض فقہاء حنفیہ نے پانی کے ساتھ دریا اور نالوں کو اجارہ پر دینے کی اجازت دی ہے، شیخ علاء الدین

☆ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

حصکفیؒ نے ''درمختار'' میں ''مضمرات'' کے حوالے سے ''عموم بلویٰ'' کے پیشِ نظر اس کے جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى'' (درمختار مع ردالمحتار ۶/۴۳)۔

اس لئے عموم بلویٰ کے پیشِ نظر جب ''پانی'' کے استہلاک کی صورت میں اس اجارہ کو درست قرار دیا گیا ہے تو موجودہ دور میں مچھلی کا خرید وفروخت اور اجارہ میں جو ابتلاء عام ہے، اس کے پیشِ نظر دریا کے پانی کے ساتھ ساتھ مچھلی کا اجارہ بھی جائز ہوگا، فقہاء احناف میں علامہ خیر الدین الرملی نے امام ابو یوسف کی اس روایت پر کلام کرتے ہوئے جسے انہوں نے ''کتاب الخراج'' میں نقل کیا ہے:

''عن أبي الزناد: قال كتبت إلى عمر بن الخطاب في بحيرة يجتمع فيها السمك بارض العراق أن يوجرها فكتب إلي أن افعلوا'' (ردالمحتار ۵/۱۰۴)

(حضرت ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس عراق کے ایک بڑے تالاب کے بارے میں دریافت کیا جس میں مچھلیاں جمع ہوتی ہیں کہ کیا اس کو اجارہ پر دے دیا جائے تو انہوں نے ایسا کرنے کا حکم دیا)۔

پھر یہ لکھا ہے کہ ''کتاب الخراج'' کی جو عبارت گزری وہ بھی ''قواعد'' سے بعید نہیں ہے، کیونکہ اس کا مرجع ایسا اجارہ ہے جو ایک خاص جگہ اور معلوم منفعت، یعنی شکار سے متعلق ہے (الدر المختار مع الرد ۶/۴۳)۔

اس لئے یہ مسئلہ چاہے ''اجارہ کے قواعد'' کے متعلق ہو، جیسا کہ علامہ کی رائے ہے، یا اس کے برخلاف ہو، جیسا کہ علامہ شامی کا رجحان ہے، جس طرح دریا اور تالاب کے پانی کا اجارہ ''ابتلاء عام'' کے پیشِ نظر جائز قرار دیا گیا ہے، اسی طرح دریا اور تالاب کے پانی کے ساتھ اس کی مچھلی کا ٹھیکہ بھی ''عموم بلویٰ'' کے مدنظر جائز ہونا چاہئے۔

ندی نالوں کی مچھلیاں:

اور اگر اس اجارہ کو درست تسلیم نہ کیا جائے جیسا کہ فقہاء احناف کا عام رجحان ہے تو بھی ندی نالوں یا سمندروں سے اس طرح ٹھیکہ پر حاصل کر کے جو مچھلیاں شکار کی جاتی ہیں، چاہے شکار کرنے والے مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کے لئے ان مچھلیوں کو فروخت کرنا اور مسلمانوں کے لئے خرید کر کھانا بھی بلاشبہ جائز ہے، کیونکہ ندی نالے اور سمندر "مباح الاصل" ہیں ان سے جو بھی شکار کرلے وہ اپنے شکار کا مالک ہوگا، اس لئے چاہے ان کو کوئی شخص اجارہ پر لے یا اجارہ پر لینے والا کسی دوسرے کے ہاتھ بغیر شکار کئے ان کی مچھلیوں کو بیچ دے، ہر دونوں صورت میں مچھلی کا شکار کرنے والا مچھلیوں کا مالک ہوگا اور اگر یہ صورت ہو کہ ٹھیکہ پر لینے والا یا اس کی مچھلیوں کو خریدنے والا خود سے مچھلیوں کا شکار نہ کرے، بلکہ اجیر رکھ کر دوسرے سے شکار کرائے تو بھی جائز ہوگا۔

"فقال استأجره ليصيد له أو يحطب له، فإن وقت لذالك وقتا جاز ذلك وإلا لا" (مجمع الانہر مع الدر، ۲: ۳۲)

(کسی نے کسی شخص کو شکار کرنے یا لکڑیاں کاٹنے کے لئے اجیر رکھا اور اس کام کا وقت بھی متعین کردیا تو یہ اجارہ جائز ہے، ورنہ نہیں)۔

مچھلی کی افزائش کے لئے تالاب کا اجارہ:

تالاب کو عام طور پر مچھلی کی افزائش و شکار کے لئے اجارہ پر دیا جاتا ہے، جس کی مدت متعین ہوتی ہے اور اجارہ پر لینے والا کبھی تو اس میں پہلے سے موجود مچھلیوں کی افزائش کرتا ہے اور عام طور پر مچھلی کا زیرہ ڈال کر ان کی پرورش کرتا ہے، اس طرح تالاب کو مچھلیوں کی افزائش کے لئے اجارہ پر لینا جائز ہے، فقہاء نے پانی کے استعمال کے لئے تالاب اور نہر و دریا کے اجارہ کی اجازت دی ہے، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"جاز إجارة القناة والنهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى" (الدر المختار مع رد المحتار ۶ / ۶۲)۔

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت:

تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کے بارے میں عام طور پر دو طریقے رائج ہیں، اول یہ کہ تالاب کے اصل مالک یا ٹھیکیدار جو مچھلیوں کے مالک ہوتے ہیں وہ عموماً تالاب سے مچھلیاں نکلوا کر فروخت کرتے ہیں، مچھلیوں کی خرید وفروخت کی یہ صورت بلا شبہ جائز ہے، چاہے ان تالابوں کے مالک مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اس لئے کہ یہاں مبیع (مچھلیاں) متعین بھی ہیں اور مقدور التسلیم بھی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تالاب سے مچھلیوں کو نکالے بغیر فروخت کیا جاتا ہے اور خریدار ان مچھلیوں کا شکار کر کے پھر ان کو بیچتا ہے، یہ طریقہ بہت کم رائج ہے، اس طرح کی خرید وفروخت کے جائز ہونے اور نہ ہونے میں تفصیل ہے، ایک صورت یہ ہے کہ تالاب میں پانی برائے نام رہ گیا ہو اور مچھلیاں پکڑنے میں کسی جال یا شکار کے طریقوں کو استعمال میں لانے کی ضرورت نہ ہو اور مچھلیاں بغیر کسی حیلہ وتدبیر کے پکڑی جاتی ہوں۔ تو یہ صورت بہر حال جائز ہے، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں:

"ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز بيعه، لأنه مملوك مقدور التسليم، مثل السمكة في جب، وإن لم يكن يؤخذ إلا بحيلة لايجوز بيعه لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع" (فتح القدير ۶ ...)۔

(اگر مچھلی شکار کے لئے کسی تدبیر کے بغیر پکڑی جا سکتی ہو تو اس کی بیع جائز ہے کیونکہ وہ مچھلی ملکیت میں بھی ہے اور اس کو خریدار کے سپرد کرنا ہاتھ میں ہی ہے، جیسے کہ مچھلی "گڈھے" میں ہو، اور اگر فروختگی کے فوراً بعد اس کو سپرد کرنا ممکن نہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے)۔

مچھلی کی ملکیت کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ فروخت کرنے والا فروختگی کے بعد خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر ہو، اگر تالاب میں پانی ہو تو پانی کی مچھلی کو بغیر شکار کئے وہ حوالہ نہیں کر سکتا ہے، اس لئے یہ بیع صحیح نہیں ہے۔

فقہاء احناف نے اس کے لئے دو طرح کے الفاظ استعمال کئے ہیں، صاحب "عنایہ" علامہ کمال الدین البابرتی نے "حظیرۃ صغیرۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"الحظيرة إذا كانت صغيرة أخذ من غير حيلة جاز وإلا لا".

اور علامہ ابن ہمام نے "جب" کا لفظ استعمال کیا ہے، مگر اس کی تحدید نہیں کی ہے کہ وہ اس قدر لمبا چوڑا ہو، مگر دونوں سے مراد ایسا چھوٹا گڑھا ہے جس کی مچھلیوں کو پکڑنے میں کسی حیلہ و تدبیر یا شکار کی ضرورت نہ پڑے اور اگر بڑے تالاب میں بھی یہی کیفیت کبھی پائی جائے کہ اس کا پانی برائے نام ہو تو یہی حکم ہوگا، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک سوال کے جواب میں "حظیرۃ صغیرۃ" کے بارے میں یہ لکھا ہے:

"حظیرہ صغیرہ کی حد کسی پیمائش سے نہیں ہے کہ "يمكن الأخذ منها بلا تكلف واحتيال" (امداد الفتاوی ۳؍۴۸)۔

اور اگر تالاب میں مچھلیوں کو فروخت کرنے کی یہ صورت ہو کہ تالاب بڑا ہو اور پانی سے بھرا ہو اور فروخت کرنے والا اس کی مچھلیوں کو فروختگی کے بعد بلا کسی حیلہ وتدبیر کے خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہو تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے "بیع غرر" سے منع کیا ہے۔

اس طرح اس قسم کے بیع کے بطلان پر اجماع ہے، جیسے پیٹ میں جنین کی بیع، یا ہوا میں پرندہ کی بیع، یہ مسئلہ ہے کہ غرر کی وجہ سے کونسی بیع باطل ہے اور کون سی نہیں، اس بارے میں علماء کے اقوال کا مدار وہی ہے جو میں نے بیان کیا اور یہ کہ: "حاجت ارتکاب غرر" کی داعی ہو، اور اس قسم کی بیع جائز ہے، ورنہ نہیں۔

اور اس باب کے کچھ مسائل میں "بیع کی صحت وفساد" کے بارے میں علماء کے درمیان جو اختلاف رائے ہے، جیسے ثمن غائب (یعنی ایسی شئی جو سامنے نہ ہو) کی بیع تو یہ اختلاف اسی قاعدہ پر مبنی ہے، بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس میں "معمولی غرر" ہے، اس لئے غرر نہ ہونے کے درجہ میں ہے، لہٰذا بیع صحیح ہے، اور دوسرے لوگوں کی رائے میں "غرر معمولی نہیں ہے" اس لئے وہ اس بیع کو باطل قرار دیتے ہیں" (شرح مسلم للنووی ۲/۲)۔

فقہاء احناف نے بھی "حقیر غرر" کو نہ ہونے کے درجہ میں قرار دے کر بیع کو جائز قرار دیا ہے، اسی لیے وہ "حوض" میں مچھلی کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، (تفصیل کے لئے دیکھئے: شرح العنایہ مع الفتح ۶/۴۰۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ تالاب جس کی مچھلیوں کو بڑی ہونے کی وجہ سے پانی سے نکالے بغیر یا جال ڈالے بغیر ہاتھ سے پکڑا نہ جا سکتا ہو، پانی کے اندر ایسی مچھلیوں کی خرید وفروخت جائز نہیں، اور جس کی مچھلیوں کو پکڑنے میں پانی نکالنے یا جال ڈالنے کی ضرورت نہ ہو، اس حوض کی مچھلیوں کو حوض کے اندر خرید وفروخت کرنا جائز ہے، مگر اس صورت میں ہر جگہ مچھلیوں کو پکڑ کر خریدار کے حوالہ کرنا "بائع" کی ذمہ داری ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: حوالہ سابق)۔

موقوفہ تالاب کی مچھلیاں:

علامہ ابن نجیم مصری نے "البحر الرائق" میں اراضی بیت المال، اور اراضی موقوفہ کی مچھلیوں کی (تالاب میں) خرید وفروخت کے بارے میں لکھا ہے:

"لا یجوز بیع السمک فی الآجام إلا إذا کان فی أرض بیت المال، ویلحق به أرض الوقف"

اس روایت کی بناء پر گڈھوں کی مچھلیوں کی بیع جائز نہیں ہوگی، بجز اس صورت کے جب یہ اراضی بیت المال یا موقوفہ میں واقع ہو۔

اور اس کی اصل حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول ہے، اسے امام ابو حنیفہ نے اپنے شیخ حماد کے ذریعہ روایت کیا ہے، جسے امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے۔

"عن أبي يوسف عن أبي حنيفة عن حماد عن عبد الحميد بن عبد الرحمن أنه كتب إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن بيع صيد الآجام فكتب إليه عمر أنه لا بأس به وسماه الحبس"۔

حضرت عمر بن عبد العزیز سے عبد الحمید نے آجام کی مچھلیوں کی بیع کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور لیکن شیخ خیر الدین رملی نے اس روایت پر عمل کو مشکل بتایا ہے، وہ کہتے ہیں۔

"أقول الذي علم مما تقدم عدم جواز البيع مطلقا سواء كان بحرا أو نهرا أو أجمة وهو بإطلاقه أعم من أن يكون في أرض بيت المال أو أرض الوقف"۔

اوپر کی بحث سے (پانی میں) ہر طرح کی مچھلیوں کی بیع کا ناجائز ہونا معلوم ہو گیا، چاہے وہ سمندر میں ہوں یا دریا میں یا گڈھوں میں یہ عدم جواز مطلق ہو یا اراضی موقوفہ میں۔

اور اس روایت کی یہ تاویل کی ہے۔

"ويجاب بأنه في آجام لذلك وكان السمك فيها مقدور التسليم"

یہ جواب دیا جائے گا کہ ایسے گڈھوں کے بارے میں ہے جس کو اسی مقصد کے لیے بنایا گیا ہو اور ان کی مچھلیوں کو پکڑنا آسان اور وہ مقدور التسلیم ہو۔

اور یہی تاویل علامہ ابن ہمام نے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ومعلوم أن الأجمة قد يؤخذ منها السمك باليد"۔

(گڈھوں کی مچھلیوں کو بھی ہاتھ سے پکڑا جاتا ہے) اور اس بارے میں انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وقال أبو يوسف في كتاب الخراج: رخص في بيع السمك في الآجام أقوام، فكان الصواب عندنا في قول من كرهه" (امداد الفتاویٰ ۳/۳۹)۔

ایسے حوض یا تالاب جنہیں مچھلیاں پالنے کے لئے نہیں بنایا گیا ہو چاہے وہ نجی ملکیت کے ہوں یا عوامی ملکیت کے ہوں اس میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش سے از خود پیدا ہو جاتی ہوں یا ندی وغیرہ کے پانی کے ساتھ اس میں آجاتی ہیں تو کیا ایسے تالاب کی مچھلیوں کا مالک تالاب والا ہی ہوگا یا نہیں، اور ان کی مچھلیوں کو تالاب کا مالک کسی دوسرے سے فروخت کر سکتا ہے یا اجارے پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "امداد الفتاویٰ" میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے:

اس مقام میں دو کلام ہیں ایک مچھلی کے مملوک اور غیر مملوک کے متعلق دوسرے اس کے جواز بیع وعدم جواز کے متعلق سو امر اول میں تین صورتیں ہیں اور ہر صورت کا جدا حکم ہے ایک صورت یہ ہے کہ مچھلی پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں چھوڑنے اس کا حکم یہ ہے کہ وہ مچھلی اور اس کی نسل سب چھوڑنے والے کی مملوک ہیں، دوسرے بلا اذن پکڑنا درست نہیں۔

دریا اور سمندر میں مچھلی کی بیع:

اوپر چھوٹے اور بڑے تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کا ذکر تھا جس کا تفصیلی حکم بیان کیا گیا، اسی طرح اگر کسی نے دریا اور سمندر میں پائی جانے والی مچھلیوں کو بغیر شکار کئے کسی سے فروخت کر دیا یا ایسے تالاب کی مچھلیوں کو فروخت کیا جس کا وہ مالک نہیں ہے، نہ مچھلی کا مالک ہے اور نہ تالاب کا، یا تالاب کا تو مالک ہے، لیکن مچھلیوں کا مالک نہیں، تو اس طرح کی بیع جائز نہیں ہوگی۔ شیخ ظہیر الدین مرغینانی صاحب "ہدایہ" لکھتے ہیں:

"ولا يجوز بيع السمك قبل اصطياد ولأنه باع ما لا يملكه" (الہدایہ مع فتح القدیر ۶/۴۰۹)۔

مچھلی کا شکار کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ایسی شئی کی بیع ہے جس کا وہ مالک نہیں۔

اور علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"بیع السمک فی البحر أو النهر لا یجوز"

(سمندر اور دریا میں مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے)۔

مگر خریدار نے اگر مچھلیوں کا شکار کیا یا اجیر رکھ کر شکار کرایا تو وہ ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، اور اس طرح کی تمام مچھلیاں جو بازار میں فروخت ہوتی ہیں بلا کراہت مسلمانوں کے لئے ان کی خرید و فروخت و استعمال جائز ہوگا، یہی حکم ان تالابوں کا ہے جن کی مچھلیاں مالک تالاب کی ملکیت میں نہ ہوں، مگر اس نے فروخت کر دیا تو پھر مچھلی پکڑنے والا ان کا مالک ہو جائے گا۔

☆☆☆

مچھلی کی خرید وفروخت سے متعلق چندمسائل

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

درج ذیل عنوان کے تحت مرسلہ سوالوں کے مختصر اور اجمالی عنوان اور مقصود یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ آج کل مارکیٹ ومنڈی میں فروخت کی جانے والی مچھلیوں کا کسی مسلمان کے لئے خریدنا اور استعمال کرنا شرعاً جائز اور حلال ہے یا نہیں؟ کیونکہ ان مچھلیوں کا بائع ان کے حاصل کرنے میں بسا اوقات ایسے ذرائع بھی اختیار کرتا ہے جنہیں شرعاً بیع فاسد یا بظاہر بیع باطل ہی کہا جاسکتا ہے، اور یہ دونوں ذریعے از روئے اسلام موجب اثم، واجب الاحتراز، لازم الفسخ ہیں، یا پھر مفید للملک بھی نہیں۔

میرے نزدیک اس سوال کا مختصر اور اجمالی جواب یہی ہے کہ منڈی میں مچھلی فروخت کرنے والا مسلم ہو یا غیر مسلم بلا تجسس وتفتیش ہر ایک مسلمان کے لئے بھی اس سے مچھلی خریدنا اور استعمال کرنا جائز وحلال ہے، کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ برائے فروخت منڈی میں لائی جانے والی مچھلیاں عام حالات اور اکثر صورتوں کے اعتبار سے شرعاً جائز وصحیح اور مفید للملک ذریعہ ہی سے حاصل کرکے لائی جاتی ہیں۔

اقل قلیل اور شاذ ونادر ہی وہ صورت اور ذریعہ متحقق ہو پاتا ہے جس سے اس مچھلی میں خباثت پیدا ہو جائے، گو وہ خباثت بھی غیر متعدیہ ہو، یا وہ ذریعہ حصول بائع کے لئے مفید للملک ہی نہ بن سکے، اس لئے "العبرة للأغلب" اور "النادر کالمعدوم" پر نظر رکھتے ہوئے حکم

☆ ناظم اشرف العلوم، کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

شرعی یہی بیان کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں پر تجسس وتفتیش لازم نہیں، وہ مارکیٹ میں فروخت کی جانے والی مچھلیاں بعقد صحیح خرید کر استعمال کرسکتا ہے۔

اس مختصر واجمالی جواب کی دلیل درج ذیل مقدمات ہیں:

۱- اپنی جگہ یہ امر طے اور مسلم ہے کہ بیع وشراء کے انعقاد کے لئے شریعت نے جو شرطیں لگا رکھی ہیں، مثلاً عاقدین میں اہلیت اور مبیع میں محلیت وغیرہ ان کی رعایت وپرواہ کے بغیر جو بیع وشراء ہوگی وہ بیع باطل کہلائے گی، جو بعد القبض بھی مفید للملک نہیں ہوگی، اور اس کی حرمت اور شناعت وخباثت علم واطلاع کے بعد شخص آخر تک متعدی بھی ہوتی رہے گی۔

۲- لیکن جس بیع وشراء میں شرائط انعقاد وعقد کی رعایت ہوجائے مگر شرائط صحت عقد کا لحاظ نہ رکھا جائے وہ بیع فاسد ہوگی، مثلاً مبیع مجہول القدر اور غیر مقدور التسلیم وغیرہ ہو تو ایسے عقد سے متعاقدین عاصی وگنہگار ہوتے ہیں، اس لئے ایسا عقد واجب الفسخ ہوتا ہے، لیکن بایں ہمہ اگر جانبین سے عوضین کا تسلیم وتسلم ہوجائے تو عاقدین اپنے اپنے عوض کے مالک بن جاتے ہیں، گو ملکیت میں خباثت ہوتی ہے، اور اس کے بعد دونوں کا اپنے عوضین پر ہر ایک کا تصرف جدید بشکل بیع وہبہ اور اجارہ وغیرہ شرعاً صحیح ہوا کرتا ہے، اور کسی تیسرے شخص کا علم واطلاع کے باجود بعقد صحیح سے حاصل کرنا جائز ہی ہوا کرتا ہے، اس کی معصیت اور شناعت وخباثت متعدی نہیں ہوا کرتی۔

۳- مچھلیاں اپنی ذات سے مباح الاصل ہیں جب تک ان مچھلیوں پر کسی نہ کسی سبب ملک کے ذریعہ کسی شخص کی ملکیت ثابت نہ ہوجائے، اس وقت تک جو بھی ان مچھلیوں کا شکار کرے گا وہ اس احراز واصطیاد کے سبب شرعاً مالک بن جائے گا اور وہ اس کی بیع وشراء بلا قباحت وشناعت کرسکتا ہے، کیونکہ مباح الاصل کا احراز واصطیاد مستقل سبب ملک ہے۔

۴- حوض، یا تالاب اگر کسی کی شخصی اور نجی ملکیت میں ہے تب بھی اس کی مچھلیاں صاحب حوض کی مملوک نہیں ہوجاتیں جب تک امور ذیل میں سے کسی صورت کا تحقق نہ ہوجائے:

الف- وہ حوض وتالاب بنایا ہی گیا ہو مچھلی کی پرورش کے لئے، اب اس میں باضابطہ رکھ کر مچھلیاں پالی بھی جاتی ہیں، یا ازخود مچھلیاں کسی طرح ان میں جمع ہوجاتی ہیں اور پلائی جاتی ہیں۔

ب- یا گو حوض وتالاب اس مقصد کے لئے نہ بنایا جائے مگر حوض وتالاب کے مالک نے باقاعدہ باہر سے مچھلیاں لالا کر اور پکڑ پکڑ کر اس میں جمع کر رکھا ہے۔

ج- یا مچھلیاں ازخود کسی طرح آکر جمع ہوگئیں ہوں، مگر مالک حوض نے ان کے روکنے اور حفاظت کی تدبیریں (سد مدخل) وغیرہ کے ذریعہ اختیار کی ہو۔

اگر ان میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے تو پھر اس تالاب کی مچھلیاں صاحب تالاب کی مملوکہ نہ ہوں گی، بلکہ مباح الاصل ہی کہلائیں گی جو بھی شکار کرے گا وہ مالک قرار پائے گا، کیونکہ مباح الاصل اشیاء کے لئے احراز واصطیاد مستقل سبب ملک ہے۔ کما قلنا فی مقدمۃ ثانیۃ۔

وھذہ کلھا مصرح فی الکتب الفقھیۃ المتداولۃ (بحرالرائق ۶، ص ۷۰، فتح القدیر ۶، ۴۰۹ پاکستانی)۔

ان مقدمات بالا کی روشنی میں مرسلہ سوالوں کا علی الترتیب مفصل جواب حسب ذیل ہوگا:

سوال ۱- چونکہ ندی نالے اور نہریں کسی بھی فرد حقیقی یا اعتباری کی ملک نہیں، بلکہ سرکاری تحویل میں اراضی حیاز کے قبیل سے ہیں، اب خواہ اس کا نام ملک سرکار ہی کو تسلیم کرلیا جائے، تاہم چونکہ ان ندیوں، نالوں اور نہروں کو مچھلی پالنے کے لئے بنایا ہی نہیں گیا ہے، اور نہ ہی کوئی سرکاری عملہ باہر سے مچھلی لا لا کر اس میں رکھتا ہی ہے، اور نہ ازخود آئی ہوئی مچھلیوں کی حفاظت ورکاوٹ کے لئے سرکار یا اس کا عملہ کوئی تدبیر ہی اختیار کرتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان ندیوں، نالوں اور نہروں میں موجود مچھلیاں کسی کی بھی مملوکہ نہیں ہیں، اس کی بیع معدوم الملک بیع باطل ہوگی، اسی طرح سرکار کی طرف سے بالعوض بندوبست ونیلام کرنا اور بیچنا اور ٹھیکیداروں کا اسے خریدنا اور عوض ادا کرنا سب ہی فعل عبث ناجائز ہوا، عوض لینا سرکار کا ظلم اور غصب حرام ہوا اور عوض دینا ٹھیکیدار کا

اپنا نقصان اور مال کا ضیاع ہوا، گو اس ضیاع مال کے سبب عند اللہ یہ لوگ مجرم نہ قرار پائیں، کیونکہ دراصل مباح الاصل اشیاء سے استفادہ اور اس کے احراز و اصطیاد کا جو حق شرعاً حاصل تھا ظالم سرکار سے اپنے اس حق کو حاصل کرنے اور دفع ظلم کے لئے انہوں مال خرچ اور ضائع کیا ہے "فکما یجوز الرشوة لدفع الظلم یجوز ھذا أیضاً"۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیع وشراء، بندوبست ونیلام وغیرہ کا جو بھی معاملہ بظاہر کیا گیا وہ درحقیقت عقد باطل "کان لم یکن" رہا۔ اور مچھلیاں فی نفسہ علی حالہ مباح الاصل ہی رہ گئیں، اب اس کے بعد ٹھیکیداروں نے از خود یا اپنے وکیل واجیر کے ذریعہ جو مچھلیوں کا شکار کیا یہ مستقل عمل جدید احراز واصطیاد کا پایا گیا جو سبب ملک ہے، اس لئے ٹھیکیدار ان مچھلیوں کا شرعاً جائز مالک بن گیا، اس کا ان مچھلیوں کو منڈیوں میں فروخت کرنا بھی صحیح اور ہر کسی کا اس سے خریدنا اور استعمال کرنا بھی صحیح، اگر ٹھیکیداروں کو اسی عقد باطل کے نتیجے میں مالک اور فروخت کرنے کا مجاز قرار دیا جاتا تو پھر بحکم مقدمہ اولی حرمت وشناعت وخباثت متعدی ہوتی۔ اما لا فلا۔

جواب ۲- اس کا جواب تفصیل بالا سے نکل آیا کہ جب ٹھیکیدار احراز واصطیاد کے نتیجے میں مچھلیوں کا مالک بنا ہے تو مسلمانوں کا اس سے خریدنا اور استعمال کرنا بلا غبار جائز وحلال ہی ہوگا۔

جواب ۳- جو حوض وتالاب کسی کی ذاتی ملک ہے اور اس میں باضابطہ مچھلیاں پالی گئیں ہیں تب تو ظاہر ہے کہ صاحب حوض ان مچھلیوں کا مالک بن چکا ہے مگر قبل الاصطیاد مبیع مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی، اب جبکہ وہ خریدار ٹھیکیدار مچھلیوں کو نکال کر، یعنی قبضہ میں لاکر فروخت کرتا ہے تو اس کا یہ تصرف بھی صحیح، مسلمانوں کا اس سے خریدنا بھی بالکلیہ صحیح "بحکم مقدمة ثانیة"۔

جواب ۴- کوئی حوض وتالاب اگر فرد حقیقی یا حکمی واعتباری کی ملک ہو مگر اس کی مچھلیوں پر اسباب ملک میں سے کسی سبب ملک (مھیا للسمک، احراز، سد مدخل) کے نہ پائے

جانے کے سبب ملکیت ثابت نہ ہوگی تو مچھلیاں مباح الاصل رہ گئیں، اب اس کا فروخت کرنا مالک حوض کے حق میں عقد باطل کے ذریعہ عوض لینا حرام وسحت ہوگا، اور دوسروں کو شکار سے روکنا خلاف انسانیت ومروت ہوگا، تاہم مچھلیدار اپنے عمل مستقل احراز واصطیاد کے سبب مچھلیوں کا مالک بن جائے گا، تو پھر ان سے دوسرے لوگوں کا مچھلیاں خریدنا بلاغبار جائز ہی ہوگا" بحکم مقدمة ثالثة ورابعة"۔

مارکیٹ ومنڈی میں فروخت کی جانے والی مچھلیاں عموماً انہیں مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح حاصل کی جاتی ہیں اور سب ہی کی بیع وشراء بہ تفصیل بالا جائز ہی ہوگی، اقل قلیل اور شاذ ونادر صورت بس یہ رہ جاتی ہے کہ منڈی میں مچھلی کے فروخت کنندہ کسی کی مملوکہ مچھلیوں کو غصب وسرقہ کرکے لائے اور بیچے "وهذا نادر جدا"۔

اس لئے میرے نزدیک بلاتفتیش وتجسس منڈی میں فروخت ہونے والی تمام ہی مچھلیوں کی خریدگی ہر مسلمان کے لئے جائز ہی کہلائے گی۔

☆☆☆

مچھلی کی بیع وشراء

مفتی احمد دیولوی [1]

مچھلیوں کی بیع وشراء کے سلسلہ میں دو چیزیں بنیادی طور پر ضروری ہے:

۱- اس کا مالک ہونا۔

۲- مشتری کو سپرد کرنے پر قادر ہونا۔

سوال میں مذکور شکلیں انہی شرائط کے ماتحت جائز ہوں گی۔

۱- مالک ہونے کی مختلف شکلیں ہیں: (۱) مچھلی کی پرورش اور نشوونما کے لئے ہی تالاب میں رکھا گیا ہو۔ (۲) کسی آدمی نے مچھلیاں تو نہیں ڈالیں لیکن ندی یا تالاب میں آنے جانے والی مچھلیوں کو روکنے اور واپس نہ جانے کی کوئی تدبیر کی۔ (۳) مچھلی کا شکار کرکے اس کو اپنے برتن میں حفاظت سے رکھ دے۔

دوسری ایک شکل فقہاء کرام نے ذکر فرمائی ہے کہ کسی کے تالاب میں مچھلیاں بغیر کسی محنت ومشقت کے خود آجائے تو صرف آجانے سے وہ اس کا مالک نہیں ہوجائے گا، مثلاً کسی کے کھیت میں پرندہ کے بچے یا انڈے دیدے تو زمین والا اس کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ جو بھی اس بچہ یا انڈا کو اٹھائے وہ اس کا مالک ہوجائے گا "كما لو باض الطير في أرض إنسان أو فرخت، فإنه لا يملك لعدم الإحراز" (عنایہ شرح ہدایہ ۶/۲۱۰)۔

۲- مقدور التسلیم ہونا۔

[1] جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات۔

۱- اس کی شکل تو یہ ہے کہ شکار کر کے برتن میں رکھ دیا جائے۔

۲- کسی ایسے چھوٹے گڑھے میں رکھی جاوے جس سے نکالنا آسان ہو۔

جس شکل میں آدمی مالک ہی نہ ہو تب تو خرید و فروخت درست ہی نہیں ہے۔

"نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما ليس عند الإنسان" (بدائع ۵/۱۴۷)۔

(حضور ﷺ نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو آدمی کے پاس موجود نہ ہو)۔

"عن حكيم بن حزام قال: يا رسول الله! يأتيني الرجل فيريد مني البيع ليس عندي أفأبتاعه له من السوق، فقال: لا تبع ما ليس عندك، أخرجه ابو داؤد و سكت عنه" (اعلاء السنن ۱۴/۱۵۱)۔

(حکیم بن حزامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ایک آدمی مجھ سے ایک سامان خریدنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے تو کیا کہ اس بنیاد پر میں سودا کر سکتا ہوں کہ بازار سے خرید کر اس کو دیدوں؟ آپ نے فرمایا: جو سامان تمہارے پاس نہیں ہے اس کا سودا مت کرو)۔

۳- کسی طرح مالک تو ہو، لیکن سپردگی پر قادر نہ ہو تو بھی حدیث شریف میں منع فرمایا گیا۔ "کتاب الخراج" میں امام ابو یوسف نے روایت لکھی ہے:

"حدثنا يزيد بن أبي زياد عن المسيب بن رافع عن عبد الله بن مسعود أنه قال: لا تبيعوا السمك في الماء، فإنه غرر. قال أبو يوسف: حدثنا ابن أبي ليلى عن عامر الشعبي قال: نهى النبي ﷺ عن بيع الغرر" (کتاب الخراج ص ۹۴، ۹۵)۔

(ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے: پانی کے اندر مچھلی کا سودا نہ کرو، کیونکہ یہ دھوکہ کا سودا ہے، امام ابو یوسف نے امام شعبی کا ارشاد نقل کیا ہے: نبی ﷺ نے غرر (دھوکہ) کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے)، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدیر لابن ہمام ۵/۲۰۵، البحر الرائق ۶/۷۱، خلاصہ

الماء، فإنه غرر"۔

جواب ۲: ٹھیکیدار کا فاسد طریقے سے حاصل کی ہوئی مچھلیاں بیچنا۔

یہ بیع فاسد ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ معقود علیہ میں ملکیت کا فائدہ صاحب ملک کی رضامندی کے بغیر نہیں دیتا ہے اور مبیع مشتری کے قبضہ میں قبضہ ضمان کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مثل یا قیمت کا ضامن ہوتا ہے (الاختیارات ص ۱۸۳)۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

ثم إنه وإن أفاد الملك وهو مقصود فى الجملة لكن لا ينعقد تمامه إذ لم ينقطع به حق البائع من المبيع ولا المشترى من الثمن إذ لكل منهما الفسخ بل يجب عليه (فتح القدیر ص ۲۰۱)۔

(اس صورت میں اگرچہ مالک کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ فی الجملہ مقصود بھی ہے، لیکن بیع تمام نہیں ہوگی، کیونکہ خرید کردہ سامان سے بائع کا حق ختم نہیں ہوا اور مشتری کا ثمن سے، کیونکہ ان میں سے ایک کو حق فسخ حاصل ہے بلکہ فسخ واجب ہے)۔

"ہدایہ" میں ہے:

"وإذا قبض المشترى المبيع فى البيع الفاسد بأمر البائع وفى العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع ولزمته قيمته (ہدایہ ۳/۴۷)۔

(اور جب مشتری بیع فاسد میں مبیع پر قبضہ کرلے بائع کے حکم سے اور معاملہ میں دونوں عوض مال ہوں تو مشتری خرید کردہ سامان کا مالک ہو جائے گا اور اس پر قیمت لازم ہوگی)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب اس طرح کے جواب میں فرماتے ہیں: البتہ بغیر پکڑے اور قبضہ میں لائے فروخت کرنا "بیع مالم یقبض" ہو کر بیع فاسد ہوگی اور مملوک رہنے کی وجہ سے بیع باطل نہ ہوگی اور بیع فاسد ہونے کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اگر مالک کے قبضہ میں آئے بغیر فروخت ہو جائے اور مشتری پھر اس کو فروخت کرے اور مالک کو اعتراض نہیں تھا، بلکہ اجازت تھی تو یہ دوسری بیع جو ہوگی وہ صحیح اور "سمک يبيع لهذا البيع" کا استعمال کرنا درست رہے گا

(نظام الفتاوی ار ۲۲۲)۔

حاصل یہ کہ بیع فاسد کے سلسلہ میں اصول احناف کے پیش نظر بائع کی اجازت سے ٹھیکے دار مالک ہو جائے گا اور پھر اس کا دوسرے کو بیچنا اور دوسرے کا خریدنا بھی جائز ہو جائے گا۔

جواب: ۳-حوض یا تالاب چاہے سرکاری ہوں یا کسی شخص کی ذاتی ملکیت والے ہوں ان کی مچھلیاں شکار کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے حکم کی علت غرر اور غیر مقدور التسلیم ہونا ہے، لہذا سوال نمبر (۱) کی طرح ہی اس میں فساد کا حکم لگے گا۔

جواب: ۴-نجی ملکیت کے حوض یا تالاب میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آگئی ہوں تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس شخص نے یہ حوض یا تالاب اسی واسطے بنایا تھا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور کوئی اس کو لے نہیں سکتا پھر اس کے اندر کی مچھلیاں شکار کئے بغیر پکڑی جا سکے تو اس کی بیع جائز ہے، اور بغیر شکار کے پکڑی نہ جا سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے (عالمگیری)۔

''عنایہ'' میں ہے:

''اس صورت میں ارشاد ہے کہ اگر حوض و تالاب کا مالک اس کا منہ بند کر دے تو وہ مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا اور محض اس کے اندر مچھلیوں کے آجانے کی وجہ سے مالک نہیں ہوگا، جیسے کسی کی زمین میں اگر کوئی پرندہ انڈا دے یا بچے تو زمین کا مالک اس کا مالک نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی طرف سے احراز نہیں پایا گیا اس پر اس سے اشکال نہ کیا جائے کہ شہد کی مکھی اگر چھتہ لگائے تو زمین کا مالک محض اتصال کی وجہ سے مالک ہو جائے گا، اگر چہ اس کی طرف سے احراز وغیرہ نہ پایا جائے، کیونکہ شہد کا اتصال زمین سے درخت کے مانند ہے جو اگنے کے بعد کہیں نہیں جاتا، مکھیاں چلی جاتی ہیں مگر شہد برقرار رہتا ہے، برخلاف پرندہ و مچھلی وغیرہ کہ ان کا آنا رہنا عارض ہوتا ہے مستقل و مستند نہیں ہوتا'' (عنایہ مع الفتح ۶ر ۲۱۰ شرح ہدایہ ۳ر ۸۳)۔

لہذا صورت مسئولہ میں مچھلیاں از خود آگئیں تو وہ احراز کی اور اسی نیت سے حوض بنانے کی وجہ سے مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے فروخت کرنا جائز ہوگا، دوسرے کو ٹھیکہ پر دینے کے

سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

علامہ ابن نجیم "ٹھیکہ پر دینے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ مجھے تالاب (بحیرۃ) کے کرایہ پر دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کتابوں میں تفتیش کی، لیکن سوائے "کتاب الخراج" (ابو یوسف) کے یہ مسئلہ کہیں نہیں مجھے ملا۔" امام ابو یوسفؒ نے فرمایا:

"حدثنا عبد الله بن علي عن اسحاق بن عبدالله عن أبي الزناد قال: كتب عمر بن الخطابؓ في بحيرة يجتمع فيها السمك بأرض العراق أن نؤجرها فكتب أن أفعلوا، قال: وحدثنا أبو حنيفة عن حما د قال طلبت إلى عبد الحميد بن عبد الرحمن فكتب إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن بيع صيد الآجام فكتب إليه عمر أنه لا بأس به، وسماه الحبس لكن بعد مدة رأيت في الإيضاح عدم جواز إجارته"۔

علامہ شامی "منحۃ الخالق" میں "النہر الفائق" کے حوالے سے (وکذا فی رد المحتار) ابن نجیم کی عبارت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "ایضاح" کی عبارت قواعد فقہیہ سے زیادہ قریب ہے (جس میں عدم جواز کا قول ہے) علامہ رملی نے دونوں عبارتوں کے تضاد کو دور کرتے ہوئے فرمایا ہے: عدم جواز مطلق ہے، چاہے دریا نہر یا جھاڑی ہو اور چاہے بیت المال کی زمین ہو یا وقف کی ہو، اور امام ابو یوسف کا قول (جواز) بھی قواعد کے خلاف نہیں ہے، لیکن وہ مخصوص شکل اور معلوم منفعت کے لئے (شکار کے لئے) تھا، البتہ امام صاحب کی حضرت حماد سے جواز کی روایت کی تطبیق مشکل ہے، کیونکہ وہ شکار سے پہلے مچھلی کی بیع کرتا ہے، اس کا جواب بھی یہ دیا گیا کہ وہ ایسی جھاڑی اور گنجان درختوں کے بارے میں ہے جو اسی مقصد کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ اور اس میں مچھلی کی سپردگی مقدور التسلیم تھی (منحۃ الخالق علی البحر ۶ر۸۰)۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس طرح کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: تالاب یا دریا ماہی گیروں کو دیدیا جاتا ہے اور دوسروں کو اس تالاب سے مچھلی

پکڑنے نہیں دیتا ہے، یہ بیع باطل ہے۔ وقیہ بعد اسطر۔ بلکہ سب کو مچھلیاں پکڑنے کا شرعاً حق حاصل ہے، از یں مسئلہ زیدی کو یہ کہ بدون اطلاع مالک تالاب خفیہ اگر تالاب سے مچھلیاں پکڑ لاوے تو کچھ گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ شرعاً اس میں سب کا حق ہے، تو حضرت یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: زید کا قول صحیح ہے اور خفیہ مچھلی پکڑنا تالاب سے درست ہے، لیکن اگر مالک تالاب نے مچھلیاں کسی سے لاکر اپنے ہاتھ سے چھوڑی ہوں تو وہ مچھلیوں کا مالک ہوگا اور پھر خفیہ پکڑنا درست نہیں، لیکن بیع کرنا بدون پکڑے ہوئے پھر بھی درست نہیں (امداد الفتاوی ۳ص۵۰)۔

اس مسئلہ پر سوال نمبر (۲) کے ضمن میں مزید کلام ہو چکا ہے۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت

مفتی ثناء الہدیٰ جمالی ☆

سرکاری، نیم سرکاری، عوامی یا شخصی زمرہ ملکیت میں آنے والے سمندروں، دریاؤں، نہروں، نالوں اور تالاب یا حوضوں میں پانی کے اندر مچھلی کی خرید وفروخت کے مسئلہ میں دو الگ حیثیتوں سے شرعی نقطہ نظر دریافت کرنا ضروری ہے۔

۱- ان کو مخصوص مدت کے لئے ٹھیکہ یا اجارہ پر دینا۔

۲- ان میں پائی جانے والی مچھلیوں کو پانی کے اندر ہی خرید وفروخت کرنا۔

پہلی صورت میں ان کے مخصوص حصوں یا گڈھوں کو مچھلی پالنے کے لئے ٹھیکہ یا اجارہ پر دینا چونکہ پانی کے اجارہ کا معاملہ ہے، اس لئے اس کے جواز یا عدم جواز پر شرعی نقطہ نظر کی وضاحت مناسب ہے۔

اس سلسلہ میں عام فقہاء حنفیہ کا رجحان عدم جواز کا ہے، علامہ شامی، ابن نجیم حنفی، اور صاحب "ہدایہ" وغیرہ حضرات کے یہاں بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے۔

ابن نجیم نے لکھا ہے:

"میں نے "کنز الدقائق" کی شرح "البحر الرائق" کے "کتاب البیوع" کی تصنیف کے زمانہ (۹۶۸ھ) میں "وقف یوسفی" کے تحت واقع "کوم الحسن" کے علاقہ کے دریا کو مچھلیوں کے شکار کے لئے اس کے نگراں سے اجارہ پر حاصل کرنے کے جواز کے سلسلے میں اپنے

☆ شیخ الحدیث دار العلوم صدر بازار [illegible]۔

اور "کتاب الخراج" کے حوالہ سے جو بات (جواز اجارہ) کی پہلے نقل کی گئی ہے وہ بھی قواعد فقہیہ سے بعید نہیں ہے اور اس کا مدار کسی مخصوص جگہ کو معلوم قیمت کے لئے کرایہ پر دینا ہے اور درست بھی لگتا ہے۔

مگر عجیب بات یہ ہے کہ علامہ شامی نے "منحۃ الخالق علی البحر الرائق" کے حاشیہ میں خیر رملی کے اس قول پر کوئی تنقید نہیں کی، گویا یہیں جواز اجارہ کے قول کو قابل قبول تصور کیا اور "رد المحتار علی الدر المختار" میں اس پر تنقید کرتے ہوئے یہ لکھا:

"لكن قوله غير بعيد الخ فيه نظر، لأن الإجارة واقعة على استهلاك العين وسيأتي التصريح، فإنه لا يصح إجارة المراعي، وهذا كذلك لهذا المقدسي لعدم الصحة واعترض البحر بما قلنا ــــ والله اعلم" (شامی ۴: ۲۰)۔

مگر خیر رملی کے قول "غیر بعید" میں شامل ہے، کیونکہ اجارہ دراصل محسوس چیز کو ختم کرنے پر ہوا ہے اور مگر جب یہ صراحت آ رہی ہے کہ مراعی (چراگاہ میں گھاس چرانے) کا اجارہ صحیح نہیں ہے، اور یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے، اسی واسطے مقدسی نے عدم صحت کا یقین ظاہر کیا ہے اور صاحب "بحر" نے اس کے جواز پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ ہم نے بھی کہا ہے۔

علامہ شامی کا اعتراض اور جواب:

شامی کے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ چراگاہ کی گھاس کا اجارہ اس لئے درست نہیں کہ اس میں عین مباح (گھاس) کو ختم کرنے پر اجارہ ہوا ہے، جبکہ عین مملوک مثلاً (گائے کو دودھ پینے کے لئے اجرت پر لینے کی شکل میں) دودھ کا اجارہ صحیح نہیں ہے تو عین مباح (گھاس) کا اجارہ بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔

"أما الإجارة فلأنها عقدت على استهلاك عين مباح ولو عقدت على الاستهلاك عين مملوك بأن استأجر بقرة يشرب لبنها لا يجوز فهذا أولى"

(ہدایہ ۳: ۵۰)۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عقد اجارہ میں صراحت کا تعلق عین سے حاصل ہونے والے منافع سے ہوتا ہے، نہ کہ خود عین (محسوس شی) سے، "لأن المستحق لعقد الإجارة على الأجير المنافع لا الأعيان" (کفایہ علی ہامش فتح القدیر ۸/۱۹۸) کیونکہ عقد اجارہ سے جس چیز کا وہ مستحق ہوا ہے وہ منافع ہے، نہ کہ عین شی کا۔

"شامی" کے نزدیک ہو بہو یہی صورت ندی، تالوں اور نہروں کے اجارہ کی ہے کہ اسکندریہ میں مستاجران کے پانی کا مالک بن جاتا ہے، جبکہ عقد اجارہ سے اس کو صرف پانی کے منافع کو مستحق ہونا چاہئے، بنا بریں ندی، تالوں اور نہروں کا اجارہ درست نہیں، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ندی، نہروں کے اجارہ یا ٹھیکے میں سرکار یا شخص پانی کو ٹھیکے پر نہیں دیتے، بلکہ اس کے پورے رقبہ کو پانی کے ساتھ ٹھیکے پر دیتے ہیں، اور ٹھیکہ دار کا مقصود پانی کا ٹھیکہ لینا نہیں ہوتا، بلکہ مچھلی کی پرورش ہوتا ہے اور فقہاء نے یہ صراحت کی ہے کہ جہاں عین ہی نفع کے حصول کا ذریعہ ہو، جس کے لئے عقد اجارہ ہوا ہے تو وہاں عین کا اجارہ درست ہے:

"إلا إذا كانت الأعيان آلة لإقامة العمل المستحق بالإجارة، كالصبغ في استيجار الصباغ، واللبن في الاستيجار الظئر لكونه آلة للحضانة والظئورة" (کفایہ علی ہامش فتح القدیر ۸/۱۹۸)۔

(مگر (اس وقت عین کا اجارہ بھی جائز ہے) جب اعیان (مادی محسوس شی) اس عمل کو قائم کرنے کا آلہ ہو جس کا مستاجر عقد اجارہ سے مستحق ہوا ہو، جیسے رنگ رنگریز کو اجارہ پر لینے کی شکل میں، یا جیسے دودھ دایہ کو اجارہ پر لینے کی صورت میں، کیونکہ دودھ یہاں بچے کی پرورش اور دایہ بننے کا آلہ اور ذریعہ ہے)۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ندی، نہروں کو اجارہ پر لینے کی شکل میں بھی پانی مچھلی کی پرورش اور اس کے شکار کی منفعت کے حصول کا آلہ اور ذریعہ ہے، لہذا ٹھیکہ داران کو ٹھیکہ پر لینے کے بعد مچھلی کے شکار کے واسطے سے تبعاً پانی کا مالک ہو جائے گا۔

اور اس طرح اس کا عقد اجارہ درست قرار پائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' کی روایت اور علامہ رملی کی صراحت کے مطابق شکار کی منفعت معلومہ کے لئے موضع مخصوص کی اجارہ داری قواعد فقہیہ کے قریب تر ہو جائے گی۔

جواز اجارہ کی دوسری دلیل:

مذکورہ بالا صورت مسئلہ میں جواز اجارہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ جہاں قواعد فقہیہ کے بالمقابل کوئی حدیث (مرفوع یا ماثور) موجود ہو تو وہاں قواعد فقہیہ کے برخلاف استحسان پر عمل درست ہوتا ہے۔

چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد جس مسبوق کی دو رکعتیں چھوٹ گئی ہوں ان کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد حسب قواعد فقہیہ اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ ایک رکعت پڑھ کر قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر دوسری رکعت ادا کر کے قعدہ اخیرہ پر سلام پھیرے، لیکن مسبوق اگر دونوں رکعتیں ادا کر کے ایک ہی قعدہ اخیرہ کر کے نماز پوری کرے تو اس پر سجدہ سہو اور نماز کا اعادہ اس لئے واجب نہیں کہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں اس صورت کا جواز منقول ہے (مجمع الزوائد ۱؍۷۹)۔

شیخ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں:

"ویقعد فی أولها، لأنها ثنائیة ولو لم یقعد جاز استحساناً لا قیاساً ولم یلزم سجود السهو" (غنیۃ المستملی ۵۵۵)۔

اس کو ان دونوں میں پہلی رکعت پر قاعدہ کرنا چاہئے، کیونکہ مسبوق کی یہی دوسری رکعت ہے، لیکن اگر اس نے قعدہ نہیں کیا تب بھی خلاف قیاس استحساناً جائز ہے، سجدہ سہو لازم نہیں۔

صاحب ''غنیۃ'' کا یہی قول خود علامہ شامی نے بھی نقل کیا ہے اور اس پر کوئی تنقید نہیں کی (شامی ۱؍۵۵۸)۔

نہ ہوتو صاحب حوض بالاجماع اگرچہ اس کا مالک ہو جائے گا، لیکن غیر مقدور التسلیم ہونے کی بنا پر خرید وفروخت کا معاملہ فاسد ہوگا۔

۳- کسی افتادہ زمین کے حوض یا تالاب میں جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو کسی شخص نے مچھلیاں ڈالی ہوں یا ان میں از خود جمع ہو گئی ہوں، لیکن اس نے ان کو روکنے کے لئے یا ان میں مچھلیوں کو جمع کرنے کے لئے کوئی حیلہ کیا ہو تو ایسی صورت میں وہ شخص ان کا مالک ہو جائے گا، لیکن بلا حیلہ پکڑنا ممکن نہ ہو تو اس کی فروختگی غیر مقدور التسلیم ہونے کی بنا پر فاسد ہوگی۔

۴- کسی شخص نے اپنی زمین میں کوئی چھوٹا گڈھا یا کنواں کھود کر ان میں مچھلیوں کو ڈالا ہو یا بڑے تالاب میں چلمن کے اندر مچھلیوں کو محبوس کر رکھا ہو اور انہیں شکاری حیلے کے بغیر پکڑ سکتا ہو تو وہ شخص ان کا مالک قرار پائے گا اور مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع بھی جائز ہوگی (البحر الرائق ۶ر ۳۷، فتح القدیر ۵ر ۱۹۱، رد المحتار ۴ر ۱۰۶)۔

فقہاء کی تصریحات کے مطابق ان ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ معدوم یا بیع غرر یا غیر مقدور التسلیم ہونے کے سبب باطل یا فاسد ہیں اور چوتھی صورت میں اگرچہ عام فقہاء کے نزدیک بیع جائز ہے، لیکن علامہ ابن ہمام کے مطابق بیع مکروہ ہے۔

"فكان الصواب عندنا في قول من كرهه" (فتح القدیر ۵ر ۱۹۱)۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ صورت حال میں کیا فقہاء متقدمین کے قول پر عدم جواز کا ہی فتوی دیا جائے گا؟ یا حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر جواز بیع کی گنجائش پیدا کرنا مناسب ہوگا۔

مذکورہ بالا احکام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم جواز کی علت عدم ملک یا بیع غرر یا معدوم کی بیع یا بیع غیر مقدور التسلیم ہوتا ہے، اور ان سب علتوں کا حاصل یہ ہے کہ مبیع اپنے اوصاف اور وجود کے اعتبار سے نامعلوم اور مجہول ہے اور ان سب کا جامع غرر ہے اور ضابطہ شرعی کے مطابق مجہول ومغرور کی بیع ناجائز ہونی چاہئے۔

پانی میں مچھلی کی بیع کے جواز کے دلائل:

پہلی دلیل:

لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں جن میں بیع مجہول ہونے کے باوجود فقہاء نے عام لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ کافی وشافی بحث علامہ طیبیؒ نے اپنی شرح ''مشکوۃ'' میں حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث مرفوع:

''عن أبی ھریرۃؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع الغرر وبیع الحصاۃ''

(مشکوۃ المصابیح ا رے ۱۳)۔

(رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر اور کنکری پھینکنے والی بیع سے منع کیا ہے) کے ذیل میں فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

بیع غرر سے ممانعت ''کتاب البیوع'' کے اصولوں میں عظیم ترین اصل ہے اور اس میں بہت سارے بے شمار مسائل داخل ہیں، جیسے معدوم ومجہول کی بیع، اور وہ بیع جس میں مبیع کی سپردگی پر قدرت نہ ہو، یا جس بیع پر بائع کی ملکیت مکمل نہ ہو اور اسی قسم کے مسائل جن میں غرر بلا حاجت لازم آتا ہو۔

اور علماء نے غرر حقیر کے جواز پر اجماع کیا ہے، مثلاً روئی سے بھری ہوئی بنڈی کی بیع جائز ہے اور صرف اس کے اندر کے بھراؤ کو بیچنا جائز نہیں اور گھر اور جانور اور کپڑے کو ایک مہینے کی اجرت پر بیچنے کے جواز پر بھی علماء نے اجماع کیا ہے، حالانکہ مہینہ کبھی تیس دن اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے، اسی طرح حمام (غسل خانہ) میں اجرت پر داخل ہونے کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، باوجودیکہ پانی بہانے اور اس میں ٹھہرنے کی مقدار پر لوگوں کی عادتیں مختلف ہیں اور پانی کی سبیل سے معاوضہ دے کر پینے کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، حالانکہ پینے کی مقدار مجہول ہے اور پینے والوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں (نفع قوت المغتذی حاشیہ ترمذی لجلال الدین السیوطی ا رے ۱۳)۔

دوسری دلیل:

خلاصہ تحریر یہ ہے:

بیع کے باطل ہونے کا دارومدار غرر بلاضرورت پر ہے، ورنہ اگر غرر کے باوجود اس کے ارتکاب کی حاجت ہو اور اس سے بلا مشقت بچنا ممکن نہ ہو یا غرر معمولی ہو تو بیع جائز ہوگی، اس مسئلہ میں جواز بیع کی ایک اور دلیل "تعامل ناس" بھی ہے، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"وتفابل الناس من غير نكير أصل من الأصول كبير لقوله ﷺ: ما راه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن، وقال ﷺ: لا تجمع أمتي على ضلال وهو نظير دخول الحمام بأجرته جائز لتعامل الناس، وإن كان مقدار المكث وما يصب من الماء مجهولا، وكذلك شرب الماء من السقاء بفلس والحجامة بأجرة جائز لتعامل الناس" (المبسوط ۱۰/۱۳۹)۔

(اور بانکیر لوگوں کا تعامل ایک بہت بڑا اصول ہے، رسول اللہ ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھی ہے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، اور وہ نظیر ہے اجرت پر حمام میں داخل ہونے کی کہ یہ تعامل ناس کی وجہ سے جائز ہے، اگرچہ اس میں ٹھہرنے اور پانی بہانے کی مقدار مجہول ہے، اسی طرح سبیل سے پانی پینا پیسوں کی اجرت پر اور حجامت ہونا اجرت پر جائز ہے تعامل ناس کی وجہ سے۔

ایک فقہی نظیر:

غرر حقیر کی بنیاد پر جواز بیع کی دوسری مثال سنار کی راکھ کی بیع ہے جس میں خریدار کا مقصود راکھ لینا نہیں، بلکہ اس موجود سونے چاندی کے ذرات کو حاصل کرنا ہے، جس کی مقدار مجہول ہوتی ہے، دیکھئے: (فتاویٰ قاضی خاں ۲/۳۵۸)۔

ایک اور نظیر:

اس مسئلے کی دوسری نظیر اخبارات و رسائل کی سالانہ خریداری اور لائف ممبری بھی ہے، جبکہ ان کے صفحات کی تعداد، ان کے سائز، کاغذ کی کوالٹی، نیز مضامین اور خبریں جو خریداری کی مطلوبہ صفحات سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے سالانہ مخصوص نمبرات کی تعداد اور نام تفصیل میں ان کی عدم اشاعت ساری چیزیں مجہول ہوتی ہیں، اس کے باوجود جواز کا فتوی دیا جاتا ہے۔

مفتی عبد الرحیم صاحب (فتاوی رحیمیہ ۱/۸۰) میں تحریر فرماتے ہیں: اخبارات اور ماہناموں کی خریداری جائز ہے اس قسم کی جہالت "مفضی الی النزاع" نہیں ہے، مفسد بیع وہ جہالت ہے جو "مفضی الی النزاع" ہو ([illegible] ۳۰۵)۔

"وما كل جهالة لا تفسد البيع، فإن كثيراً من الأمور يترك مهملاً في البيع واشتراط الاستقصاء ضرر، ولكن المفسد هو المفضي إلى المنازعة" (حجۃ اللہ البالغۃ ۲/ ۲۲۵)۔

ہر جہالت بیع کو فاسد نہیں کرتی، کیونکہ بہت سے امور بیع میں مہمل چھوڑ دیے جاتے ہیں اور ایک ایک چیز کو جاننے کی شرط لگانے میں ضرر ہے، البتہ جو جہالت جھگڑے کی طرف پہنچائے وہ مفسد بیع ہے۔

جہالت غیر مقدور التسلیم:

رہ گئی پانی میں موجود مچھلی کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی بحث تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ کسی چیز کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱- غیر مقدور التسلیم حقیقۃً

۲- غیر مقدور التسلیم حکماً

ان میں بیع کے صحیح ہونے کی شرط دوسری قسم ہے، نہ کہ پہلی، یہی وجہ ہے کہ تالاب

عقد میں مبیع کو حاضر کرنا بیع کے شرائط جواز میں سے نہیں ہے، اور فقہاء میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں، چنانچہ بھاگے ہوئے غلام کی بیع کو جن فقہاء نے سپردگی کی قدرت نہ ہونے کی بنیاد پر ناجائز قرار دیا ہے، اس پر علامہ شامیؒ نے بعض فضلاء کے اس اعتراض کو ہی حق بجانب قرار دیا ہے:

"قلت هو وجيه فهو نظير بيع العبد المرسل في حاجة المولى، فإنه يجوز وعللوه بأنه معذور التسليم وقت العقد حكما، إذ الظاهر عوده" (منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق ۶ر ۷۷)۔

(بعض فضلاء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ بیع کے فوراً بعد مبیع کی سپردگی کی قدرت سے مراد اگر قدرت حقیقیہ ہو تو یہ ممنوع ہے، ورنہ تو بات یہ ہے کہ مجلس عقد میں حضور مبیع کی شرط نہیں لگائی جاتی اور نہ کوئی اس کا قائل ہے)۔

اور اگر سپردگی کی قدرت سے مراد حکما سپردگی کی قدرت ہو، جیسا کہ خود مؤلف "نہرالفائق" نے اس کے بعد ذکر کیا ہے تو زیر بحث مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہے غلام کے عادۃً واپس آجانے کی وجہ سے۔

میں (ابن عابدین شامی) کہتا ہوں کہ یہی بات راجح ہے اور اس کی نظیر آقا کے کام بھیجا ہوا غلام ہے، جس کی بیع جائز ہے، اور علماء نے اس کی علت یہ قرار دی ہے کہ بوقت عقد حکما مقدور التسلیم ہے، کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ لوٹ آئے گا)۔

جواز بیع کی وجہ:

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں موجودہ دور کے ماہی گیر کے ترقی یافتہ وسائل، ذرائع مثلاً مچھلیوں کے بیج اور پانی کی بیرونی، درمیانی اور اندرونی سطحوں میں اس کی پرورش اور بڑے سے بڑے تالاب اور ندی نالوں پر جالوں کے پھیلاؤ اور دواؤں کے ذریعہ مچھلی کے شکار کی

سہولیات پر غور کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج کے دور میں پانی میں مچھلی کی خرید و فروخت حتماً متعدد التسلیم ہونے کی بنا پر جائز ہے۔

جہاں تک غرر کے سوال کا تعلق ہے تو اس میں بھی موجودہ دریافتیں اور اس کاروبار سے وابستہ لوگوں کے تجربات کی روشنی میں پانی کے مخصوص حصوں میں مچھلیوں کی پیداوار کے تقریباً صحیح تخمینے کے پیش نظر "بیع السمک فی الماء" بیع الغرر نہیں رہ گیا ہے۔

بلکہ یہ غرر حقیر یا معمولی جہالت کے درجہ کی چیز بن گئی ہے، اس لئے علی الاطلاق اس کے جواز کا فتویٰ دیا جانا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور اگر سے غرر و جہالت کثیرہ ہی ثابت کیا جائے تب بھی انسانوں کی ۲۰ رفیصدی غذائی ضرورت کی کفالت میں مچھلی کی تجارت کا جو اہم رول ہے، اسے دیکھتے ہوئے علامہ یلعیؒ کے قول پر مبنی فتویٰ دیا جانا موجودہ حالات کا تقاضہ ہے۔

"وإن دعت حاجة إلى ارتكابه ولا يمكن الاحتراز عنه إلا بمشقة أو كان الغرر حقيرا جاز البيع"۔

(اگر حاجت غرر کے ارتکاب کی داعی ہو، یا اسے بچنا مشقت کے بغیر ممکن نہ ہو، یا غرر حقیر ہو تو بیع جائز ہے)۔

اور یہ واقعہ ہے کہ عصر حاضر میں پانی میں مچھلیوں کی تجارت کے تعامل اور غذائی حاجت اور اس سے پرہیز کی صورت میں لوگوں کے مشقت میں مبتلا ہونے اور موجودہ وسائل ماہی گیری کے اعتبار سے اس میں غرر حقیر پائے جانے کے اسباب کی بنیاد پر بیع کے جواز کا فتویٰ دینا ضروری ہے، خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ لاکھوں مسلمان اس ذریعہ معاش سے جڑے ہوئے ہیں، بیع کو ناجائز قرار دے کر انہیں روزی روٹی سے محروم کر کے ضرر شدید میں مبتلا کرنا ارشاد نبوی ﷺ: "إنما بعثتم ميسرين ولن تبعثوا معسرين" (ترمذی شریف ۱۰۲۰)۔

(تم آسانیاں پیدا کرنے کے لئے اٹھائے گئے ہو، تنگیاں پیدا کرنے کے لئے نہیں

بھیجے گئے ہو) کے خلاف ہے، اگر فقہاء متاخرین کے سامنے موجودہ دور کے جدید حالات ہوتے تو ان حالات میں وہ بھی جواز کا ہی فتویٰ دیتے۔

پھر جواز بیع کا یہ فتویٰ بالکل بے اصل بھی نہیں ہے، بلکہ اس کی بہت حد تک تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز اور قاضی ابو یوسف کے فتووں سے ہوتی ہے۔

"قال أبو يوسف في كتاب الخراج أرخص في بيع السمك في الآجام أقوام" (فتح القدیر ۵/۱۹۱)۔

(امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا کہ پانی کی جھاڑی میں مچھلی کی بیع کے سلسلے میں کچھ لوگوں نے رخصت دی ہے)۔

"قال وحدثنا أبو حنيفة عن حماد قال: طلبت إلى عبد الحميد بن عبد الرحمن، فكتب إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن بيع صيد الآجام، فكتب إليه عمر أنه لا بأس به وسماه الحبس" (البحر الرائق ۶/۷۳)۔

(امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مجھ سے امام ابو حنیفہ نے بیان کیا اور انہوں نے حمادؒ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: مجھے عبدالحمید بن عبدالرحمن کے پاس طلب کیا گیا، انہوں نے چلمنوں میں مچھلی کے شکار سے متعلق مسئلہ دریافت کرتے ہوئے عمر ابن عبدالعزیز کو خط لکھا تو انہوں نے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کو حبس قرار دیا)۔

اسی طرح علامہ خیر الدین رملی نے مچھلی کے شکار سے منفعت مخصوصہ کے حصول کی بناء پر اجارہ کے جواز کا جو رجحان ظاہر فرمایا ہے وہی آج کے دور میں پہلے سے زیادہ راجح ہونا چاہئے، دیکھئے: (منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق ۶/۷۳)۔

مفتی نظام الدین صاحبؒ (مفتی دار العلوم دیو بند) نے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرمایا:

ظاہر ہے کہ دریائی مچھلیوں کا یہ ٹھیکہ (بمعنی بیع وشراء) ہوتا ہے اور اس کی حقیقت شرعیہ

یہ ہوتی ہے کہ بوقت ٹھیکہ بھی دریا میں مچھلیاں موجود ہوتی ہیں اور پکڑی بھی جاتی ہیں، اور اگرچہ ان کی مقدار معلوم نہیں ہوتی، اس لئے اس معاملہ بیع کو معدوم کی بیع کہہ کر باطل نہیں کہہ سکتے، بلکہ بیع غیر مقبوض یا بیع موجود غیر معلوم المقدار کہہ سکتے ہیں اور ایسی بیع فاسد ہوتی ہے، اور اس کا اقالہ (ختم کرنا) واجب ہوتا ہے، اگر اقالہ نہ کرے، بلکہ بیع کر لی جائے تو بیع صحیح ہو جاتی ہے اور اس کا مالک بملک صحیح ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

"فان باعه المشتري نفذ بيعه، لانه ملكه فملك التصرف فيه" (ہدایہ مع الفتح والعنایہ ج ۵، ص ۲۲۳)۔

اس لئے اگر مسلمان بھی اس طرح ٹھیکہ لے کر، خود مچھلیاں پکڑ کر یا اپنے مزدوروں سے پکڑوا کر فروخت کر دے تو اس کی یہ بیع بلاشبہ صحیح و نافذ ہو جاتی ہے، لیکن مسلمان ترک اقالہ کرنے سے مبتلائے معصیت ہوگا، اس لئے مسلمان کے لئے اولیٰ بات یہ ہوگی کہ چونکہ غیر مسلم ان جزئیات کا مخاطب نہیں ہوتا ہے، اس لئے کسی غیر مسلم سے کہے کہ تم اپنے نام سے خرید لو پھر میں تم سے خرید لوں گا، پھر جب وہ مسلم خرید لے تو اس سے یہ مسلمان خرید کر ان مچھلیوں کو خود پکڑ کر یا اپنے مزدوروں سے پکڑوا کر فروخت کرے، تو بلاشبہ یہ بیع و شراء ہر طرح درست و صحیح رہے گی (فتاوی نظامیہ اوندرویہ ۱/۲۰۰)۔

میں اس مسئلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ سے صرف اتنا اختلاف کرنے کی جرأت کروں گا کہ میرے نقطہ نظر سے یہ مسئلہ بیع فاسد کے زمرے میں نہیں آتا، جیسا کہ دلائل کے ساتھ اوپر نقل کیا جا چکا ہے تو اس کے واجب الاقالہ ہونے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری گورنمنٹ اگرچہ ویلفیر اسٹیٹ کے درجہ میں ہے تاہم قانون سازی کے معاملہ میں مذہب کا فراخ رجحان رکھتی ہے، لہذا اس سے مسلمانوں کا ٹھیکہ لینا براہ راست درست ہے، بالواسطہ طور پر کسی غیر مسلم کو ٹھیکہ دلوا کر پھر اس سے ٹھیکہ لینے کے حیلے کو اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث:

اب تک کی پوری بحث کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلے سے متعلق سوالات کے جوابات یہ ہیں:

۱- سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع وشراء ان مچھلیوں کو پانی سے نکالے بغیر غذائی ضرورت وحاجت اور اس سے احتراز کی صورت میں مشقت میں مبتلا ہونے اور وسائل ماہی گیری کے اعتبار سے مقدور التسلیم حکما ہونے کی وجوہات کی بنا پر جائز ودرست ہے اور آج کے دور میں اسی پر فتوی دیا جانا چاہئے۔

۲- ٹھیکہ دار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان کا ایسی مچھلی کو خریدنا جائز ہے۔

۳- مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے جو مچھلیوں کے لئے ہی کھدوائے گئے ہوں اگر وہ شخص اس میں باقاعدہ مچھلیاں پال کر اس حوض یا تالاب کی تمام مچھلیاں شکار کرنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تاکہ وہ دوسرا شخص ایک خاص مدت میں اس حوض یا تالاب کی مچھلیاں نکال کر فروخت کرے تو ایسا کرنا شرعاً درست اور جائز ہے۔

۴- کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا جو مچھلیوں کی پرورش کی غرض سے تیار نہیں کرائے گئے، بلکہ مملوکہ زمین میں پائے گئے اس میں جو مچھلیاں بارش کی وجہ سے از خود آ گئی ہیں، انہیں ٹھیکہ پر کسی دوسرے کو دینا درست ہے، اور ٹھیکہ دار کو اس کی مچھلیاں فروخت کرنا بھی جائز ہے، لیکن خود اس شخص یا عوام کو جن کی ملکیت میں یہ حوض یا تالاب واقع ہے، دوسرے کے ہاتھ مچھلیاں فروخت کرنا جائز نہیں ہے (غالباً مقالہ نگار کی از خود مچھلیاں فروخت کرنے کی ممانعت سے مراد ٹھیکہ پر دینے کے بعد ہے، محقق ۱۲)۔

برساتی مچھلیاں اس کی ملک نہیں ہیں تاہم اگر اس نے تالاب یا حوض میں پانی کے

ساتھ مچھلیوں کے داخل ہونے کی جگہ پر کوئی روک لگا دی ہو جیسا کہ عام طور پر مچھلی جمع کرنے کا رواج ہے یا مچھلیوں کو تالاب میں داخل کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کی ہو یا مچھلیوں کے بچے خرید کر ڈال دیے ہوں تو ان صورتوں میں وہ مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، اور دوسروں کے ہاتھ ان کو فروخت کرنے کی شرعاً اجازت ہوگی۔

☆☆☆

تالاب سے بغیر نکالے مچھلیوں کی خرید وفروخت

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

۱- تالاب اور حوض میں موجود مچھلیوں کا مالک کون:

اس سلسلہ میں کتب فقہیہ میں یہ تفصیل موجود ہے کہ اگر تالاب اور حوض کسی کے ذاتی ملک ہیں اور مالک نے ان کو مچھلیوں کے پالنے ہی کیلئے تیار کر رکھا ہے اور مچھلیاں ان میں ندی، نالے وغیرہ سے آگئیں، یا مچھلیوں کے پالنے کے لئے تیار نہیں کیا، لیکن الگ سے مچھلیاں لاکر ڈال دیں یا مچھلیاں باہر سے آئیں اور اس نے کوئی ایسی تدبیر کی جس سے مچھلیاں باہر نہ نکل سکیں، مثلاً تالاب یا حوض کا منہ بند کر دیا تو ان تمام صورتوں میں وہ مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، اور اگر مالک نے نہ تو ان کو مچھلیوں کے پالنے کے لئے تیار کیا ہے، نہ الگ سے مچھلیاں ڈالی ہے، اور نہ ہی مچھلیوں کے آنے کے بعد ان کا منہ بند کیا ہے اور مچھلیاں کہیں سے آگئیں تو محض تالاب یا حوض کے مالک ہونے کی وجہ سے مچھلیوں کا مالک نہیں ہوگا، بلکہ جو بھی شکار کر کے مچھلیوں پر قبضہ کر لے وہ ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی زمین میں کوئی پرندہ بچہ یا انڈا دے دے تو مالک زمین کے مالک ہونے کی وجہ سے اس بچہ یا انڈا کا مالک نہیں ہوگا، بلکہ جو بھی اس بچہ یا انڈا کو اٹھالے وہی مالک ہوگا، اسی طرح اگر مجلس میں چھوہارا لٹایا جائے اور کسی کی گود میں آکر گر جائے تو وہ اس چھوہارے کا مالک نہیں ہوگا، یا کسی نے جال خشک کرنے کیلئے پھیلا رکھا

☆ مفتی امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

ہے اور اس میں کوئی شکار پھنس جائے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا، البتہ اگر اس نے چھوہارے اور جال شکار ہی کے لئے پھیلایا ہے تو اس صورت میں وہ چھوہارے اور شکار کا مالک ہو جائے گا۔ علامہ شامی نے "فتح القدیر" کے حوالہ سے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ (دیکھئے: ردالمحتار ۹/۴۶۰، تبیین الحقائق ۵/۴۸، البحر الرائق ۸/۱۷۲)۔

۲- سرکاری تالابوں اور ندیوں میں موجود مچھلیوں کا مالک کون؟

مذکورہ بالا تفصیل سے سرکاری تالابوں اور ندیوں کے اندر موجود مچھلیوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اگرچہ وہ تالاب اور ندیاں سرکاری ملک ہیں، لیکن چونکہ سرکار نہ تو ان تالابوں اور ندیوں کو مچھلیوں کی نشو ونما کے لئے تیار کر رکھا ہے، نہ مالک نے ان میں مچھلیاں ڈالی ہے اور نہ ہی مچھلیوں کے آنے کے بعد ان کے نہ نکلنے کی کوئی تدبیر کرتی ہے، لہذا ان سرکاری تالابوں اور ندیوں میں موجود مچھلیوں کی مالک سرکار نہیں ہے، وہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں جو بھی شکار کرے ان مچھلیوں کا مالک ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ان سے مچھلیوں کا شکار کیا جاتا ہے اور سرکاری جانب سے کوئی ممانعت نہیں ہوتی ہے۔

۳- تالاب و ندیوں کو ٹھیکہ پر دینا:

ایک بحث قابل ذکر یہ ہے کہ تالاب خواہ سرکاری ہوں یا نجی، اسی طرح ندیاں ان کو اجارہ اور ٹھیکہ پر دینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ تالاب اور ندیوں کو اجارہ اور ٹھیکہ پر دینے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان کو اس مقصد کے لئے اجارہ پر دیا جائے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص ان میں موجود مچھلیوں کا شکار کرے تو یہ اجارہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں استہلاک عین لازم آتا ہے۔ یعنی شی (تالاب وغیرہ میں موجود مچھلیوں) کو ختم کرنے پر اجارہ ہو رہا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اجارہ منافع پر ہوتا ہے نہ کہ عین پر، یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام کی یہ صراحت موجود ہے کہ چراگاہ کو مویشی چرانے اور تالاب وغیرہ کو مچھلی

کے شکار کے لئے اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہے، البتہ علامہ ابن نجیم مصری نے اپنی کتاب ''البحر الرائق'' میں امام ابو یوسف کی ''کتاب الخراج'' سے حضرت عمر فاروق کا یہ فتوی نقل کیا ہے کہ تالاب وغیرہ کو مچھلیوں کے شکار کے لئے اجارہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ علامہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' میں اور علامہ شامی نے ''رد المحتار'' میں عدم صحت اجارہ والے قول کو راجح اور قواعد فقہ حنفی کے مطابق قرار دیا ہے، لیکن جہاں عرف عام ہو تو حالات کے پیش نظر ضرورۃ حضرت عمرؓ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہئے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ تالاب یا ندی وغیرہ کی زمین اجارہ پر دیدی جائے اور اس میں جو کچھ ہے اس سے انتفاع کا حق دیدیا جائے یا خشک تالاب کو مچھلی کی نشو ونما کے لئے اجارہ پر دیدیا جائے یہ صورت جائز ودرست ہے، اس لئے کہ یہ اجارہ اراضی کا ہے جو درست ہے۔ فقہاء کرام نے جہاں یہ جزئیات نقل کیا ہے کہ چراگاہ کو مویشی چرانے اور تالاب وغیرہ کو مچھلیوں کے شکار کے لئے اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہے وہیں پر جواز کی ایک صورت بھی بتلائی ہے کہ زمین کسی مخصوص کام کے لئے اجارہ پر دیدی جائے اور زمین میں جو کچھ ہے اس سے انتفاع کا حق دیدیا جائے (دیکھئے: رد المحتار ۳/۱۰۶-۱۰۷، البحر الرائق ۶/۸۰، رد المحتار ۵/۳۹، ۱۱۰-۱۱۱)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہے کہ سرکاری تالابوں، ندیوں اور نہروں میں موجود مچھلیاں کی مالک سرکار نہیں ہے، بلکہ وہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں، لہذا اگر سرکار ان مچھلیوں کی بیع کرتی ہے تو یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ غیر مملوک شی کی بیع ہے جو از روئے حدیث ممنوع اور باطل ہے، البتہ چونکہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں، اس لئے بیع باطل ہونے کے باوجود خریدار ان مچھلیوں کا شکار کر لے تو ان کا وہ مالک ہو جائے گا۔

سرکاری تالاب وغیرہ کو ٹھیکہ پر دینا اور ان کی مچھلیاں خریدنا:

دوسری صورت سرکاری تالاب وغیرہ کو ٹھیکہ پر دینے کی ہے، یعنی سرکار ان مچھلیوں کی

خرید و فروخت نہیں کرتی ہے، بلکہ تالاب یا ندی و نہر کا مخصوص حصہ کسی کو ٹھیکہ پر دیتی ہے، سوالنامہ سے اسی صورت کی وضاحت ہوتی ہے اور عام طور سے یہی صورت رائج بھی ہے، میرے خیال میں یہ صورت جائز ہے، اس لئے کہ یہ اراضی کا اجارہ ہے اور اراضی کا اجارہ جائز و درست ہے اگر یہ تسلیم کریں کہ مچھلیوں کو شکار کرنے کے لئے ندی وغیرہ اجارہ پر دئے گئے ہیں اور یہ عین کا اجارہ ہے نہ کہ منافع کا اور استہلاک عین پر اجارہ جائز نہیں ہے تو پھر چونکہ یہ طریقہ عام طور سے رائج ہے اس لئے ضرورۃً حضرت عمر فاروقؓ کے قول پر عمل کی گنجائش ہونی چاہئے، جیسا کہ تمہید میں تفصیل گذر چکی ہے، بہر حال، خواہ مچھلیوں کی بیع ہونے کی صورت میں بیع باطل ہو یا ٹھیکہ کی صورت میں کرایہ کو جائز قرار دیا جائے بہر دو صورت خریدار ان مچھلیوں پر قبضہ کر لینے کے بعد ان کا مالک ہو جائے گا۔

اور جب خریدار یا ٹھیکہ دار ان مچھلیوں کا مالک ہو گیا تو اس کے لئے دوسروں سے فروخت کرنا اور دوسرے مسلمانوں کا پوری صورت حال جانتے ہوئے ان مچھلیوں کا خریدنا شرعاً جائز و درست ہے۔

نجی تالاب یا حوض میں موجود مچھلیوں کی بیع:

جن صورتوں میں تالاب یا حوض کا مالک اس میں موجود مچھلیوں کا مالک ہے، یعنی تالاب یا حوض کو مچھلیوں کے پالنے کے لئے تیار کر رکھا ہے یا مگر ... پانی ڈالی ہے یا مچھلیوں کے آنے کے بعد کوئی ایسی تدبیر کی ہے جس سے مچھلیاں تالاب یا حوض سے نہ نکل سکیں تو ان تمام صورتوں میں وہ ان مچھلیوں کا مالک ہے، جیسا کہ پورے حوالے کے ساتھ تفصیل گذر چکی ہے، اس صورت میں اگر تالاب یا حوض چھوٹا ہے بغیر شکار کئے ہوئے ان مچھلیوں کو پکڑ کر خریدار کے حوالے کر سکتے ہیں تو ان مچھلیوں کی بیع شرعاً جائز و درست ہے، اس لئے کہ مبیع بھی مملوک ہے اور مقدور التسلیم بھی۔ اور اگر تالاب یا حوض اتنا بڑا ہے کہ ان کو شکار کئے بغیر پکڑ کر خریدار کے حوالے کرنا ممکن

نہیں ہے تو پھر مچھلیوں کا شکار کرنے سے قبل ان کی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ مبیع مملوک تو ہے، لیکن مقدور التسلیم نہیں ہے اور اس صورت میں بیع فاسد ہوتی ہے اور اگر مالک نے نہ تو تالاب اور حوض کو مچھلیوں کے پالنے کے لئے تیار کر رکھا ہے، نہ اس میں الگ سے مچھلیاں ڈالی ہے اور نہ ہی مچھلیوں کے داخل ہونے کے بعد ان کو روکنے کی تدبیر کی ہے تو اس صورت میں وہ ان مچھلیوں کا مالک نہیں ہے۔ اگر شکار کرنے سے قبل ہی فروخت کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہے۔

نجی تالاب اور حوض کو ٹھیکہ پر دینا:

اگر تالاب یا حوض میں موجود مچھلیوں کی بیع نہ ہو بلکہ مالک تالاب یا حوض کو مچھلی پالنے کے لئے ٹھیکہ پر دیدے یا کچھ حصہ مچھلی پالنے کے لئے ٹھیکہ پر دیدے اور بقیہ حصہ کی مچھلیوں سے انتفاع کا حق دیدے تو اس صورت میں تالاب یا حوض کو ٹھیکہ پر دینا اس کی شرطوں کے ساتھ یعنی مدت بھی متعین ہو اور اجرت بھی متعین ہو شرعاً جائز و درست ہے، اس لئے کہ اراضی کو اجارہ پر دینا درست ہے اور اگر تالاب یا حوض میں موجود مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب یا حوض کو ٹھیکہ پر دیا تو چونکہ اجارہ استہلاک عین پر ہو رہا ہے اور یہ عام قواعد فقہ حنفی کے خلاف ہے، اس لئے عام قواعد کے مطابق یہ اجارہ صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن حالات کے پیش نظر حضرت عمر فاروقؓ کے قول جواز پر جس کو علامہ ابن نجیمؒ نے "البحر الرائق" میں امام ابو یوسفؒ کی "کتاب الخراج" سے نقل کیا ہے، اگر عمل کر لیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ٹھیکہ دار کا دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا:

اگر تالاب یا حوض میں موجود مچھلیوں کی بیع ہے اور مچھلیوں کے مملوک، لیکن غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے تو اس صورت میں خریدار ان مچھلیوں پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے ان مچھلیوں کا مالک ہے، وہ دوسروں سے ان مچھلیوں کو فروخت کر سکتا ہے، دوسرے مسلمان

پوری واقفیت کے باوجود ان کو خرید سکتے ہیں اور اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں البتہ خریدار خود ان مچھلیوں کو اپنے استعمال میں نہیں لا سکتا، اس لئے کہ بیع فاسد میں خریدار بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد مبیع کا مالک تو ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے لئے دوسروں سے بیع جائز ہوتی ہے، لیکن خود اس کے لئے اس مبیع سے انتفاع جائز نہیں ہوتا، اس لئے کہ بیع فاسد ہونے کی وجہ سے شرعاً وہ اس بات کا مکلف ہے کہ معاملہ بیع کو ختم کر کے گناہ کو دور کرے، اور اگر مچھلیوں کے غیر مملوک ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے تو اگرچہ اصولاً بیع باطل میں خریدار مبیع پر قبضہ کرنے کی وجہ سے اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، لیکن چونکہ مذکورہ صورت میں مچھلیاں مباح الاصل ہیں، اس لئے خریدار ان مچھلیوں کا شکار کر لینے کے بعد ان کا مالک ہو جاتا ہے اور وہ جب مالک ہو جاتا ہے تو اس کے لئے دوسروں سے فروخت کرنا اور دوسروں کے لئے خریدنا جائز ہے، اور اگر ٹھیکہ کی صورت ہے تو ٹھیکہ درست ہونے کی وجہ سے وہ مچھلیوں کو شکار کر کے دوسروں سے فروخت کر سکتا ہے، اور دوسرے لوگ اس سے خرید سکتے ہیں۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی بیع

مولانا شکیل احمد سیتاپوری

سوالنامے میں "بیع قبل القبض" اور "بیع سمک فی الماء" کے عنوان سے اٹھائی گئی جتنی شقیں ہیں ان میں سے کسی بھی شق کے جواز کے بارے میں راقم سطور مطمئن نہیں ہو سکا، حدیث وفقہ اور اصول فقہ کی ورق گردانی اور اس کی روشنی میں غور و خوض کے بعد راقم سطور جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تمام صورتیں ممنوع ہیں اور اگر ہمارے ملک میں یہی صورتیں رائج ہیں تو ہم اس ناگفتہ بہ صورت حال سے دوچار ہیں کہ "اطبق الأرض الحرام" حرام کاروبار نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

"عن ابن مسعود أن النبي ﷺ قال: لا تشتروا السمک في الماء فإنه غرر" (رواہ احمد)۔

(مچھلی کو پانی میں رہتے ہوئے مت خریدو، اس لئے کہ وہ تذبذب اور دھوکہ ہے)

(نیل الاوطار ۵/ ۱۴۳)۔

"عن أبي سعید قال: نهی النبي ﷺ عن شراء ما في بطون الأنعام حتی تضع، وعن بیع ما في ضروعها إلا بکیل، وعن شراء العبد وهو آبق، وعن شراء المغانم حتی تقسم، وعن شراء الصدقات حتی تقبض، وعن ضربة الغائص" (رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی، نیل الاوطار ۵/ ۲۰۰)۔

(چوپایوں کے حمل کو جب تک وہ اسے نہ جنیں، اور تھنوں میں بھرے ہوئے دودھ

جب تک اسے دوہ کر ناپ نہ لے تھن سے خریدنے سے منع فرمایا ہے، اور مال غنیمت جب تک تقسیم نہ ہو اور وہ غلام جو بھاگا ہوا ہو، اور وہ صدقات جن پر ابھی تک قبضہ نہیں ہوا ہو، اور شکاری کے ایک بار جال ڈالنے میں جتنی مچھلیوں کے آنے کی توقع ہو ان سب کی خریداری سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

پہلی حدیث میں تو صراحۃً مچھلیوں کی خریداری سے جبکہ وہ پانی میں ہوں منع کیا گیا ہے اور اس کی علت بھی ذکر کر دی گئی ہے کہ اس میں دھوکا ہے۔ جہل ہے، فریب ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ اس تالاب میں اتنے کلو، اتنے سیر اور اتنی چھٹانک مچھلیاں ہیں، اس لئے یہ بیع مجہول و مبنی بر جزاف ہے جس کی مستقل ممانعت وارد ہے، نیز وہ مقدور التسلیم بھی نہیں، اس لئے یہ "بیع الطیر فی الہواء" کے مشابہ ہے، علاوہ ازیں ایسا کوئی تالاب فی الحال موجود نہیں ہے جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاسکے کہ اس میں قدرتی مچھلیاں شامل نہیں ہیں اور قدرتی مچھلیاں پکڑنے کے بعد ہی مملوک ہوتی ہیں، لہٰذا اس سے پہلے ان کی بیع، بیع غیر مملوک ہے، نیز جب تالاب، ندیاں اور جھیلیں ٹھیکے پر دی جاتی ہیں تو پوری میعاد تک نہ جانے کتنی افزائش ہوتی ہے، یہ نسل در نسل کے حمل کو فروخت کرنا ہے جو ممنوع ہے۔

دوسری حدیث میں اگرچہ پانی کی مچھلیوں کی بیع کا ذکر نہیں ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ جن بیوع کا ذکر ہے وہ مجہول اور غیر مقدور ہونے میں "بیع السمک فی الماء" سے اہون ہیں۔ اور جب اہون ممنوع ہے تو اشد بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے ان مچھلیوں کی بیع کو بھی باطل قرار دیا ہے جو ایک محدود حصہ میں محصور و مقید ہو جائیں، چہ جائے کہ وہ مچھلیاں جو پورے تالاب میں آزاد پھر رہی ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"یعنی ایک شخص نے وہ مچھلیاں فروخت کیں جو پانی کے اندر کسی احاطہ باڑی میں محصور ہیں تو یہ بیع باطل ہے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ پانی میں

مچھلیوں کو نہ فروخت کرو، اس لئے کہ اس میں دھوکہ اور تذبذب ہے، پھر یہ بات بھی ہے کہ بیچنے والے نے اگر انہیں پکڑ کر نہیں چھوڑا ہے تو وہ ایسی چیز بیچ رہا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے، حالانکہ ملک پہلے ہے اور تملیک بعد میں ہے، پہلے خود مالک ہے بعد میں دوسرے کو مالک بنائے ،لہذا یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ فضا میں اڑنے والے پرندوں کی بیع کرنا ،اور اگر اس نے مچھلیاں پکڑ کر چھوڑی ہیں، تو وہ پانی میں بھاگ گئی ہیں، لہذا ان کی بیع ایسی ہے جیسے بھاگے ہوئے غلام کی بیع'' (مبسوط سرخسی: ۱۳ر(۱۱۱-۱۱۲)۔

اس مسئلہ میں ابن قدامہ نے قدرے تفصیل سے بحث کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اگر تالاب نجی ملکیت میں ہو اور اس کا پانی بہت تھوڑا اور صاف وشفاف ہو کہ تمام مچھلیاں دکھائی دیں اور ان کو پکڑنا آسان ہو تو ان تین شرطوں کے پائے جانے کے بعد ان مچھلیوں کی بیع پانی میں رہتے ہوئے درست ہے، اگر اس شق سے فائدہ اٹھایا جائے تو صرف ان مچھلیوں کا جواز ثابت ہوتا ہے جو بیع کے فوراً بعد شکار کر لی جائیں، لیکن اس سے اس مروجہ بیع کا جواز نہیں ثابت ہوتا جس میں مہینوں اور برسوں کے لئے مچھلیاں فروخت کی جاتی ہیں یا ٹھیکہ پر دیجاتی ہیں، اور وہ اتنے گہرے پانی میں ہوتی ہیں کہ ان کی مقدار کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر وہ پانی جاری ہوتا ہے تو ان مچھلیوں کو ایک جگہ قرار بھی نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ مروجہ بیع میں جہالت در جہالت ہے ابن قدامہ کہتے ہیں:

''جھاڑیوں میں محصور مچھلیوں کی بیع جائز نہیں ہے، یہی اکثر اہل علم کی رائے ہے، حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ انہوں نے اس سے منع کیا اور کہا: اس میں جہل اور تذبذب ہے، اور حسن البصری، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام ثور نے بھی اس بیع کو ناپسند کیا ہے اور ہم نہیں سمجھتے کہ اس مسئلہ میں ان سے کسی نے اختلاف کیا ہو اور مقصود یہ ہے کہ'' بیع سمک فی الماء '' تین شرطوں کے ساتھ درست ہے:

اول یہ کہ وہ تالاب اور مچھلیاں نجی ملکیت میں ہوں۔

دوم   یہ کہ پانی اتنا صاف و شفاف ہو کہ تمام مچھلیاں دیکھی جاسکیں۔

سوم   یہ کہ ان کا پکڑنا آسان ہو۔

اگر یہ تینوں شرطیں مجتمع ہیں تو ان کی بیع درست ہے اور اگر ایک شرط بھی مفقود ہے تو بیع درست نہیں ہے اور عمر بن عبد العزیزؒ اور ابن ابی لیلی سے منقول ہے کہ اگر پانی میں کسی نے بانس وغیرہ سے کچھ حصہ گھیر لیا ہے اور اس میں مچھلیاں ہیں تو ان کی بیع جائز ہے، کیونکہ وہ مچھلیاں مقدور التسلیم ہیں اور ہماری دلیل وہ اثر ہے جو ابن عمر اور ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ پانی میں مچھلیاں نہ خریدو اس لئے کہ یہ مذبذب اور غیر یقینی چیز ہے، اور اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس بیع سے منع فرمایا ہے جس میں غرر ہے اور اس لئے بھی کہ بائع جب تک شکار نہ کرے اس کو حوالے کرنے پر قادر نہیں ہے لہذا یہ بیع "الطیر فی الھواء" کے مشابہ ہے" (المغنی لابن قدامہ ۴/۲۲۳)۔

اور اس لئے بھی کہ وہ مجہول ہے، لہذا یہ تھنوں کو تھنوں میں رہتے ہوئے اور دودھ کو تھن میں رہتے ہوئے بیچنے کے مشابہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

"یعنی رسول اللہ ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے اور غرر یہ ہے کہ کسی چیز کے انجام میں دونوں طرح کے امکانات ہوں، جیسے فضاء میں اڑنے والے پرندے اور پانی میں تیرنے والی مچھلی کی بیع اور وقت یہی ہے کہ جس مچھلی کا شکار نہیں کیا گیا ہے یا شکار کیا گیا پھر وہ حوض میں ڈال دی گئی کہ بغیر حیلہ و تدبیر کے اس کو نہیں پکڑا جاسکتا تو اس کی بیع جائز نہیں ہے اور اہل علم اسی رائے پر ہیں" (مسوی شرح مؤطا ۱۹۵)۔

ملخص:

مچھیروں نے پانی سے نکالنے کے بعد جو مچھلیاں فروخت کی ہیں ان کی فروختگی تو اصول کے تحت ہوئی ہے، یعنی شکار کرنے کی وجہ سے وہ مالک ہوگئے اور انہوں نے اپنی مملوکہ چیز

فروخت کردی، رہی یہ بات کہ اس کے عوض میں انہیں حکومت کو پیسے دینے پڑے ہیں تو یہ حکومت کا جبر اور اس کا ذاتی عمل ہے جس میں ان کا دخل نہیں ہے، لہذا مچھیروں سے مچھلی کی خریداری اور اس کا استعمال کسی قدر راہون محسوس ہوتا ہے، لیکن ذاتی ملکیت والے تالابوں کا مسئلہ مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہاں نہ حکومت کا جبر ہے، اور نہ مچھیروں کا اصطیاد ان کے لئے سبب ملک ہے، اور نہ یہ عوامی تالاب ہیں جن میں مچھیروں کا بھی فی الجملہ حق ہوتا ہے، لہذا انجی تالابوں میں صرف شرکت کا طریقہ سمجھ میں آتا ہے، یعنی تالاب کے مالکوں اور ان سے مچھلیاں نکال کر فروخت کرنے والوں کے لئے حرام سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ دونوں شرعی اصول کے مطابق ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں یا ٹھیکہ دینے کے بجائے مالکان خود مچھلیاں نکلوا کر فروخت کریں۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی نے ''الموافقات'' میں لکھا ہے کہ حلال و حرام کے درمیان ایک تیسری کڑی ''عفو'' کی بھی ہے اور عفو سے مراد یہ ہے کہ امید کی جاتی ہے کہ مؤاخذہ نہیں ہوگا، اگر بیع سمک کی مذکورہ صورتیں حلال کے بجائے عفو کی فہرست میں آجاتی ہیں تو بھی غنیمت ہے۔

☆☆☆

بغیر شکار کیے ہوئے مچھلی کی بیع

مولانا سلطان احمد اصلاحی

۱- فقہ کی اب تک کی معروف اور مسلم رائے کے مطابق شکار سے پہلے مچھلی کی خرید وفروخت جائز نہیں: اس لئے کہ اس صورت میں وہ اس چیز کو بیچتا ہے جو اس کے قبضے میں نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مچھلی کسی حوض یا گڈھے میں ہو، لیکن شکار کی زحمت اٹھائے بغیر اسے پکڑا نہ جاسکتا ہو تو اس صورت میں بھی اس کی فروخت جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ دھوکہ کی صورت ہے- اس کا حوالہ دیا جاچکا ہے (ہدایہ جلد ۳ ص ۴۴ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)۔

اس ممانعت کی کئی وجہیں ہیں، ایک تو اس میں دھوکہ ہے جبکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے:

أن النبي ﷺ نهى عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر (رواہ الجماعۃ الا البخاری، نیل الاوطار جلد ۵ ص ۱۴۷ مکتبۃ الدعوۃ، الازہر، قاہرہ [illegible] (مصر) تحقیق وتعلیق: [illegible])۔

دوسرے یہ کہ وہ اس چیز کو بیچتا ہے جو اس کے قبضے میں نہیں ہے جبکہ حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں آپ ﷺ کی طرف سے اس کی بھی ممانعت ہے: "لا تبع ما ليس عندك" (رواہ الخمسہ، نیل الاوطار ۵/۱۵۵) دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ممنوع بیع کی جو قسمیں بتائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

"لا يحل سلف وبيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك" (رواہ الخمسۃ)

دیکھئے الترمذی وابن خزیمہ والحاکم ، روایت: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ، سبل السلام: ۳ / ۴۰۸)۔

جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں دھوکہ کے حوالے سے خاص پانی میں مچھلی کی خرید کی ممانعت ہے: "لا تشتروا السمک فی الماء فانہ غرر" (رواہ احمد، بحوالہ: نیل الاوطار ۵ / ۱۴۷، نیز: المغنی لابن قدامہ: ۴ / ۲۲۳، مکتبہ الکلیات الازہریہ مصر)۔

اس لحاظ سے مسئلہ کی سادہ صورت کے مدنظر سوال نامہ میں مذکور گڈھے اور تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کو ممنوع ہونا چاہئے، لیکن اس کے ساتھ ہی اس مسئلہ کے دوسرے پہلو اور اس کی دوسری تفصیلات بھی ہیں جس سے اس کے جواز کی گنجائش نکلتی ہے، بلکہ اس کی ترجیح کا اشارہ نکلتا ہے۔

"بدایۃ المجتہد" میں گڈھے اور تالاب کی مچھلی کی فروخت کے سلسلے میں حضرت امام اعظمؒ سے مطلق جواز کی روایت ہے: "ومن هذا الباب بيع السمک في الغدير أو البركة اختلفوا فيه أيضاً، فقال أبو حنيفة: يجوز" (بدایۃ المجتہد: ۲ / ۱۷۵، ۱۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ایڈیشن سادس ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۳ھ)۔ صاحب "مغنی" ابن قدامہ حنبلی م ۶۲۰ھ کی اس سلسلے کی پیش کردہ تفصیلات سے بھی اس مسئلہ میں نرمی سامنے آتی ہے، جبکہ سب سے زیادہ تفصیل اس مسئلہ کی انہی کے یہاں ملتی ہے، اس سلسلے میں پہلی بات یہ کہ حسن، نخعی، مالک، ابوحنیفہ، شافعی، ابویوسف، اور ابوثور جن ائمہ کی طرف سے اس کی ممانعت ہے انھوں نے اس کو صرف مکروہ کہا ہے، دوسرے یہ کہ پانی کی مچھلی کی بیع کی یہ کراہیت "جواز" میں تبدیل ہو جائے گی اگر اس کے ساتھ تین شرطیں جمع ہو جائیں:

۱- گڈھا یا تالاب آدمی کی ملکیت ہو۔

۲- پانی صاف شفاف ہو جس سے کہ اس کی جڑوں کو دیکھنے اور پہچاننے میں دشواری نہ ہو۔

۳- مچھلی کا مرد ئی اور اس کا شکار کرنا ممکن ہو۔

یہ تینوں شرطیں اکٹھی ہوجائیں تو اس طرح کی مچھلی کی بیع جائز ہوگی، اس لئے کہ یہ معلوم، زیر ملکیت اور حوالے کے قابل چیز ہے تو اس کی بیع اسی طرح جائز ہوگی جیسے کوئی چیز جو طشتری میں رکھی ہوئی ہو۔

"فإن اجتمعت هذه الشروط جاز بيعه؛ لأنه مملوك معلوم مقدور على تسليمه، وجاز بيعه كالموضوع في الطست" (المغنی ۴/ ۲۲۳، سوال ۱۵)۔

صاحب "مغنی" کی آگے کی تفصیل سے سوال نمبر ۱ کے ابتدائی حصے سے گذرے، تالاب میں آنے والی مچھلیوں کا مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو گڈھا یا تالاب کسی کی انفرادی یا اجتماعی ملکیت یا اس کے زیر تصرف ہو، اس میں جو مچھلی بھی اپنے آپ آجائے گی وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔

"أو أعد بركة (گڈھا) أو مصفاة (تالاب) ليصطاد فيها السمك فحصل فيها سمك ملكه" (المغنی ۴/ ۲۲۴) آگے ہے: "ولو أعد لمياه الأمطار مصانع (جمع مصنع الأرض يحفظ فيها الماء تشبه الحوض) أو بركة أو أدنى ليحصل فيها الماء ملكه مخصوصة فيها؛ لأنها في باب الإعداد كالشباك للاصطياد" (المغنی حوالہ سابق)۔

ظاہر حدیث سے ہٹ کر خود حدیث کے حوالے سے بعض دوسرے مسائل سے بھی مسئلہ زیر نظر کے لئے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ "بخاری و مسلم" کی روایت سے پھل کے برآمد ہونے سے قبل اس کی بیع ممنوع ہے:

"نهى رسول الله ﷺ عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحها نهى البائع والمبتاع" (بخاری ۱/ ۲۹۳، ۱۸۹۰)۔

دیگر روایات کے لئے دیکھئے: نیل الاوطار ۵/ ۱۷۳۔

لیکن حضرات حنفیہ کے یہاں کارآمد ہونے سے قبل اس کی بیع جائز اور اسی رائے کو زیادہ صحیح کہا گیا ہے۔

"ومن باع ثمرة لم يبد صلاحها أو قد بدأ جاز البيع.....والأول أصح"

(ہدایہ ۳/۲۰ طبع مذکور)۔

حدیث کی رو سے بیع کی ممنوع صورتوں میں سے ایک "بیع معاوضہ" ہے، یعنی کہ پیڑ کو ایک ہی ساتھ کئی سالوں کے لئے بیچ دیا جائے۔

"وقد روى عنه ﷺ: "أنه نهى عن بيع السنين وعن بيع المعاومة،وهي بيع الشجر أعواما" (بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۹)۔

لیکن حضرت عمر بن الخطابؓ اور ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ وہ اس طرح سے پھلوں کی بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

"إلا ما روى عن عمر بن الخطاب وابن الزبير أنه كان يجيز أن بيع الثمار سنين) (بدایہ حوالہ مذکور)۔

اسی طرح بیع کی ناجائز صورتوں میں سے ایک تھن کے دودھ کی بیع ہے، جس کی حدیث میں صاف ممانعت ہے: "وعن شراء ما فى ضروعها" (ہدایہ: ۳/۱۵۸)، لیکن حضرت امام مالکؒ ایک بکری میں تو نہیں، لیکن بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے دودھ کی متعین دنوں کے لئے فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

"وأجاز مالك بيع لبن الغنم أياماً معدودة إذا كان ما يحلب منها معروضاً فى العادة" (ہدایہ حوالہ سابق)۔

اس تفصیل کی روشنی میں سرکاری ندی، نالے اور نہر میں بعض حکومت کی طرف سے کسی خاص شخص، کوآپریٹو سوسائٹیوں یا مقامی پنچایتوں کے لئے بالمعاوضہ بندوبست کیا جاتا ہے، ان میں آنے یا پائی جانے والی مچھلیاں متعلقہ افراد اور اداروں کی ملکیت ہوں گی اور تفصیلات بالا کی روایت سے ان افراد اداروں کی ملکیت ہوں گی اور تفصیلات بالا کی رعایت سے ان افراد اور اداروں کے لئے ان کا بیچنا جائز ہوگا۔ اور یہی صورت موجودہ عرف کے مطابق ان ندی نالوں اور نہروں کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کے جواز کا فتوی دیا جانا مناسب معلوم ہوتا ہے، آخری

وضاحت کے ساتھ اس نمبر کے جواب کو ختم کیا جاتا ہے۔

مسئلہ زیر نظر کے جاری عرف کو رد کرتے ہوئے ممانعت کی پہلی رائے پر اصرار کا مطلب مصلحت کا ازالہ اور ضرر کی تائید ہوگا، اس لئے کہ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب ہوگا کہ پہلے تمام مچھلیاں گندے تالاب سے نکلوائی جائیں، پھر ان کی فروخت کے سلسلے میں سوچا جائے، تو آپ خود سوسائٹیوں اور پنچایتوں کی طرف سے ان مچھلیوں کے نکالنے کا حشر معلوم ہے کہ گھوم پھیر کر اس کا سارا فائدہ سوسائٹی اور پنچایت کے ممبران کی جیب میں جائے گا، اول یہ کہ ان مچھلیوں کے نکالنے کے لئے قرار واقعی دلچسپی کون لے گا، مطلوبہ مہارت کے ساتھ یہ کام اس پیشے کے ماہرین کے علاوہ دوسرا نہیں کرسکتا، اور ان کا دستور ہے کہ یہ اس کام میں جان لگا کر محنت اسی صورت میں کرتے ہیں جبکہ پورے تالاب کا کل مال ان کے زیر تصرف تسلیم کیا جائے۔ مزدوری یا مال کے کسی تناسب، نصف تہائی، چوتھائی وغیرہ پر ان کے لئے اس میں مطلوبہ دلچسپی پیدا کرنا بہت مشکل ہے، اس سے بڑی کمزوری سوسائٹی اور پنچایت کے بچولیے ممبران کی ہے، جنہیں جہاں اس معاملے میں اس طرح دخیل ہونے کا موقع ملا ان سے بچ کر سرکاری خزانے میں کچھ پہنچ پانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ سی۔ بی۔ آئی۔ جیسی تحقیقی تنظیم کی تیز نظر کے باوجود اس وقت ملک میں مالی خرد برد اور گھوٹالوں کا جو حال ہے اس کے پیش نظر اس خصوص میں کسی ہوش مند کے لئے کسی نیکی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے، نتیجے کے طور پر خسارہ سرکار کا، دوسرے لفظوں میں ملکی عوام کا ہوگا۔ ضرر اور ضرار سے آخری حد تک بچاؤ اور انتہائی درجے میں مصالح کا حصول جس شریعت مطہرہ کا امتیاز ہو، وہ بدلتے حالات میں مفاد عامہ کی ان دیکھی کرکے مسائل کی جامد صورتوں پر قناعت پذیر نہیں ہوسکتی، اور یہی صورت جو دشواری سوسائٹی اور پنچایت کے لئے ہے گندے تالاب سے باہر نکال کر ہی مچھلی فروخت کرنے میں ہوسکتی ہے، افراد کا معاملہ اس خصوص میں ان سے بہت مختلف نہیں ہے، جبکہ ان میں ایک تعداد ان افراد کی بھی ہوسکتی ہے جو اپنی دوسری شدید مصروفیت کے سبب تھوڑا آمدنی کے اضافے کی ایک ضمنی صورت کے طور پر اسے اختیار

کرتے ہیں، ان کے لئے بھی سہولت اسی میں ہے کہ وہ گذشتہ، تالاب کو یکمشت فروخت کردیں اور اس کی رقم سے اپنے دین دنیا کی بہتری کا سامان کریں، اوپر کی پھنسان کے ساتھ ان کے لئے اس کاروبار میں پڑنا بہت مشکل ہے اور اس کے دروازے کو ان کے لئے بالکل بند کردینا ہرگز قرین مصلحت نہیں ہوسکتا ہے۔

آخری بات ان شہروں، تالابوں کی خریداری کرنے والے پیشہ ور ماہرین کے امکانی نقصان کی کہی جاسکتی ہے، لیکن جو لوگ خرید وفروخت کے اس طرح کے کاروبار میں اپنے کو لگاتے ہیں، وہ اس طرح کے امکانی خساروں کے سہنے کے عادی ہوتے ہیں، اور ایک جگہ کی کمی کی تلافی دوسری جگہ سے ان کے لئے ہوتی رہتی ہے، اس موقف کو تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ پھل پر آفت آجانے کی صورت میں خریدار سے کچھ نہ لینے کی حدیث میں جو تاکید آئی ہے: "لو بعت من أخيك ثمراً فأصابته جائحة، فلا يحل لك أن تأخذ منه شيئاً، بم تأخذ مال أخيك بغير حق" (روایت مسلم بحوالہ سبل السلام ۳؍ ۸۹۳)، اس میں اس ممانعت کو استحباب پر محمول کیا گیا ہے (سبل السلام ۳؍ ۸۹۳ طبع مذکور)۔

۲- مسئلہ کی اس تنقیح کے بعد مسلمان کے لئے اس طرح کی مچھلی بیچنا اور خریدنا دونوں جائز ہوگا۔

۳- تنقیح بالا کی روشنی میں ذاتی ملکیت کے حوض یا تالاب سے مچھلی نکالے بغیر اس کا بیچنا متعلق شخص کے لئے جائز، متعین مدت کے لئے جس شخص یا اشخاص کے ہاتھ وہ اسے فروخت کرے گا اسے یا انھیں ہی اس سے مچھلیاں نکالنے کا اختیار ہوگا۔

۴- نجی یا عوامی ملکیت کے حوض تالاب میں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے جو مچھلیاں اس میں آجائیں گی وہ متعلق فرد یا عوام کی ملکیت ہوگی، اور ان کے لئے اس معین تالاب کا فروخت کرنا یا ٹھیکے پر دینا جائز ہوگا، متعین مدت کے اندر خریدنے یا ٹھیکے پر لینے والے ہی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگا۔

نہر اور تالاب کی مچھلیوں کو فروخت کرنا

مفتی شبیر احمد قاسمی ☆

نہریں اکثر سرکاری ہوتی ہیں اور تالاب کبھی سرکاری ہوتا ہے اور کبھی علاقہ کی پنچایت کے ماتحت ہوتا ہے اور کبھی شخصی ہوتا ہے سب کا حکم ایک ساتھ سات شکلوں میں پیش کیا جارہا ہے، نہر و تالاب کی مچھلیاں صاحب تالاب کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ان کو پکڑنے سے قبل فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے بارے میں غور کر کے دیکھا جائے تو اس کی سات شکلیں سامنے آتی ہیں۔

شکل (۱) تالاب کو مچھلیوں کے لئے تیار نہیں کیا گیا اور نہ ہی مچھلیوں کے بارے میں اس میں کوئی خاص اہتمام کیا گیا ہے، بلکہ سیلاب وغیرہ کے ذریعہ سے مچھلیاں خود بخود اس میں داخل ہوتی ہیں اور نکلنے کا راستہ بھی اس میں موجود ہے کہ راستہ بند نہیں کیا گیا ہے تو ایسی آزاد مچھلیاں صاحب تالاب کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتی ہیں اسی کے لئے بھی ان مچھلیوں کو پکڑ کرنے جانے کا حق ہے۔ پکڑنے سے پہلے ان کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"وان لم یکن أعدھا لذلک لا یملک ما یدخل فیہا، فلا یجوز بیعہ لعدم الملک" (فتح القدیر ۶ / ۴۱۰)۔

(اور اگر تالاب کو مچھلی کے لئے تیار نہیں کیا گیا تھا تو اس میں جو مچھلیاں خود بخود داخل

☆ جامعہ قاسمیہ شاہی، مرادآباد۔

ہو جائیں گی ان کا صاحب تالاب مالک نہیں ہوتا ہے، لہٰذا ان کو پکڑنے سے پہلے فروخت کرنا بھی صاحب تالاب کے لئے جائز نہیں)۔

شکل (۲) تالاب کو صاحب تالاب نے مچھلیوں کے لئے تیار نہیں کیا ہے اور نہ ہی مچھلیوں کے واسطے کوئی خاص اہتمام کیا ہے، بلکہ مچھلیاں خود بخود داخل ہوگئی ہیں لیکن صاحب تالاب نے مچھلیاں داخل ہو جانے کے بعد نکلنے کا راستہ بند کر دیا ہے تو ایسی صورت میں صاحب تالاب ان مچھلیوں کا مالک ہو جاتا ہے، اسی طرح نہر وندی کے خاص کنارہ یا خاص حصہ میں اسی طریقہ سے بند لگا دیا ہے کہ اس حصہ کے اندر جو مچھلیاں موجود ہوئی ہیں وہ باہر نہیں نکل سکتی ہیں تو ایسی صورت میں نہر اور ندی کے اس حصہ کی مچھلیاں بند لگانے والے کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں، مگر بغیر حیلہ اور کوشش کے ان کا پکڑنا ممکن نہیں ہے، اس لئے ایسی مچھلیاں غیر مقدور التسلیم اور مجہول ہوتی اس لئے پکڑنے سے پہلے ان مچھلیوں کو مالک کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مگر مالک کی اجازت کے بغیر دوسروں کے لئے بھی ان مچھلیوں کو پکڑنا جائز نہیں ہے (مستفاد امداد الفتاوی ۳ر ۸۰)۔ اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''اور اگر تالاب کو مچھلی کے لئے تیار نہیں کیا تھا تو جو مچھلی اس میں داخل ہو جائے گی وہ اس کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی، لہٰذا عدم ملک کی وجہ سے پکڑنے سے پہلے اس کی فروختگی بھی جائز نہ ہوگی، لیکن اگر مچھلیاں داخل ہونے کے بعد نکلنے کا راستہ بند کر دیا ہے تو ایسی صوت میں داخل شدہ مچھلیاں اس کی ملکیت میں شمار ہوں گی'' (فتح القدیر ۶ر ۱۰۳)۔

شکل (۳) آزاد مچھلیاں تالاب میں خود بخود داخل ہوگئیں اور صاحب تالاب نے تالاب کو مچھلیوں کے لئے مہیا نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس میں مچھلیوں کا کوئی انتظام کیا ہے، بلکہ باہر سے مچھلیاں خود بخود آ کر داخل ہوگئی ہیں اور کسی دوسرے آدمی نے آ کر بند لگا دیا ہے تو ان مچھلیوں کا مالک وہی بند لگانے والا ہوگا صاحب تالاب نہیں ہوگا (مستفاد امداد الفتاوی ۳ر ۸۰)۔

اسی طرح نہر کے کنارے کو مچھلیوں کے لئے بند لگا رکھا ہے اور اس میں مچھلیاں جمع

السمک فقد ملک السمک ولیس لأحد أن یاخذہ" (بنایہ شرح ہدایہ ۳/۸۳، البحر الرائق ۶/۷۰)۔

(اگر تالاب کو مچھلی ہی کے لئے تیار کیا گیا ہے یا نہر کے کنارے کو مچھلی کے لئے بند لگا رکھا ہے تو جو مچھلیاں اس میں داخل ہو جائیں گی وہ اس کی ملکیت میں شامل ہو جائیں گی، دوسروں کے لئے ان مچھلیوں کو پکڑنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی آدمی اپنی زمین میں کوئی تالاب بنائے یا نہر کے کنارے کو گھیر دے، پھر اس میں مچھلیاں جمع ہو جائیں تو وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہو جاتا ہے دوسروں کے لئے ان کو پکڑنا جائز نہیں)۔

شکل (۵) تالاب کو مچھلیوں کے لئے تیار نہیں کیا تھا لیکن بعد میں مچھلیاں کہیں سے پکڑ کر اس میں لا کر ڈال دیا ہے تو ایسی صورت میں یہ مچھلیاں اس کی ملکیت ہوں گی مگر تالاب کافی بڑا ہونے کی وجہ سے آسانی سے ان مچھلیوں کو پکڑنا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں ان مچھلیوں کو پکڑنے سے پہلے فروخت کرنا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، لیکن چونکہ اس کی ملکیت ہے، اس لئے دوسروں کو پکڑنے سے منع کر سکتا ہے۔

شکل (۶) تالاب کو مچھلی ہی کے لئے تیار کر رکھا تھا اور صاحب تالاب نے مچھلیوں کو کہیں سے لا کر ڈال دیا ہے تو ایسی صورت میں وہ مچھلیاں بہر حال صاحب تالاب کی مملوک ہیں، دوسروں کے لئے ان مچھلیوں کو پکڑنا جائز نہیں، لیکن تالاب بہت بڑا ہونے کی وجہ سے مچھلیاں آسانی کے ساتھ پکڑی نہیں جا سکتی ہیں، لہٰذا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے پکڑنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا (مستفاد امداد الفتاوی ۳/۴۹) اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''اور اگر تالاب کو مچھلیوں کے لئے تیار نہیں کیا گیا تھا، لیکن مچھلیوں کو پکڑ کر تالاب میں ڈالدیا گیا ہے تو صاحب تالاب مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، لیکن بلا کسی حیلہ اور مشقت کے وہ پکڑی نہیں جا سکتی ہیں، اس لئے بیچنا جائز نہیں اگر چہ وہ اپنی ملکیت کی مچھلی کیوں نہ ہو، اس لئے

کہ یہ مقدور التسلیم نہیں ہے، اگر مچھلیوں کو شکار کر کے تالاب میں ڈال دیا ہے اور تالاب بڑا ہے تو ان کو پکڑنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ غیر مقدور التسلیم ہے" (فتح القدیر ۶/۱۰۱)۔

شکل (۷) تالاب چھوٹا ہے اور اس کو مچھلیوں کے لئے تیار کیا گیا ہو، یا مچھلیوں کے لئے تیار نہ کیا گیا ہو مگر صاحب تالاب نے مچھلیوں کو کہیں سے پکڑ کر لا کر اس میں ڈال دیا ہے اور تالاب چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس میں مچھلیوں کو پکڑنے میں کسی قسم کی مشقت اور پریشانی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، تو ایسے تالاب کی مچھلیوں کو پکڑنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے (مستفاد رد المحتار ۵/۶۸)، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"وإن كانت صغيرة جاز، لأنه باع مقدور التسليم، فإن كان يؤخذ بلا حيلة جاز بيعه، لأنه مملوك مقدور التسليم" (فتح القدیر ۶/۱۰۲، مع البحر ۶/۲۰۹)۔

(اگر تالاب حوض کی طرح بہت چھوٹا ہے تو اس کی مچھلی کو بیچنا اس لئے جائز ہے کہ وہ مقدور التسلیم ہے اور اگر بغیر کسی حیلہ اور مشقت کے پکڑی جا سکتی ہے تو ان کو بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ ایسی مچھلیاں ہیں جو صاحب تالاب کی مملوک اور مقدور التسلیم ہیں)۔

تالاب کو ٹھیکہ پر دینے کی مشہور و معروف شکل:

آج کل کے زمانہ میں تالاب کو ٹھیکہ پر دینے کا سب سے معروف اور مشہور طریقہ جو لوگوں میں زیادہ تر رائج ہے وہ یہی ہے کہ تالاب میں پہلے سے مچھلیاں پرورش کی ہوئی نہیں ہوتی ہیں، بلکہ خالی تالاب یا جھیل کو خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دیا جاتا ہے اور باہر سے مچھلیوں کو جال وغیرہ سے پکڑ کر حاصل کیا کرتا ہے تو اب یہاں مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ اس طرح خالی تالاب یا جھیل کو مچھلیوں کی پرورش کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرات فقہاء متاخرین نے عموم بلوی کی وجہ سے اس طرح تالابوں اور جھیلوں کو مع ان کے حاشیہ اور کناروں کے ٹھیکہ

پر دینے اور لینے کو جائز قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: تقریرات رافعی ۵/۰۰۷، بحر ۸/۳۳۱)۔

نیز صاحب بحرؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' سے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایسے بڑے تالاب اور جھیل کے بارے میں خط لکھا گیا کہ جس میں مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں تو ان کو اجارہ پر دینا جائز ہے یا نہیں، تو حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت لکھی ہے نیز امام ابو حنیفہؒ امام حمادؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے عبد الحمید بن عبد الرحمن سے اس مسئلہ سے متعلق تبادلہ خیال فرمایا تو انہوں نے حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے پاس جھیل اور تالاب کی مچھلیوں کی بیع سے متعلق سوال لکھ کر بھیجا تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ ایسا معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن صاحب بحرؒ نے اخیر میں ''ایضاح'' کے حوالہ سے عدم جواز نقل فرمایا ہے اور علامہ شامیؒ نے اس کے ذیل میں منحۃ الخالق میں ایضاح کے قول کو زیادہ مناسب قرار دیا ہے، لیکن چونکہ اس زمانہ میں زیادہ تر لوگ اس قسم کے معاملات میں مبتلا ہیں اس لئے ایضاح کے قول ارجح کو ترک کر کے عموم بلویٰ کے پیش نظر حضرت عمرؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے خط کو بنیاد بنا کر تالاب کو ٹھیکہ پر دینے کے مروج طریقہ کو جائز قرار دینا مناسب ہوگا۔

نیز صاحب ''درمختار'' اور ''ہدایہ'' کی عبارت بھی اس کے لئے مؤید ہے، لہٰذا عدم جواز کا قول کرنا مناسب نہ ہوگا صاحب بحر کی طویل عبارت میں سے اقتباس کر کے مختصر عبارت یہاں نقل کرتے ہیں:

''عن أبي الزناد قال كتبت إلىٰ عمر بن الخطاب في بحيرة يجتمع فيه السمك بأرض العراق أن يؤاجرها فكتب أن افعلوا (إلى قوله) فكتب إلى عمر بن عبد العزيز يسئله عن بيع صيد الآجام، فكتب إليه عمر أنه لا بأس به (إلىٰ قوله) لكن بعد مدته رأيت في الإيضاح عدم جواز إجارته (وقول الشامي) وما في الإيضاح بالقواعد الفقهية أليق''

(ابو الزنادؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطابؓ کے پاس ایسے بڑے جھیل کے

بارے میں خط لکھ کر معلوم کیا کہ جن میں مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں جو جھیل عراق کی سرزمین میں ہے، ان کو اجارہ پر دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ صاحب "بحر" فرماتے ہیں: تو حضرت عمرؓ نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ اجارہ کا معاملہ کر سکتے ہو، نیز عمر بن عبدالعزیز کے پاس خط لکھا گیا جس میں جھیل و تالاب کے شکار کی بیع سے متعلق سوال کیا گیا تھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ ان کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، صاحب "بحر" فرماتے ہیں: لیکن ایک مدت کے بعد "ایضاح" کے اندر اس کے اجارہ کے عدم جواز کی بات دیکھی گئی ہے اور علامہ شامیؒ "منحۃ الخالق" میں فرماتے ہیں کہ ایضاح کی عبارت زیادہ مناسب ہے۔

سرکاری نہروں کو ٹھیکہ پر دینا:

سرکاری نہروں کے مخصوص حصہ کو ٹھیکہ پر لینا اور اس مخصوص حصہ سے ٹھیکہ دار کا مچھلیاں مارنا اور کسی کو اس سے مچھلیاں مارنے نہ دینا شرعی طور پر کیا حکم رکھتا ہے؟

تو فقہی جزئیات کی روایات کا استقصاء کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس طریقہ سے مچھلی ہی کے لئے نہروں کو ٹھیکہ پر دینا شرعی طور پر جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں غیر مملوک اشیاء کو فروخت کرنا لازم آتا ہے، کیونکہ جو مچھلیاں نہروں میں ہوتی ہیں وہ آزاد مچھلیاں ہوتی ہیں کبھی سے آتی ہیں اور کبھی چلی جاتی ہیں کسی کی مملوک نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں غیر مملوک اشیاء کی فروختگی لازم آتی ہے جو کہ شرعاً باطل ہے، ایسی بیع منعقد ہی نہیں ہوتی ہے اور ایسی صورت میں ہر شخص کو اس میں سے مچھلیاں مار کر حاصل کرنے کا اختیار ہوگا شرعی طور پر ٹھیکہ دار دوسروں کو روکنے کا حق نہ ہوگا، اس کو صاحب "فتح القدیر" نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

"ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد، لأنہ باع ما لا یملکہ و تحتہ فی الفتح بیع السمک فی البحر أو النہر لا یجوز" (فتح القدیر مع الہدایہ ۲-۴۰۹)۔

(اور شکار کرنے سے پہلے مچھلیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں ایسی

چیزوں کا فروخت کرنا لازم آتا ہے جن کا وہ خود مالک نہیں اور فتح القدیر میں ہے کہ دریا میں یا نہر میں مچھلیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے)۔

اور امام شمس الائمہ سرخسیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

"ولا یجوز إجارۃ الآجام والأنہار لصید السمک ولا لغیرہ؛ لأن المقصود استحقاق العین، ولأن السمک صید مباح فلکل من أخذہ فہو أحق بہ" (مبسوط سرخسی ۱۶ / ۳۳)۔

(اور بڑی بڑی جھیل اور نہروں کو مچھلی یا دوسری چیز کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں مقصود عین کو حاصل کرنا ہوتا ہے (اور اجارہ منافع پر ہوتا ہے نہ کہ عین پر) اور اس لئے کہ مچھلی ایسی شکار ہے جو ہر شخص کے لئے مباح ہے، لہذا جو بھی پکڑے گا وہی اس کا حق دار ہوگا)۔

جواز کی متبادل شکل:

نہروں کو ٹھیکہ پر دینے کے لئے متبادل شکل یہ ہے کہ سرکار سے یہ طے کر لیا جائے کہ نہر اور اس نہر سے متعلق اس کے کنارے کو بھی کرایہ پر خاص مدت کے لئے لیا جائے اور ٹھیکہ دار کو یہ حق بھی حاصل ہو جائے کہ نہر کے کناروں سے وہ کسی قسم کی پیداوار یا خودرو گھاس یا چیز وغیرہ سے فائدہ اٹھا سکے تو یہ شخص نہر کے اس مخصوص حصہ کو اپنی تحویل میں لے سکتا ہے اور وہاں لوگوں کو آنے جانے سے منع کر سکتا ہے، اور اسی کے ذیل میں نہر کے اس حصہ سے جو مچھلیاں وہ حاصل کرے گا وہ اس کی ملکیت ہو جائیں گی، اب اس کے لئے اس کو بیچنا خود کھانا اور خریدنے والوں کے لئے مچھلیاں خریدنا سب کچھ جائز ہو جائے گا، اس کو حضرات فقہاء نے لوگوں کے درمیان تعامل اور عموم بلوی کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے اور علامہ حصکفیؒ نے "الدر المختار" کے اندر اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے، علامہ حصکفیؒ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"وجاز باجارة القناة النهر مع الماء به يفتى لعموم البلوى" (الدر المختار کراچی ۶؍۶۳)۔

(نالے اور نہروں کو پانی کے ساتھ اجارہ پر دینا جائز اور درست ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوی ہے)۔

"ہندیہ" میں اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"نہروں نالیوں اور کنوؤں کے پانی کو اجارہ پر دینا جائز نہیں ہے اور نہر و رنالیوں کو اگر پانی کے ساتھ اجارہ پر لیا جائے تو بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس کے اندر اصلاً عین کا استہلاک لازم آتا ہے اور اجارہ کا انعقاد عین پر نہیں ہوتا ہے، بلکہ منافع پر ہوتا ہے، لیکن عموم بلوی کی وجہ سے فتوی جواز پر ہے" (ہندیہ ۴؍۴۴۱)۔

فقہاء کی مذکورہ تشریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نہروں کے اندر جو مچھلیاں ہوتی ہیں ان کو ٹھیکہ پر لینا شرعی طور پر جائز نہیں ہے، لیکن اگر نہر کے کناروں کو عقد میں شامل کر کے نہر کے مخصوص حصہ کے پانی کو ٹھیکہ پر لے لیا جائے تو عموم بلوی اور تعامل ناس کی وجہ سے عقد اجارہ جائز ہو جاتا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ نہر کے اس حصہ پر آنے سے دوسروں کو روک دے اور خود نہر کے اس حصہ سے مچھلیاں مار مار کر اپنے استعمال میں لائے یا فروخت کرے۔

بیع فاسد میں مشتری ثانی کا تصرف:

تالاب، جھیل اور نہروں کو ٹھیکہ پر لینے یا ان کی مچھلیوں کو پکڑنے سے پہلے فروخت کرنے کی جو صورتیں اوپر تفصیل سے آچکی ہیں ان میں سے جن صورتوں میں مقدور التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اور رفع فساد کے لئے جو حیلے اور طریقے بتائے گئے ہیں ان میں سے کوئی حیلہ بھی اختیار نہ کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں عقد اپنی جگہ فاسد ہی رہے گا،

لیکن عقد فاسد کی وجہ سے مبیع مشتری کی ملکیت سے باہر نہیں ہوتی ہے، بلکہ ملکیت میں آجاتی ہے مگر اس کے لئے صحت کی شرائط کو اختیار کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا ہے تاہم اگر مشتری اول نے دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیا ہے یا ہبہ کردیا ہے یا صدقہ کردیا ہے تو ان تمام صورتوں میں مشتری ثانی اور موہوب لہ اور متصدق علیہ کے لئے اشیاء مذکورہ جائز اور حلال ہوجاتی ہیں اس کے حق میں کسی قسم کی خرابی باقی نہیں رہتی ہے، لہٰذا تالاب اور جھیل وغیرہ کے مذکورہ مسائل میں اگر معاملہ فاسد اختیار کیا گیا ہے اس کے بعد ٹھیکیدار اور یا مشتری اول سے دوسرے لوگ مچھلیاں خرید لیں یا وہ مچھلیاں بزار اور مارکیٹ میں آجائیں تو وہاں سے جو شخص بھی خرید دے گا تو اس کے لئے خریدنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا سب کچھ بلاتردد جائز اور حلال ہے اس کے حق میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہے گا (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۵/۹۸، ہدایہ مصری نسخہ ۵/۲۳۲، البحرالرائق ۹/۹۵، بدائع الصنائع ۵/۳۰۱)۔

☆☆☆

بیع کے چند مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱- سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر ان مچھلیوں کے نکالے ہوئے بیع کے مجہول ہونے یا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ممنوع و ناجائز ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد؛ لأنہ باع ما لا یملکہ ولا فی حظیرۃ إذا کان لا یؤخذ إلا بصید، لأنہ غیر مقدور التسلیم، ومعناہ إذا أخذ ثم ألقاہ فیہا، ولو کان یؤخذ من غیر حیلۃ جاز إلا إذا اجتمعت فیہا بأنفسہا ، ولم یسد علیہا المدخل لعدم الملک" (ہدایہ ج۳، ص۴۲، نیز درمختار ج۴، ۱۹۹)۔

ان مذکورۃ الصدر عبارت سے یہ واضح ہوا کہ ندیوں اور تالابوں میں مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر شکار کئے ہوئے اور بدون نکالے ہوئے ناجائز ہے۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر (۶/۴۰۹) میں لکھتے ہیں:

"فإن کانت لہ حظیرۃ فدخلہا السمک فإما أن یکون أعدہا لذلک أو لا، فإن کان أعدہا لذلک فما دخلہا ملکہ، ولیس لأحد أن یأخذہ ثم إن کان یؤخذ بغیر حیلۃ اصطیاد جاز بیعہ، لأنہ مملوک مقدور التسلیم، وإن لم یکن یؤخذ إلا بحیلۃ لا یجوز بیعہ لعدم القدرۃ علی التسلیم عقب البیع . .

☆ خادم الحدیث الشریف بالجامعۃ العربیۃ مفتاح العلوم مئو

الخ" (۶ر ۷۹، البحر الرائق ۶ر ۱۱۹)۔

علامہ ابن ہمامؒ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ سرکاری تالاب یا ندی نالوں یا اپنی ملکیت کے حوض وگڈھے میں مچھلیاں ہیں بغیر ان کو نکالے ہوئے ان کی بیع وشراء جائز ہونے کے لئے مملوک ومقدور التسلیم ہونا ایک ساتھ شرط ہے، اگر مملوک ومقدور التسلیم ہیں تو پانی میں ان کی بیع وشراء جائز ہے، جیسے اپنی ملکیت کا حوض وگڈھا جو مچھلی کے لئے بنایا گیا ہے کہ جس سے بغیر شکار کے حیلے کے مچھلی پکڑی جاسکتی ہے، اور اگر ملکیت کا ہی حوض وگڈھا ہے، لیکن بغیر حیلے کے مچھلی پکڑی نہیں جاسکتی تو گو کہ مملوک ہے، لیکن مقدور التسلیم نہیں ہے، اس لئے اس کی بیع وشراء ناجائز ہے۔

اسی طرح سرکاری تالاب یا ندی نالے مملوک سرکاری ہیں، لیکن مچھلیاں چونکہ بغیر حیلہ شکار پکڑی نہیں جاسکتیں، اس لئے وہ مقدور التسلیم نہیں ہیں، لہٰذا بغیر ان کو نکالے ہوئے پانی میں ان کی بیع وشراء ناجائز ہے، اور اگر مقدور التسلیم ہیں، لیکن مملوک نہیں تب بھی پانی میں بیع وشراء ناجائز ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ نے (۶ر ۷۰) میں "مسند احمد" کی ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پانی میں مچھلی کی بیع وشراء نہ کرو کیونکہ وہ دھوکا ہے"۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر ان مچھلیوں کے نکالے ہوئے اصول شرع کے اعتبار سے ناجائز ہے، لیکن چونکہ ہمارے ملک میں یہ بیع وشراء عام ہے اور ابتلاء بھی عام ہے، اور یہ عرف اہل ہنود کا ہے جو احکام شریعت میں حجت نہیں، لہٰذا عدم جواز ہی کا فتوی دیا جائے، چنانچہ ہمارے اکابر علماء ہند رحمہم اللہ کے سامنے یہ سوال آیا تو ناجائز کا فتوی دیا، چنانچہ مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں: "شکار کرنے سے پہلے تالاب کے اندر مچھلی کا فروخت کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے شکار کرنے سے پہلے ہی ان کو کسی سامان کے عوض فروخت کر دیا تو بیع فاسد ہے، اور اگر دراہم ودنانیر کے بدلے فروخت کیا تو بیع باطل ہے، اور اگر مچھلی شکار کر کے ایسی جگہ چھوڑ دیا کہ وہاں سے حیلہ وتدبیر سے پکڑنا ممکن نہیں

تو بھی بیع فاسد ہوگی، اور اگر حیلہ سے پکڑنا ممکن ہو تو صحیح ہو جائے گی، اور بیع باطل میں خریدار کے قبضہ کر لینے کے باوجود ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور بیع فاسد کو ختم کرنا واجب ہے" (محمود فتاوی ص ۲۰۷)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: "جن صورتوں میں داخل ملک ہی نہیں ہوئے اس میں بدون پکڑے ہوئے بیع کرنا مطلقاً جائز نہیں، اور جن صورتوں میں داخل ملک ہو گئی اس میں دیکھنا چاہئے کہ اگر پکڑنے کے لئے کچھ حیلہ و تدبیر کی ضرورت ہے تب بھی بیع جائز نہیں، "لانه غیر مقدور التسلیم" اور اگر بلا کسی تدبیر کے پکڑنا آسان ہو تو بیع جائز ہے، مثلاً کسی چھوٹے گڈھے یا برتن میں ہو کہ ہاتھ ڈال کر پکڑ لیں (امداد الفتاوی ۳/۳۰)۔

خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں مچھلیوں کی بیع وشراء بدون نکالے اور شکار کئے ہوئے ناجائز ہے اور موجودہ عرف چونکہ نص کے خلاف ہے، اس لئے حجت نہیں بن سکتا۔

۲- ٹھیکیدار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان کا پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلی کو خریدنا جائز ہے، چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں: "جہاں تک ٹھیکیدار کی بیع وشراء کا سوال ہے تو فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ دریائی مچھلیوں کا یہ ٹھیکہ، یعنی بیع وشراء ہے اور اس کی حقیقت شرعیہ یہ ہوتی ہے کہ بوقت ٹھیکہ بھی دریا میں مچھلیاں موجود ہوتی ہیں اور پکڑی بھی جاتی ہیں اگرچہ ان کی مقدار معلوم و متعین نہیں ہوتی، اس لئے اس معاملہ بیع کو معدوم کی بیع کہہ کر باطل نہیں کہہ سکتے، بلکہ "بیع غیر مقبوض" یا "بیع موجود غیر معلوم المقدار" کہہ سکتے ہیں اور ایسی بیع فاسد ہوتی ہے اور اس کا اقالہ (ختم کرنا) واجب ہوتا ہے، اگر اقالہ نہ کرے بلکہ بیع صحیح کر دے تو بیع صحیح ہو جاتی ہے اور اس کا مالک بملک صحیح ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"فان باعه المشتری نفذ بیعه، لانه ملکه فملک التصرف فیه وسقط

عن الاسترداد لتعلق حق العبد بالثاني و نقض الأول لحق الشرع ، وحق العبد لعدم الحاجة، ولأن الأول مشروع بأصله دون وصفه، والثاني مشروع بأصله وصفه، فلا يعارضه مجردا لوصف، ولأنه مصل بتسليط من جهة البائع" (بدائع ج ۶ ، ۹۸، فتاویٰ نظامیہ ۱/۲۱۱)۔

حضرت مفتی نظام الدین آگے فرماتے ہیں: "اس لئے اگر مسلمان بھی اس طرح ٹھیکہ لے کر اور خود مچھلیاں پکڑ کر یا اپنے مزدوروں سے پکڑوا کر فروخت کردے تو اس کی یہ بیع بلاشبہ صحیح و نافذ ہوجاتی ہے، لیکن مسلمان ترک اقالہ نہ کرنے سے مبتلائے معصیت ہوگا، اس لئے مسلمان کے لئے اعلیٰ بات یہ ہوگی کہ چونکہ غیر مسلم ان جزئیات کا مخاطب نہیں ہوتا ہے، اس لئے کسی غیر مسلم سے کہے کہ تم اپنے نام سے خریدو پھر میں تم سے خریدوں گا پھر جب وہ غیر مسلم خریدے تو اس سے یہ مسلمان خرید کر ان مچھلیوں کو خود پکڑ کر یا اپنے مزدور سے پکڑوا کر فروخت کرے تو بلاشبہ یہ بیع شراء ہر طرح درست و صحیح رہے گی" (فتاویٰ نظامیہ ۱/۲۱۱)۔

خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں اس فتویٰ کی روشنی میں ٹھیکہ دار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان کا ایسی مچھلی کو خریدنا دونوں جائز ہے۔

۳- جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے اگر وہ شخص مچھلی پکڑ کر حوض یا تالاب میں چھوڑ دے تو وہ اس مچھلی کا مالک ہے تو اگر وہ مچھلیاں بغیر حیلۂ شکار کے پکڑی جاتی ہیں تو شکار سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ مچھلیاں مملوک ومقدور التسلیم ہیں اور دوسرا شخص ایک خاص مدت میں اس حوض یا تالاب کی مچھلیاں نکال کر فروخت کردے تو شرعاً یہ صورت معاملہ جائز ہے، اور تالاب یا حوض کی مچھلیوں کو شکار کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ شرط مذکور کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، اور اگر حیلۂ شکار سے پکڑی جاتی ہوں تو شکار سے پہلے بیع ناجائز ہے، کیونکہ اگرچہ وہ مملوک ہیں، لیکن مقدور التسلیم نہیں ہیں اور جواز کے لئے دونوں کا ہونا شرط ہے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"ولو لم یعدها لذلک ولکنه أخذه ثم أرسله في الحظیرة ملکه، فإن کان یؤخذ بلا حیلة جاز بیعه لأنه مملوک مقدور التسلیم أو بحیلة لم یجز؛ لأنه وإن کان مملوکا فلیس مقدور التسلیم" (فتح القدیر ۶/۴۹، نیز دیکھئے: شامی ۴/۱۲۹)۔

خلاصہ یہ کہ جو حوض یا تالاب کسی کی ذاتی ملکیت ہے تو اگر وہ مچھلی پکڑ کر پالنے کے لئے اس میں چھوڑے تو وہ چونکہ اس کا مالک ہے اور مچھلی بغیر حیلۂ شکار کے پکڑ سکتا ہے تو شکار سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اور وہ دوسرا ایک خاص مدت میں اس کی مچھلیاں نکال کر فروخت کرے تو یہ معاملہ جائز ہے۔

۳- اگر کسی کی ذاتی ملکیت یا عوامی ملکیت کا حوض یا تالاب ہو اور اس میں بارش وغیرہ کی وجہ سے مچھلیاں از خود آ گئی ہوں تو اگر مالک نے حوض یا تالاب کو مچھلی آنے کے لئے بنایا ہے تو جو مچھلیاں اس میں آ جائیں گی وہ ان کا مالک ہو جائے گا اور کسی کے لئے ان کا پکڑنا جائز نہیں ہوگا، پھر اگر وہ مچھلیاں بغیر حیلۂ شکار کے پکڑی جا سکتی ہوں تو انہیں کسی کے ہاتھ فروخت کرنا یا اس حوض یا تالاب کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا اس طور پر کہ اس مدت میں ٹھیکہ والے ہی کو اختیار ہوگا کہ وہ اس تالاب کی مچھلیاں شکار کر کے فائدہ اٹھائے تو یہ صورت معاملہ شرعاً جواز کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ وہ مملوک و مقدور التسلیم ہیں، اور اگر مچھلیاں بغیر حیلۂ شکار کے پکڑی نہیں جا سکتیں تو شکار کے بعد مقدور التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے ان کا فروخت کرنا اور ٹھیکہ پر دینا جائز نہیں۔

اور اگر مالک نے حوض یا تالاب کو مچھلی آنے کے لئے نہیں بنایا ہے تو اس صورت میں آ جانے والی مچھلیوں کا مالک نہیں ہوگا، لہذا مملوک نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو ان کا فروخت کرنا جائز ہے اور نہ تو ٹھیکہ پر دینا، البتہ اگر مچھلیاں آ جانے کے بعد حوض یا تالاب کو بند کر دے تو اس وقت ان آنے والی مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، پھر اگر وہ مچھلیاں بغیر حیلۂ شکار کے پکڑی جا سکتی ہیں تو ان کو فروخت کرنا اور ٹھیکہ پر دینا جائز ہے ورنہ نہیں۔

اور اگر مالک نے حوض یا تالاب کو مچھلی آنے کے لئے نہیں بنایا ہے، لیکن اس نے مچھلیاں پکڑ کر اس میں چھوڑ دیا تو اس صورت میں ان کا مالک ہو جائے گا، پھر اگر وہ مچھلیاں بغیر حیلۂ شکار پکڑی جا سکتی ہیں تو ان کو فروخت کرنا اور ٹھیکہ پر دینا جائز ہے، کیونکہ وہ مملوک ومقدور التسلیم نہیں ہیں (فتح القدیر ۶/۴۹،۰ بحر الرائق ۶/۷۹)۔

نیز علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی نے گڈھا کھودا تو اس میں مچھلیاں آگئیں تو اگر اس نے گڈھا مچھلی کے شکار کے لئے بنایا ہے تو وہ ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا اور کسی کے لئے ان کا پکڑنا جائز نہیں ہوگا، اور اگر گڈھا مچھلی کے شکار کے لئے نہیں بنایا ہے تو اس صورت میں جو پکڑ لے گا وہ مچھلیاں اسی کی ہونگی (فتح القدیر ۶/۴۹،۰ بحر الرائق ۶/۷۹)۔

خلاصہ یہ کہ کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا اور اس میں بارش وغیرہ کی وجہ سے مچھلیاں آگئی ہوں تو تفصیل مذکور فی الجواب کے ساتھ مالک حوض یا تالاب کے لئے ان مچھلیوں کا مالک ہو کر کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا کسی کو خاص مدت کے لئے ٹھیکہ کے طور پر دینا بھی جائز ہے۔

خلاصۂ بحث:

۱- صورت مسئولہ میں سرکاری تالاب یا ندی، نالوں میں مچھلیوں کی بیع وشراء بدون نکالے اور بدون شکار کے ناجائز ہے، اور موجودہ عرف چونکہ نص کے خلاف ہے، اس لئے وہ حجت نہیں بن سکتا۔

۲- صورت مسئولہ میں اس فتویٰ کی روشنی میں ٹھیکہ دار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان کا ایسی مچھلی کو خریدنا دونوں جائز ہے۔

۳- جو حوض یا تالاب کسی کی ذاتی ملکیت ہے تو اگر وہ مچھلی پکڑ کر پالنے کے لئے اس

میں چھوڑے تو چونکہ وہ اس کا مالک ہے اور مچھلی کے بغیر حیلۂ شکار پکڑ سکتا ہے تو شکار سے پہلے دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے اور وہ دوسرا ایک خاص مدت میں اس کی مچھلیاں نکال کر فروخت کرسکتا ہے اور یہ معاملہ جائز ہے۔

۴- کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا اور اس میں بارش وغیرہ کی وجہ سے مچھلیاں آگئی ہوں تو تفصیل مذکور فی الجواب کے ساتھ مالک حوض یا تالاب کے لئے ان مچھلیوں کا مالک ہوکر کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا کسی کو خاص مدت کے لئے ٹھیکہ کے طور پر دینا بھی جائز ہے۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کا مسئلہ

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

شریعت اسلامیہ نے دریا، ندی اور نالے میں پائی جانے والی مچھلیوں کو ہر شخص کے لئے مباح قرار دیا ہے، جو بھی اپنے حیلہ اور تدبیر سے ان کا شکار کرلے وہ ان کا مالک شمار کیا جاتا ہے، اور اسے ان پر تصرف کرنے کا پورا حق ہوتا ہے، اور جب وہ پانی کے اندر رہتی ہیں، اور شکار کے ذریعہ ان پر قبضہ نہیں ہوا رہتا ہے، وہ کسی فرد خاص کی ملک نہیں ہوتیں، اسی بنا پر شکار کے بغیر ان کا کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہوتا، کیونکہ ابھی تک وہ کسی کی مملوک نہیں ہیں، معدوم ہیں، اور معدوم کی بیع باطل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "ردالمحتار" میں رقم طراز ہیں:

"فسد بیع سمک لم یصد، وفیه أن بیع مالیس فی ملکه باطل کما تقدم، لأنه بیع المعدوم والمعدوم لیس بمال" (ردالمحتار ۴/۱۱۹)۔

(اس مچھلی کی بیع فاسد ہے جس کو شکار نہ کیا گیا ہو اور اس میں بھی آیا ہے اسی چیز کی بیع باطل ہے جو آدمی کی ملکیت میں ہو، جیسا کہ گزر چکا ہے، اس لئے کہ یہ معدوم کی بیع ہے اور معدوم مال نہیں ہے)۔

صاحب "ہدایہ" نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

"ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد، لأنه باع ما لا یملکه" (ہدایہ ۳/۵۰)۔

☆ جامعہ مظہر العلوم بنارس۔

(اور مچھلی کی بیع شکار سے قبل جائز نہیں ہے، اس لئے کہ آدمی نے ایسی چیز بیچی ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے) (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ہدایہ ۳/۰ ۵، بحر الرائق ۶/۳۷، فتح القدیر ۶/۰ ۵، عالمگیری ۳/۱۰۰)۔

قاضی ابو یوسف نے اس طرح کی مچھلیوں کی بیع کے عدم جواز کی علت غرر بتائی ہے اور انہیں اعیان مباحہ میں سے قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

" وسألت يا أمير المؤمنين عن بيع السمك في الآجام ومواضع مستنقع الماء فلا يجوز بيع السمك في الماء، لأنه غرر وهو الذي يصيده"

(کتاب الخراج/۹۵)۔

(اور اے امیر المؤمنین آپ نے دریافت کیا ہے کہ جو مچھلیاں پانی کے اندر جھاڑیوں میں اور پانی کے جمع ہونے کی جگہوں میں رہتی ہیں تو پانی کے اندر رہتے ہوئے مچھلی کا بیچنا درست نہیں ہے اور یہ مچھلی اس کے لئے ہے جو اس کا شکار کرے)۔

جب اس طرح کی مچھلیاں مباح الاصل ہیں، کسی کی مملوک نہیں ہیں، جو شخص پکڑ لیتا ہے وہی ان کا مالک ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی شخص ان مچھلیوں کا شکار کئے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو یہ بیع درست اور جائز نہیں ہوگی، بلکہ باطل اور کالعدم شمار کی جائے گی، اور جو شخص بھی ان کا شکار کرے گا ان کا حقیقی مالک قرار پائے گا، چنانچہ اس طرح کا معاملہ ہو جانے کے بعد اگر مشتری نے شکار کر کے انہیں فروخت کر دیا تو اس کا فروخت کرنا صحیح اور خریداروں کا ان کو خرید کر استعمال کرنا صحیح ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ مشتری ان مچھلیوں کا مالک شکار کرنے کے سبب ہوا ہے نہ کہ سابقہ بیع باطل کے سبب۔

تالاب میں مچھلی کی بیع اور اس کا حکم:

حوض یا تالاب میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع و شراء کے بارے میں فقہاء کرام نے

بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور ان کی مختلف صورتیں ذکر فرما کر ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم تحریر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ وہ تالاب یا حوض اسی کام کے لئے تیار کئے گئے ہیں یا نہیں، اگر اسی کام کے لئے وہ بنائے گئے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر مچھلی کا پکڑنا بغیر کسی تدبیر کے ممکن ہو تو اس کی بیع جائز ہے، اس وجہ سے کہ وہ مملوک بھی ہے اور مقدور التسلیم بھی، اور اگر بغیر کسی تدبیر کے پکڑی نہ جاسکتی ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ مملوک تو ضرور ہے، لیکن مقدور التسلیم نہیں ہے، اور وہ حوض یا تالاب اس کام کے لئے تیار نہیں کئے گئے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو مچھلی ازخود اس میں آگئی ہے، یا کسی نے پکڑ کر اس میں چھوڑا ہے، اگر کسی نے پکڑ کر اس میں چھوڑا ہے اور بغیر کسی حیلہ اور تدبیر کے اس کا پکڑنا ممکن بھی ہے تو جائز، ورنہ ناجائز، اور اگر ازخود کسی طرح آگئی ہے اور حوض کے دہانے کو بند کر کے اس کو روکنے کا پورا بندوبست کیا گیا ہے تو دیکھا جائے گا کہ بغیر کسی تدبیر کے اس کو پکڑا جاسکتا ہے یا نہیں، اگر پکڑا جاسکتا ہے تو جائز، ورنہ ناجائز۔

علامہ ابن ہمام نے اپنی گرانمایہ تصنیف "فتح القدیر" میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، دیکھئے: (فتح القدیر ۵ / ۱۹۱)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے اسی بات کو "فتح القدیر" ہی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

"اگر مچھلی تالاب میں آجائے تو یا تو آدمی نے اس کو مچھلیوں کے لئے تیار کیا ہوگا یا نہیں، پہلی صورت میں آدمی مچھلی کا مالک ہو جائے گا، اور کسی تدبیر کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ مچھلی ملکیت میں اور سپردگی قدرت میں ہے، ورنہ مچھلی کا بیچنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ سپردگی پر قدرت نہیں ہے اور دوسری صورت میں آدمی اس کا مالک نہیں ہوگا تو ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا بیچنا جائز نہیں ہوگا، الا یہ کہ مچھلی کے داخل ہونے کے بعد تالاب کا منہ بند کر دے تو مالک ہو جائے گا، اس کے بعد اگر بغیر کسی تدبیر کے اس کا پکڑنا ممکن ہو تو بیچنا جائز

ہے، ورنہ نہیں، اور اگر اس کے لئے تیار نہیں کیا لیکن مچھلی پکڑ کر اس میں ڈال دی تو مالک ہو جائے گا، پھر اگر بغیر تدبیر کے پکڑنا ممکن ہو تو بیچنا جائز ہے، اس لئے کہ اس کی سپردگی قدرت میں ہے اور اگر حیلے و تدبیر کے ساتھ پکڑی جا سکے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ مملوک ہے لیکن سپردگی پر قدرت نہیں ہے" (دیکھئے: رد المحتار ۴/۱۱۹)۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوئی کہ تالاب کی مچھلیوں کی بیع کے لئے ان کا مملوک ہونا اولین شرط ہے، اور مملوک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ حوض یا تالاب مچھلی پالنے ہی کے مقصد سے بنائے گئے ہوں یا مچھلیاں پکڑ کر ان میں چھوڑی گئی ہوں، یا اگر از خود آ گئی ہوں تو ان کے روکنے کا پورا بندوبست کیا گیا ہو تب جا کر یہ مچھلیاں کسی کی ملک میں آتی ہیں اور وہ شخص ان کے فروخت کرنے کا حق دار بنتا ہے، لیکن اگر ایسا کچھ بھی نہیں کیا گیا تو صرف ان مچھلیوں کے کسی کے حوض میں آ جانے سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی۔

"تبیین شرح کنز" میں ہے:

"فإن اجتمع السمک في الحظيرة بنفسه من غير صنعه ولم يسد عليه المدخل لا يجوز بيعه، سواء أمكنه الأخذ بحيلة أو بغيرها" (تبیین شرح کنز ۴/۴۵)۔

(اگر مچھلی تالاب میں خود بخود بغیر کسی محنت کے آ جائے اور راستہ بند نہ کرے تو بیچنا جائز نہیں ہے، خواہ پکڑنا کسی تدبیر سے ممکن ہو یا اس کے بغیر)۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۶/۳، مطبوعہ ۱۴۱۱ھ)۔

یہ اس وجہ سے کہ جو چیزیں مباح الاصل ہیں، ان کے مالک ہونے کے لئے ان کا پکڑنا یا پکڑنے کی مناسب تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے، محض کسی کی زمین میں آ جانے سے اس کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہو جاتا۔

صاحب "ہدایہ" نے اس طرح کی چیزوں کے بارے میں صراحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

"وإذا فرخ طير في أرض رجل فهو لمن أخذه، وكذا إذا باض فيها، وكذا إذا تكنس فيها ظبي".

(اور اگر کوئی پرندہ کسی آدمی کی زمین میں بچے پیدا کرے تو وہ بچے اس کے ہوں گے جو ان کو پکڑ لے، اسی طرح اگر انڈا دیدے تو بھی یہی حکم ہوگا، یا جب کسی کی زمین میں کوئی ہرن اپنا مسکن بنائے)۔

علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں اس پر تفریع کرتے ہوئے فرمایا:

"ومن جنس هذه المسائل لو اتخذ في أرضه حظيرة للسمك، فدخل الماء والسمك ملكه، ولو اتخذت لغيره فمن أخذ السمك فهو له، وكذا في حفر الحفيرة إذا حفرها للصيد فهو له أو لغرض آخر فهو للآخذ" (فتح القدیر ۵/۳٦۷)۔

(اسی قبیل کے مسائل میں یہ ہے کہ اگر کسی انسان نے اپنی زمین میں مچھلیوں کے لئے گڑھے کھودا، اور اس میں پانی اور مچھلی دونوں آجائیں تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر کسی دوسری غرض سے گڑھا بنایا تو جو مچھلی پکڑے گا اسی کی ہوگی، اسی طرح گڑھا کھودنے کا حکم ہے کہ اگر شکار کے لئے کھودے تو شکار اس کے لئے ہوگا، اور اگر کسی دوسرے کام کے لئے ہو تو شکار اس کا ہوگا جو اس کو پکڑے)۔

لہذا اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے حوض کی مچھلی پکڑ لیتا ہے، جبکہ وہ حوض نہ تو اس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اور نہ اس میں مچھلی چھوڑی گئی ہے، اور نہ اس میں آنے والی مچھلیوں کے روکنے کا بندوبست کیا گیا ہے، تو اس شخص کا پکڑنا درست ہوگا اور وہ اس مچھلی کا مالک ہوگا۔

تالاب کے ٹھیکے کا مسئلہ:

سب سے پہلے اصولی طور پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ تالاب یا حوض کے متعینہ مدت

کے لئے ٹھیکے پر دینے کا مسئلہ اصطلاحی زبان میں اجارہ کا مسئلہ ہے، اور فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ اجارہ منافع پر ہوتا ہے، اعیان پر نہیں۔

"اعلاء السنن" میں ہے:

"قال الموفق: المعقود عليه في الإجارة المنافع، هذا قول أكثر أهل العلم منهم مالك وأبو حنيفة وأكثر أصحاب الشافعي" (اعلاء السنن للتھانوی ۱۶/ ۱۵۳)۔

(موفق کا قول ہے: اجارہ میں معقود علیہ منافع ہوتے ہیں، یہ اکثر اہل علم کا قول ہے جن میں امام مالکؒ وامام ابوحنیفہؒ اور اکثر اصحاب شافعی ہیں، لہذا اگر کوئی شخص منافع کے بجائے اعیان پر اجارہ کرتا ہے تو وہ اجارہ باطل ہوگا)۔

"فتاویٰ خیریہ" میں بھی ایسا ہی ہے۔

چونکہ مچھلی کے شکار کے لئے تالاب یا حوض کا ٹھیکے پر دینا بھی منفعت پر اجارہ نہیں ہے، اس وجہ سے علماء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

"رد المحتار" میں ہے:

"نہر" میں ہے جالان کے مصر میں بہت سے چھوٹے چھوٹے تالاب ہیں جیسے جوہڑ کا تالاب جن میں مچھلیاں جمع ہوجاتی ہیں تو کیا ان تالابوں کو مچھلی کے شکار کے لئے کرایہ پر دینا جائز ہے؟ "بحر" میں "ایضاح" سے عدم جواز نقل کیا ہے" (رد المحتار ۴/ ۱۹۹، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۴/ ۱۷۶، عالمگیری ۴/ ۲۳۱)۔

تفصیلات بالا سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ تالاب کا اجارہ بغرض شکار صحیح اور درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں اجارہ منفعت پر ہونے کے بجائے عین پر ہو رہا ہے اور اجارہ کی حقیقت ہی فوت ہوجارہی ہے، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے اس سے بچنے کی تدبیر تحریر فرمائی ہے، تاکہ اگر اس

حرج کی صورت حال پیش آجائے تو اسے اختیار کرکے ایک ناجائز امر کے ارتکاب سے بچا جاسکے، اور معاملہ کے جائز طریقے کو اپنایا جاسکے۔

"عالمگیری" میں ہے:

"والحيلة في جوازها أن يستأجر موضعا من الأرض ليضرب فيه فسطاطا أو ليجعله حظيرة لغنمه فتصح الإجارة ويبيح صاحب المراعي له الانتفاع بالمرعى كذا في المحيط" (عالمگیری ۴۴۲/۴)۔

جواز کا حیلہ یہ ہے کہ زمین کا ایک حصہ کرایہ پر لیا جائے تاکہ اس میں کوئی خیمہ لگایا جائے یا بکریوں کا باڑہ بنایا جائے، تو اجارہ صحیح ہے، اس کے ساتھ چراگاہ کا مالک چراگاہ سے نفع اٹھانے کی اجازت دے دے (مزید جواز حیلہ کے لئے دیکھئے: ردالمحتار ۴۴/۵)۔

یعنی اگر صاحب تالاب، تالاب کی زمین کو بطور اجارہ دے دے اور اس کے اندر پائی جانے والی تمام چیزوں کو مستاجر کے لئے مباح کردے تو یہ درست ہوگا، اور اجارہ کے جواز کی شکل پیدا ہوجائے گی۔

لیکن آج جبکہ اس طرح کا معاملہ عام طور پر ہوتا ہے اور صورت حال عموم بلویٰ کی سی ہوچکی ہے تو راقم الحروف کی ناقص رائے یہ ہے کہ بغیر حیلہ کے اس کے جواز کا فتویٰ دیا جانا چاہئے، جیسا کہ بعض مسائل میں اصلاً عدم جواز کے باوجود مخصوص حالات کے تحت فقہاء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، مثلاً پانی کے ساتھ ندی، نالے کے اجارہ کو عام طور پر ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

"بدائع الصنائع" میں ہے:

"فإن استأجر القناة والعين والبئر مع الماء لم يجز أيضا، لأن المقصود منه الماء"

(اگر نہر وچشمہ اور کنواں، پانی کے ساتھ کرایہ پر لیا جائے تو بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مقصود پانی اور اس سے انتفاع ہے)۔

مگر عموم بلوی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتوی دیا گیا ہے، چنانچہ عالمگیری میں ہے:

"وإن استأجر النهر والقناة مع الماء لم يجز أيضا، لأن فيه استهلاك العين أصلا والفتوى على الجواز لعموم البلوى"

(اور اگر دریا و نہر کو پانی کے ساتھ کرایہ پر لے تو بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں قصداً ایک عین کا استعمال و ختم کرنا ہے، البتہ اب عموم بلوی کی وجہ سے جواز کا فتوی ہے)۔

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جواز کا فتوی ضرورت کی بنیاد پر ہوا کرتا ہے، اور یہ ضرورت جب "حیلہ" سے پوری ہو جارہی ہے تو اس کو جائز قرار دیے جانے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، لیکن صورت حال کے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ لوگوں میں جہالت عام ہے، جس کے سبب عامۃ الناس اولاً تو حیلہ سے بے خبر ہیں، پھر اگر انہیں اس کی واقفیت بھی ہو جائے تو اس کے حدود کی پوری رعایت بھی سب کے بس کی بات نہیں ہے، یا بصورت دیگر ایک ناجائز امر کے ارتکاب کرتے رہیں گے، البتہ اگر اس تنگی کو رفع کرنے کی کوئی سبیل پیدا ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ جب کہ فقہ کا عام قاعدہ ہے: "إذا ضاق الأمر اتسع، والمشقة تجلب التيسير، والحرج مدفوع"۔

خلاصۂ بحث:

۱- شکار کئے بغیر مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے، باطل ہے۔

۲- چونکہ وہ مچھلی کسی کی ملکیت نہیں ہے، لہذا جو بھی اس کا شکار کرلے وہی اس کا مالک تصور کیا جائے گا، اب اگر ٹھیکیداری اس کا شکار کر کے لاتا ہے تو اس کا فروخت کرنا جائز اور مشتری کا اسے خریدنا جائز ہوگا، ٹھیکیدار کی سابقہ بیع کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۳- نجی ملکیت کے حوض یا تالاب میں مچھلی پال کر بغیر شکار کئے ہوئے فروخت کرنا

جائز ہے، بشرطیکہ مقدور التسلیم ہو۔

۴- ذاتی ملکیت کے حوض یا تالاب میں اگر از خود مچھلیاں چلی آئیں، اور وہ حوض یا تالاب مچھلی پالنے کی غرض سے نہ بنائے گئے ہیں اور نہ ان مچھلیوں کے روکنے کا بندوبست کیا گیا ہے تو بغیر شکار کئے ہوئے ان کا فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، خواہ مقدور التسلیم ہوں یا نہ ہوں، اس وجہ سے کہ وہ مملوک ہی نہیں ہیں، اور اگر اسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں یا مچھلیوں کے روکنے کا بندوبست کیا گیا ہے تو ان کی بیع جائز ہوگی بشرطیکہ بائع مشتری کے حوالہ کرنے پر قادر ہو، حاصل کلام یہ کہ اگر مچھلی مملوک مقدور التسلیم ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے، ورنہ نہیں،

۵- حوض یا تالاب کو ٹھیکہ پر دینا جائز نہیں ہے، اس کے لئے فقہاء کے بتائے ہوئے حیلہ کا سہارا لینا چاہئے، ہاں راقم الحروف کی ناقص رائے یہ ہے کہ عموم بلوی کے پیش نظر اس کے جواز کے بارے میں اصحاب فقہ وفتاوی کو غور کرنا چاہئے، جبکہ اس کی نظیر بھی موجود ہے۔

☆☆☆

ندی، نالے اور تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کا مسئلہ

مولانا اسماعیل محمد کودروی قاسمی ☆

شریعت مطہرہ نے باہمی رضامندی سے مال کے باہمی تبادلہ کو جائز فرمایا ہے، باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

"یا أیہا الذین آمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارۃ عن تراض منکم" (سورۂ نساء: ۲۹)۔

لہذا تراضی طرفین کے تحقق وتحفظ کے لئے فریب، غش، سود وقمار اور مفضی الی المنازعۃ جہالت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ان چیزوں سے محفوظ رکھنے کے لئے شریعت اسلام نے مبیع کے مملوک، مقدور التسلیم اور جہالت فاحشہ سے خالی ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے غیر مملوک مال کے بیچنے سے منع فرمایا ہے:

"عن حکیم بن حزام قال: یا رسول اللہ یأتینی الرجل فیرید منی البیع لیس عندی أفأبتاعہ لہ من السوق فقال: لا تبع ما لیس عندک" (أخرجہ أبوداؤد، بحث البیوع، باب فی الرجل یبیع ما لیس عندہ ۲/ ۱۵۱)۔

(اے اللہ کے رسول ﷺ ایک آدمی مجھ سے ایسی چیز کا سودا کرنا چاہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے تو کیا میں اس سے سودا کرکے بازار سے خرید کر دے سکتا ہوں؟ فرمایا: تمہارے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سودا مت کرو)۔

☆ خادم حدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

آنحضرت ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے: "عن أبي هريرةؓ قال: نهى رسول اللهﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر" (رواہ مسلم)۔

(رسول اللہ ﷺ نے کنکر کی بیع اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے)۔

غرر کی تفسیر اور بیع غرر کی صورتوں کو حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ العالی نے یوں نقل فرمایا ہے:

"ابن الاثیر نے "جامع الاثیر" میں غرر کی تفسیر آتے ہوئے فرمایا ہے" غرر وہ معاملہ ہے جس کے ظاہر کو تم پسند کرو اور باطن کو ناپسند کرو، اس کا ظاہر خریدار کو دھوکہ دیتا ہے اور باطن مجہول ہوتا ہے، احادیث وآثار میں غرر کی بہت سی مثالیں آئی ہیں، امام احمد نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے: "رسول اللہ ﷺ نے بیع الغرر سے منع کیا ہے" ایوب کا بیان ہے کہ یحییٰ نے بیع غرر کی تفسیر کرتے ہوئے کہا ہے کہ غرر کی شکلوں میں شکاری کا شکار ہے کہ جو شکار کرے (اور اس کا سودہ کیا جائے) اس کی اقسام میں سے ہوا میں پرندے کا اور پانی کے اندر مچھلی کا بیچنا ہے، ان شکلوں میں جو چیز سب کو جامع ہے وہ یا تو مبیع کا مجہول ہوتا ہے، یا بائع کا سپردگی پر قادر نہ ہوتا ہے، یا مبیع کا خطرہ وتردد میں ہوتا ہے" (تکملہ فتح الملہم ۱۲/ ۳۱۹)۔

علامہ سرخسیؒ نے غرر کی یہ تفسیر فرمائی ہے:

الغرر مایکون مستو العاقبة (المبسوط ۱۳/ ۱۹۴)۔

(غرر وہ معاملہ ہے، جس کا انجام واضح نہ ہو)۔

شیخ مصطفیٰ احمد الزرقاء نے بیع غرر کی یہ تفسیر لکھی ہے:

"هو بيع الأشياء الاحتمالية غير المحققه الوجود أو الحدود لما فيه من مغامرة و تغرير يجعله أشبه بالقمار، والغرر الذى يبطل البيع: هو غرر الوجود: وهو كل ماكان المبيع فيه محتملا للوجود و العدم: أما غرر الوصف فمفسد للبيع" (المدخل الفقهي العام ۱/ ۹۷)۔

شیخ ابن ہمامؒ نے غرر کی یوں تفسیر فرمائی ہے

"والغرر الخطر وغير المملوک على خطر ثبوت الملک وعدمه، فلذا جعل (بيع السمک فی الماء) من بيع الخطر" (فتح القدیر ۶/۴۹)۔

"سمک فی الماء" کی بیع کو حدیث شریف میں بیع غرر فرمایا گیا ہے، اور غرر کا مفہوم خطرے کا ہے اور غیر مملوک چیز میں ثبوت ملک اور عدم ملک دونوں کا خطرہ ہوتا ہے، اسی لئے پانی کے اندر مچھلی کی بیع کو غرر فرمایا گیا ہے۔ اور صراحۃً اس سے نہی وارد ہوئی ہے: "وعن ابن مسعودؓ أن النبی ﷺ قال: لا تشتروا السمک فی الماء فإنه غرر" (رواہ احمد، اعلاء السنن ۱۴/۱۷۶)۔

(حضور ﷺ نے فرمایا ہے پانی کے اندر مچھلی کو مت خریدو، کیونکہ یہ غرر دھوکہ کا معاملہ ہے)۔

مذکورہ بالا نصوص کی وجہ سے بیع کی ایسی تمام صورتیں کہ جن میں عقد کے وقت مبیع بائع کی ملکیت میں نہ ہو یا ملکیت میں ہوتے ہوئے مشتری کو سپرد کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو اور آئندہ مملوک ہونا یا مقدور التسلیم ہونا احتمالی اور ظنی درجہ میں ہو، ان کو فقہاء کرام نے بیع غرر میں شامل فرمایا ہے اور ان کے عدم جواز پر حضرات فقہاء کرام کا اتفاق ہے، دیکھئے: وہبہ زحیلی کی کتاب: "الفقہ الاسلامی وادلتہ" (۴/۳۴۸)۔

علامہ زحیلی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"بیع غرر ایسی چیزوں کا فروخت کرنا ہے جن کا وجود احتمالی اور غیر محقق ہو، یا ان کے حدود کا پتہ نہ ہو، کیونکہ اس میں دھوکہ، خطرہ کا معاملہ ہوتا ہے جو اس کو قمار و جوا کے درجے میں کر دیتا ہے، اور جو غرر مبیع کے بطلان کا باعث ہوتا ہے وہ وجود کا غرر ہے جس کا مطلب ایسی بیع ہے جس میں مبیع کے وجود و عدم دونوں کا احتمال ہو اور وصف کا غرر بیع کو فاسد کرتا ہے" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۳۴)۔

''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کی جانب سے پیش فرمودہ سوالنامہ میں ندی، نالے، حوض اور تالاب کی مچھلیوں کی بیع کی جو مختلف صورتیں پیش کی گئی ہیں ان کے جواز و عدم جواز کے متعلق تفصیل بالا کے مطابق بنیادی بات یہی ہے کہ جس صورت میں مچھلیاں بائع کی مملوک اور اس کے لئے مقدور التسلیم ہوں، اس صورت میں بیع جائز ہے اور جس صورت میں یہ شرائط مفقود ہوں، اس صورت میں بیع جائز نہیں ہے۔

اس اصولی بحث کے بعد ''فقہ اکیڈمی'' کی جانب سے پیش فرمودہ سوالنامہ سے مچھلیوں کی بیع کی جو مختلف صورتیں مفہوم ہوتی ہیں ذیل میں ان صورتوں کا حکم تفصیل وتجزیہ کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے:

۱- سرکاری ندی، نالوں کی وہ مچھلیاں جن کی پیدائش وپرورش میں اور ندی، نالے کے پانی میں ان کی آمد میں کسی انسانی کوشش کا عمل دخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ خدائی وفطری نظام کے تحت پیدا ہوتی ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہیں، ایسی مچھلیوں کی بیع باطل اور ناجائز ہے، کیونکہ وہ سرکاری مملوک نہیں ہے اور کسی تدبیر سے پکڑے بغیر مقدور التسلیم بھی نہیں ہے اور یہ مچھلیاں ہر ایک کے لئے مباح الاخذ والاستعمال ہیں، لہذا کوئی شخص سرکار سے مذکورہ مچھلیاں خریدنے کے بعد اس کو جال وغیرہ کی تدبیر سے پکڑ کر اس کو حاصل کر لیگا تو وہ مباح الاخذ ہونے کی وجہ سے ان مچھلیوں کا مالک ہوگا اور قادر علی التسلیم بھی ہوگا، لہذا شکار کرنے کے بعد اس کا اپنی مملوکہ مچھلیوں کو بیچنا جائز ہے اور مسلمان کے لئے ایسی مچھلیوں کا خریدنا بھی جائز ہے۔

سرکاری، ندی، نالے کی مچھلیوں کی بیع تو جائز نہیں ہے، لیکن اس معاملہ کو جائز شکل دینے کی یہ تدبیر ممکن ہے کہ سرکار سے ندی، نالا کے قریب کوئی ایسی جگہ کرایہ پر لے لی جائے جہاں کوئی خیمہ نصب کیا جائے یا جھونپڑی بنادی جائے تاکہ کرایہ دار اس جگہ اپنا سامان وغیرہ رکھ سکے اور کشتی وغیرہ ٹھہرا سکے اور بوقت ضرورت خود یا اس کے مزدور وہاں آرام بھی کرسکیں، اس صورت میں نہ مچھلیوں کی خرید وفروخت ہے نہ استہلاک علی العین کا اجارہ ہے، تفصیل کے لئے

دیکھئے: (البحر الرائق ۶؍۱۳۰)۔

فقہاء اس پر متفق ہیں کہ بیع غرر جائز نہیں ہے، جیسے دودھ تھن میں رہتے ہوئے اور بدن پر موجود اون، اور سیپ کے اندر معصوم موتی، پیٹ کے اندر حمل، پانی کے اندر مچھلی، ہوا میں پرندہ شکار سے قبل، اور غیر کا مال اس شرط پر کہ اس کو خرید کر سپرد کرے گا، یعنی جس چیز کا آئندہ مالک ہوگا اس کو مالک ہونے سے قبل بیچنا، اس لئے کہ بیچنے والے نے وہ سامان بیچا ہے جس کا وہ فی الحال مالک نہیں ہے، خواہ سمندر میں ہو یا نہیں ہو یا تالاب میں کہ جس کو بغیر شکار کے پکڑا نہ جا سکے اور خواہ غرر بیع میں ہو، یا ثمن میں۔

۲- سرکاری بڑے حوض یا تالاب کی وہ مچھلیاں جو دریا، ندی اور بارش کے پانی کے ساتھ آئی ہیں اور یہ بڑے حوض و تالاب پانی کے ذخیرہ کے لئے بنائے گئے ہیں اس میں آئی ہوئی مچھلیوں کو روکنے کی غرض سے یا مچھلیوں کو اس میں داخل کرنے کی غرض سے کوئی تدبیر نہیں کی گئی ہے تو ایسی مچھلیاں سرکار کی غیر مملوک و غیر مقدور التسلیم ہیں، ان کی بیع بھی ناجائز ہے، البتہ سرکار سے خریدنے والے کے لئے اس کا پکڑنا اور مالک بننا مباح الاخذ والاستعمال ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور مالک بن کر مقدور التسلیم ہونے کی صورت میں ان مچھلیوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔

۳- اگر سرکاری تالاب و حوض میں از خود آئی ہوئی مچھلیوں کو بند لگا کر روکنے کی سرکاری جانب سے محنت ہوئی ہے، یا باہر کے پانی کی مچھلیوں کو حوض و تالاب میں لانے کی سرکار نے کوئی تدبیر کی ہے، یعنی یہ تالاب و حوض مچھلیوں کو گھیرنے اور جمع کرنے کے لئے بنائے ہیں، یا مچھلی کے بچے (بیج) ڈال کر سرکاری حوض و تالاب میں سرکار نے پرورش کی ہے تو ان تمام صورتوں میں حوض و تالاب کی مچھلیاں سرکار کی مملوک ہیں، اور مملوک ہونے کے ساتھ اگر وہ ایسی مقدور التسلیم بھی ہیں کہ بغیر کسی تدبیر کے اس کو پکڑنا آسان ہے تو ایسی صورت میں ان مچھلیوں کی خرید و فروخت جائز ہے اور اگر بغیر تدبیر کے ان کو پکڑنا مشکل ہو تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع

فاسد ہے، لیکن خریدار جب ان مچھلیوں پر قبضہ کرے گا تو مانع جواز (عدم تسلیم) کے زائل ہونے کی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کے مطابق اس عقد کے جائز ہونے کی گنجائش ہے یا از سر نو بیع تعاطی کے طور پر عقد ہونے کی گنجائش ہے۔

"والحاصل عدم جواز قبل أخذه لعدم ملكه، فإن أخذه ثم ألقاه في حظيرة كبيرة فعدم جوازه لكونه غير مقدور التسليم، فإن سلمه بعد ذلك فكالروايتين في بيع الآبق إذا سلمه" (بحر، ۶؍۱۲۳، کتاب البیوع، ط: دار الکتب العلمیة)۔

بیع غرر کے فی الجملہ صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کنکری والی بیع سے اور بیع غرر سے منع کیا ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مچھلی کو پانی کے اندر مت خریدو، اس لئے کہ یہ غرر کا معاملہ ہے اور اس کی سپردگی پر بھی قدرت نہیں ہے۔

تالاب وحوض سے مچھلیوں کے پکڑنے کو درخت کو پھلوں کے کاٹنے اور کشتی سے سامان باہر نکالنے کے مشابہ قرار دے کر اس ذمہ داری کو مشتری کو سپرد کرنے کے متعلق بھی غور کیا جا سکتا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (درمختار ۴؍۴۳)۔

اس پہلو سے بھی غور کرنے کی گنجائش ہے کہ شرط تسلیم ساقط ہونے کا احتمال بھی رکھتی ہے، دیکھئے: (خلاصۃ الفتاویٰ ۳؍۱۰۴) مسئلہ ہے: "زید نے بکر سے کہا کہ تو اپنے اترتے ہوئے بہتے تالاب کی مچھلیاں اپنی ملک سے خارج کرکے ہر پانے والے کے لئے مباح کردے اور دس روپے لے لے، زید نے قبول کیا بیع ہو گئی، اس لئے کہ شرط تسلیم ساقط ہے"۔

۴۔ اگر شخصی حوض یا تالاب کی مچھلیاں مذکورہ بالا سرکاری حوض یا تالاب کی صورت نمبر ۱ کے مانند غیر محروز اور غیر مقدور التسلیم ہوں تو ان کی بیع بھی ناجائز ہے اور ان مچھلیوں کو پکڑنے کے بعد ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔

۵۔ اگر مذکورہ بالا صورت نمبر ۳ کی طرح شخصی حوض یا تالاب کی مچھلیاں اگر تیاری وجنس کی تدبیر کی وجہ سے یا باہر سے پکڑ کر یا بیج خرید کر اس میں ڈالنے کی وجہ سے مملوک ہوں اور حوض و

تالاب کے چھوٹے ہونے اور پانی کم ہونے کی وجہ سے بغیر تدبیر کے اس کا پکڑنا آسان ہونے کی وجہ سے مقدورالتسلیم بھی ہو تو ان کی خرید وفروخت جائز ہے، اور اگر مملوک تو ہے، لیکن حوض وتالاب کے بڑے ہونے اور پانی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بلا تدبیر اس کا پکڑنا آسان نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقدورالتسلیم ہو تو اس میں وہی تفصیل ہوگی جو نمبر ۳ر میں مذکور ہوئی۔

ندی، تالاب اور حوض کی مچھلیوں کی بیع کے متعلق مذکورہ بالا مختلف صورتیں اور ان کے احکام کو فقہاء کرامؒ نے اسی تفصیل کے ساتھ تحریر فرمادیا ہے، مثلاً:

''سمندر، دریا وغیرہ کے اندر رہنے والی مچھلی کی فروخت جائز نہیں ہے، اب اگر کسی آدمی کا کوئی حوض یا تالاب ہے اور اس میں مچھلیاں آئیں تو دیکھا جائے گا، اس نے اسی غرض سے اس کو تیار کیا ہے یا نہیں، اگر تیار کیا ہے تو اس میں داخل ہونے والی مچھلیاں اس کی ملک ہوں گی اور کوئی ان پر قبضہ کر نہیں سکتا، پھر اگر ان مچھلیوں کو شکار کے قبیل کی تدبیر کے بغیر پکڑا جا سکتا ہے تو فروخت درست ہے، کیونکہ مچھلی مملوک اور مقدورالتسلیم ہے، جیسے کہ کسی گڑھے میں مچھلی ہو، اور اگر تدبیر کے بغیر پکڑنا ممکن نہیں تو فروخت جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں فروخت کے بعد سپردگی پر قدرت نہیں ہے۔

اور اگر حوض وتالاب کو مچھلی پکڑنے کی غرض سے نہیں بنایا گیا تو اس میں آنے والی مچھلیوں کا وہ مالک نہیں ہوگا اور پھر عدم ملک کی وجہ سے فروخت کرنا بھی درست نہیں ہوگا، اور اگر تیار تو اس مقصد سے نہیں کیا گیا، لیکن مچھلی پکڑ کر اس میں ڈالدی، تو مالک ہو جائے گا، پھر اگر اس تالاب وغیرہ سے کسی تدبیر خاص کے بغیر پکڑنا ممکن ہے تو اس کا فروخت کرنا درست ہے، کیونکہ مچھلی مملوک ہے اور سپردگی تحت القدرت ہے اور اگر کسی تدبیر کی ضرورت ہے تو فروخت جائز نہیں، اس لئے کہ مملوک ہونے کے باوجود سپردگی ممکن نہیں ہے''، تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدیر ۶ر۹ ۴، مجمع الانہر ۲ر ۵۵، تبیین الحقائق ۴ر ۵ ۴)۔

سرکاری یا شخصی تالاب یا حوض کا معاملہ جائز طریقے سے کرنے کی بے غبار و بے غرر

صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں مچھلیاں از خود آنے یا لانے سے پہلے یا قدرتی طور پر اس میں پیدا ہونے سے پہلے یا اس میں مملوک مچھلیاں ڈالنے سے پہلے، مچھلیوں کے کاروبار کرنے والے کو جتنی مدت کے لئے حوض و تالاب کی ضرورت ہو اتنی مدت اور کرایہ متعین کر کے مالک حوض و تالاب سے کرایہ پر لے، اور اس کے بعد مچھلیوں کے مملوک ومقدور التسلیم ہونے کے مذکورہ بالا جائز طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کر کے مچھلیوں کا مالک بن کر حوض و تالاب میں ان کو جمع رکھ کر اور ان کی پرورش کر کے کرایہ دار کی مدت متعینہ پوری ہونے تک مچھلیاں پکڑنے کا انتظام کر کے خرید و فروخت کرتا رہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں بائع کی مملوک ومقدور التسلیم مچھلیوں کی بیع ہوگی اور مچھلیاں خریدنے کے بعد اپنی خرید کردہ مچھلیوں کی فروختگی سے فارغ ہونے تک اپنی مچھلیوں سے مالک کے حوض و تالاب کو مشغول رکھنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوگا۔

احقر کی ناقص دانست میں سرکار حوض و تالاب بنا کر اس میں آنے والی یا پیدا ہونے والی اور پرورش کی جانے والی مچھلیوں کی بیع کا معاملہ نہیں کرتی ہے، بلکہ سرکاری فاضل زمینوں کے پلاٹ بنا کر مچھلی مار حرفت (پیشہ) کے خواہش مندوں کو وہ پلاٹ کرایہ پر دیتی ہے، پھر کرایہ دار خود محنت کر کے اس پلاٹ میں حوض و تالاب بنا کر اس میں مچھلی کی پرورش کر کے خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں۔

☆☆☆

بیع و اجارہ کے چند مسائل

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

شرائط بیع:

بیع کے شرائط انعقاد میں سے یہ بھی ہے:

۱- مبیع اور ثمن مال ہوں۔

۲- مبیع موجود ہو، معدوم نہ ہو، نہ اس کے عدم کا خطرہ ہو۔

۳- مبیع بصورت خود قیمت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

۴- مبیع بائع کی ملکیت میں ہو۔

"شرائط بیع کی تفصیل کے لئے دیکھئے: (قاموس الفقہ ۳؍۲-۳)

سرکاری تالاب، ندی و نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بغیر ان کو نکالے ہوئے بیع و شراء، اسی طرح نجی حوض و تالاب یا پوکھرا وغیرہ کی مچھلیوں کی بغیر ان کو نکالے ہوئے خرید و فروخت پر بھی مذکورہ اصول و قواعد کی روشنی میں غور کیا جائے گا۔

وہ چیزیں جو سب کی ہیں:

"ابو داؤد شریف" کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

☆ مہتمم جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

"المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء والنار والکلاء" (ابوداؤد ۲، ۲۴۳، کتاب البیوع) (تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں: گھاس، آگ اور پانی میں)۔

اسی وجہ سے ان تینوں کو مباح الاصل کہا جاتا ہے، ان تینوں سے ہر ایک کو استفادہ وانتفاع کا حق ہوتا ہے، یہ چیزیں کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں، اسی لئے ان کی بیع وشراء اور اجارہ جائز نہیں۔

"وان المقصود من الملک یحصل بلا بیع اذ نملکه بدونه" (فتح القدیر ۶، ۵۵ بحوالہ علی الفتح ۶، ۵۱)۔

(اس لئے کہ ملکیت سے جو مقصود ہے وہ بغیر بیع کے حاصل ہو جانے کی، کیونکہ وہ اس کا بغیر بیع کے مالک ہو جائے گا۔

مذکورہ مباحث میں جن چیزوں کو مباح الاصل کہا گیا ہے ان میں پانی بھی ہے: ندی، نالے، حوض، کنویں، سب کا پانی، سب کو استعمال کی اجازت ہے، ظاہر ہے کہ جب پانی سب کا ہوا تو پانی کے ذریعہ پانی میں نشوونما پانے والی چیزیں سب کی ہوگئیں، جو چاہے لے لے، جو چاہے استعمال کرے۔

یہیں سے ندی، نالوں، کنوؤں اور تالابوں میں پانی پانے والی مچھلیوں کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔ وہ یہ کہ یہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں، جس کو مل جائیں اس کی ہیں۔

لیکن یہاں دو صورت ہے:

۱- ندی، نالوں اور حوض وتالاب میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت۔

۲- ندی، نالوں اور حوض وتالاب کو مچھلیاں شکار کرنے کے لئے ٹھیکہ یعنی کرایہ پر دینا۔

دونوں صورتوں کی تفصیل الگ الگ بیان کی جاتی ہے:

پانی میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت:

وہ مچھلیاں جو پانی میں ہوں اور پانی سے نکالے بغیر فروخت کی جائیں، ان کی خرید وفروخت کی درج ذیل صورتیں ہوں گی:

۱۔ کسی آدمی نے مچھلی پالنے کے لئے گڑھا بنوایا، اس میں سیلاب وغیرہ میں پانی کے ساتھ مچھلیاں آگئیں، ان مچھلیوں کا مالک وہی آدمی ہوگا جس نے گڑھا بنوایا ہے۔

۲۔ گڑھا، مچھلی پالنے کے لئے نہیں بنایا تھا، بلکہ گڑھا اس کی زمین میں پہلے سے موجود تھا، یا گڑھا خود بنوایا تھا مگر کسی اور کام کے لئے، اور مچھلیاں اس گڑھے میں پانی کے ساتھ آگئیں تو وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک نہیں ہوگا، البتہ اگر مچھلیوں کے آنے کے بعد راستہ بند کردے، وہ مچھلیاں وہاں سے واپس نہ جاسکیں تو وہ ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا۔

پھر اگر وہ انہیں، پانی میں رہتے ہوئے فروخت کرے تو بیع اسی وقت جائز ہوگی جب بغیر کسی تدبیر کے ہاتھ سے پکڑی جاسکیں اور اگر انہیں پکڑنے کے لئے جال ڈالنا پڑے یا ڈور کانٹا وغیرہ لگانا پڑے تو بیع جائز نہ ہوگی۔

۳۔ گڑھا مچھلی کے لئے نہیں بنایا تھا مگر مچھلیاں لاکر ڈالی ہیں، خود سے پانی کے ساتھ نہیں آئی ہیں، اس صورت میں مچھلیوں کا مالک وہی ہوگا جس کا گڑھا ہے، اور بیع کے جواز وعدم جواز میں وہی حکم ہے جو نمبر ۱ و ۲ کے تحت گزرا، خیال رہے کہ مچھلیوں کو بغیر حیلہ وتدبیر کے ہاتھ سے پکڑنا اسی وقت ممکن ہوگا جب گڑھا بہت چھوٹا ہو، بڑے گڑھے اور تالاب، ندی وغیرہ میں یہ ممکن نہیں۔

علاوہ ازیں صورت میں پانی میں مچھلیوں کی بیع جائز ہے، مچھلی نکالنے کے بعد خریدار کو خیار رویت حاصل ہوگا۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ مچھلیوں کی اس خرید وفروخت میں سرکاری ندی، نالے، حوض، پوکھرے اور نجی حوض، پوکھرے، تالاب سب کا یکساں حکم ہے۔

اس سلسلے میں فقہاء کرام کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

"مچھلی کی بیع دریا میں یا کنویں میں جائز نہیں، اگر کسی آدمی کا کوئی گڑھا تھا اور مچھلی اس میں داخل ہوگئی، پس یا تو وہ گڑھا اس کے لئے تیار کیا تھا تو جو مچھلی اس میں چلی گئی ہے اس کا وہ مالک ہوگیا اور کسی کو اسے لینے کا حق نہیں، اگر وہ مچھلی بغیر شکار کی تدبیر کے پکڑلی جاسکے تو اس گڑھے میں رہتے ہوئے، اس کی بیع جائز ہوگی، لیکن اگر بغیر حیلہ وتدبیر کے نہ پکڑی جاسکے تو اس کی بیع جائز نہ ہوگی اگر وہ گڑھا اس کے لئے تیار نہیں کیا گیا تھا جو مچھلی اس میں داخل ہوگی اس کا مالک نہیں ہوگا، پس اس کی بیع بھی جائز نہ ہوگی، مگر یہ کہ گڑھے (کا راستہ) بند کردے، اب جو مچھلی اس میں داخل ہوگئی ہے اس کا مالک ہو جائے گا، پھر دیکھا جائے گا کہ اگر بغیر حیلے کے پکڑی جاسکتی ہے تو بیع جائز ہوگی ورنہ ناجائز ہوگی، اگر گڑھا اس کے لئے نہیں بنایا تھا، لیکن مچھلی پکڑی اور اس میں چھوڑ دی تو اس کا بھی مالک رہے گا، اب اگر بغیر حیلے کے پکڑی جاسکے تو بیع جائز ہوگی اور حیلے سے پکڑی جائے تو بیع ناجائز ہوگی، ایسے ہی "فتح القدیر" میں ہے، اور جس حال میں پانی میں مچھلی کی بیع جائز ہوتی ہے، جب مشتری اس پر قبضہ کرے گا اور دیکھے گا تو اسے خیار رویت حاصل ہوگا...... اور اگر مچھلی بڑے دریا میں ہو تو اس کی بیع کسی حال میں جائز نہیں، ایسے ہی اگر مچھلی کا مالک ہوا اور وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں گر گئی تو بھی اس کی بیع جائز نہ ہوگی۔ البتہ اس صورت میں بیع کے بعد، بائع اور مشتری کی بیع فسخ کرنے سے پہلے حوالہ کرنے پر قادر ہو جائے تو بیع جائز ہوگی اور مشتری کو خیار رویت حاصل ہوگا، خواہ اس سے پہلے دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، امام ابوالحسن کرخیؒ کے نزدیک ہے اور مشائخ بلخ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کی بیع جائز نہیں اگر چہ حوالہ کرنے پر قادر ہو، ایسے ہی ینابیع میں ہے" (فتاوی ہندیہ ۳، ۱۳۳)۔

نیز امام ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

"فقال أبو يوسف في كتاب الخراج: رخص في بيع السمك في الآجام أقوام فكان الصواب عندنا في قول من كره حدثنا العلاء ابن المسيب

ہو جائے گا۔ اس میں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اس چیز کی بیع ہے جو ملکیت میں نہ ہو، بیع باطل کہلاتی ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے، اس لئے وہ معدوم کی بیع ہے اگر چہ اس پر باء داخل ہو، اور مچھلی ثمن بن جائے گی، پس یوں ہو گیا گویا کہ اس نے سامان فروخت کیا ہے اور ثمن سے سکوت اختیار کیا ہے، یا تو اسے ام ولد کے ذریعہ فروخت کیا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ سامان کی بیع بھی باطل ہے، اس لئے کہ سمک (مچھلی) مال نہیں ہے، لہذا گویا اس نے سامان کو مردار یا خون کے عوض میں فروخت کیا، لیکن اس مچھلی کو "ام ولد" کی طرح رکھنا زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ وہ فی الجملہ مال ہے، اس لئے کہ اگر وہ اس کے بعد شکار کرے تو اس کا مالک ہو جائے گا، ہاں ایسا اس وقت ظاہر ہوگا جب متعین مچھلی کو شکار کرنے سے قبل فروخت کرے، لیکن اگر مچھلی غیر متعین ہو، پھر کسی مچھلی کا شکار کرے تو یہ مچھلی، بعین وہ مچھلی نہیں ہوئی جو سامان کا ثمن قرار پائی تھی، یہاں تک کہ کہا جائے کہ وہ شکار کرنے سے مالک ہو گیا، حاصل یہ ہے کہ مناسب یہ ہے کہ جانبین سے بیع باطل ہو، جیسے مردار کی بیع سامان سے یا سامان کی بیع، مردار سے اور اگر مچھلی متعین ہو تو مچھلی میں بیع باطل ہے، کیونکہ غیر مملوک ہے، اور سامان میں فاسد ہے، کیونکہ مچھلی فی الجملہ مال ہے، اسی کے مثل وہ صورت ہے جب بیع مچھلی کے گوشت پر ہو، کیونکہ گوشت مثل چیز ہے، اور اگر مچھلی کو دراہم کے بدلے فروخت کرے تو بیع باطل ہے، کیونکہ اس صورت میں مچھلی کا مبیع ہونا متعین ہے اور وہ غیر مملوک ہے، یہ وہ بات ہے جو اس مقام کی تقریر میں مجھے ظاہر ہوئی اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے ان میں سے کسی چیز سے تعرض کیا ہو" (رد المحتار ۴ر۱۱۹)۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی ابن عابدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"شکار کرنے سے پہلے مچھلی کو فروخت کرنا جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے شکار کرنے سے پہلے ہی ان کو کسی سامان کے عوض فروخت کیا تو بیع فاسد ہے، اور اگر دراہم و دنانیر کے بدلے فروخت کیا تو بیع باطل ہے" كذا في الدر المختار وفي البرجندي ذكره المصنف أن بيع السمك قبل أن يصطاد باطل إن كان بالدراهم والدنانير، وفاسد إن كان

بالعرض الطفی" (فتاوی عالمگیری ۳؍ ۲۷۵)۔

اور اگر مچھلی کو شکار کر کے ایسی جگہ چھوڑ دیا کہ وہاں سے حیلہ و تدبیر سے پکڑنا ممکن نہیں تو بھی بیع فاسد ہوگی اور اگر حیلے سے پکڑنا ممکن ہو تو صحیح ہو جائے گی۔ اور بیع باطل میں خریدار کے قبضہ کے باوجود ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور بیع فاسد کو ختم کرنا واجب ہے، لیکن اگر بائع کی اجازت سے خریدار نے قبضہ کر لیا تو مالک ہو جائے گا، اور پھر مشتری کے تصرفات وغیرہ اس شئی میں نافذ ہو جائیں گے اور دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا بھی مشتری کے لئے جائز ہوگا، مگر بیع فاسد کی صورت میں مشتری کے لئے خریدی ہوئی شئی کا کھانا درست نہیں۔

آگے "ہدایہ، نہایہ اور ردالمحتار" وغیرہ کے حوالوں سے مذکورہ باتوں کو مبرہن کیا گیا ہے۔

ندی، نالے اور تالاب کا ٹھیکہ:

رہی یہ بات کہ مچھلیاں نکالنے کے لئے ندی، نالے، پوکھرا، تالاب کا ٹھیکہ، خواہ یہ چیزیں سرکاری ہوں یا نجی، قدرتی ہوں یا بنائی گئی ہوں، شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

یوں عام طور پر ایسے تالاب و پوکھرا وغیرہ کو خریدنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ چیزیں خرید و فروخت نہیں ہوتیں، بلکہ ان سے مچھلی شکار کرنے کا حق و اختیار فروخت ہوتا ہے، جو خریدتا ہے، ایک محدود مدت تک کیلئے خریدتا ہے، اس مدت میں اسے حق ہوتا ہے کہ مچھلیاں نکال کر خود کھائے یا فروخت کر دے۔

اگر اس مسئلہ کو یوں دیکھا جائے کہ یہ مچھلیوں کی بیع ہے تو اس کے احکام وہی ہیں جو گذشتہ صفحات میں بیان کر دئے گئے، لیکن اگر اسے تالاب، پوکھرا، ندی، نالہ کا ٹھیکہ (اجارہ) قرار دیا جائے تو اس پر احکام اجارہ کی حیثیت سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اب فقہاء عظام کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"ولا یجوز إجارة الآجام والأنهار للسمک ولا لغیره، لأن المقصود استحقاق العین، ولأن السمک صید مباح، فکل من أخذه فهو أحق به، وإنما یستحق علی المؤاجر بالإجارة ما کان مستحقا له، ولأن المؤاجر یلتزم ما لا یقدر علی إیفائه به، فإن أجرها للزراعة فهي لیست بصالحة للملک، وإن أجرها للسمک فربما یجده المستأجر ولیس في وسع الآجر أن یملکه من تحصیل ذلک"

(مچھلی وغیرہ کے شکار کے لئے جھاڑی وندی وغیرہ کا اجارہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مقصود عین کا استحقاق ہے، اور مچھلی مباح شکار ہے، جبکہ اجارہ کے ذریعہ اجرت پر دینے والے پر وہ چیز واجب ہوتی ہے جو اس کا حق رہا ہو، اور اس لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ اجرت پر دینے والا اس چیز کا التزام کرتا ہے جس کی ادائیگی پر قادر نہیں، پس اگر وہ اسے زراعت کے لئے اجارہ پر دے تو وہ اس کے لائق نہیں، اور اگر مچھلی کے لئے اجارہ پر دے تو کبھی مستاجر مچھلی پائے گا کبھی نہیں، اور اجرت لینے والے کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس کی تحصیل پر قادر ہو سکے)۔

اس سے ملتی جلتی تفصیل امام کاسانیؒ نے بھی لکھی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجارہ نفع کی بیع ہے نہ کہ عین کی، لہذا اجارہ میں عین کا استہلاک نہیں ہونا چاہئے ورنہ اجارہ صحیح نہ ہوگا، دیکھئے: (بدائع الصنائع [illegible])۔

اجارہ کے مباحث دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مذاہب اربعہ متفق ہیں، چنانچہ "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" کے مصنف لکھتے ہیں:

ومما تقدم في المذاهب الأخرى تعرف العقود التي خرجت عن التعريف كالبيع والهبة والصدقة ونحو ذلك مما يكون العقد فيها على العين لا على المنفعة" (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ۳/۹۹)۔

(دیگر مذاہب کے بارے میں جو بات گزری، اس سے وہ معاملات بھی بیان کئے گئے، جو اجارہ کی تعریف سے نکل گئے جیسے بیع، ہبہ، صدقہ وغیرہ جن میں عقد عین پر واقع ہوتا ہے نہ کہ منفعت پر)۔

اسی کتاب میں مسلک شوافع کے تحت لکھتے ہیں:

"اجارہ کی شرائط میں ہے کہ عقد اجارہ سے عین مقصود نہ ہو، مثلاً کوئی آدمی گائے کو دودھ کے لئے اجارہ پر لے، یہ عقد اس بات کو متضمن ہے کہ مقصود دودھ حاصل کرنا ہے، اور دودھ عین ہے، عقد اجارہ کے ذریعہ اس کا بالقصد لینا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اعیان کی ملکیت عقد اجارہ سے نہیں حاصل ہوتی ہے (جلد ۳، ۱۰۱)۔

مزید آگے نقل کرتے ہیں:

"اسی کے مثل وہ صورت ہے جب کوئی کسی باغ کو پھل کے لئے اجارہ پر لے یا پانی کا کنواں، مچھلی وغیرہ ان چیزوں کے لئے اجارہ پر لے جن میں منفعت عین مقصود ہو" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۳، ص ۱۰۹)۔

"اس مسئلے کے عام مباحث تو یہی ہیں جو مذکور ہوئے لیکن امام ابن نجیم اور دوسرے فقہائے کرام نے مچھلیاں شکار کرنے کیلئے تالاب وغیرہ کے ٹھیکہ میں کچھ اور باتیں بھی ذکر کی ہیں، جن کا پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

امام ابن نجیم فرماتے ہیں:

"مجھ سے اس شرح کی "کتاب البیوع" کی تالیف کے وقت ۹۶۸ھ میں سوال کیا گیا ایک جھیل کے بارے میں جو "بوما الحسین" کے کنارے میں واقع تھی اور حالیہ "اوقاف یوسفیہ" میں سے تھی کہ اس جھیل کا اجارہ ناظر و نگراں کی طرف سے ان لوگوں کے لئے جائز ہے یا نہیں جو اس سے مچھلی شکار کرتے ہیں؟ چنانچہ میں نے میرے پاس جو کتابیں تھیں ان میں تلاش کیا، مجھے یہ مسئلہ نہیں ملا سوائے امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" کے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا

عبداللہ بن علی نے، انھوں نے اسحاق بن عبداللہ سے، انھوں نے ابوالزناد سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک جھیل کو اجارہ پر دینے کے متعلق خط لکھا جو عراق میں تھی اور جس میں مچھلیاں تھیں، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ اجارہ پر دیدو۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ ہم سے امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا، ان سے حمادؒ نے، حمادؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن سے کہا کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس لکھ کر سوال کریں کہ جھاڑیوں میں شکار کی بیع جائز ہے یا نہیں، عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب میں لکھا کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور انھوں نے اس کا نام ''حبس'' رکھا، لہذا اس بنا پر جھاڑیوں میں مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے، الا یہ کہ بیت المال کی زمین میں ہو، اسی کے ساتھ اراضی اوقاف بھی ملحق ہوں گی، لیکن ایک مدت کے بعد میں نے ''ایضاح'' میں اس کے اجارہ کا عدم جواز دیکھا'' (البحر الرائق ۶ر ۷۰)۔

علامہ شامیؒ ''منحۃ الخالق'' میں لکھتے ہیں:

''''النہر الفائق'' میں ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مصر میں ایک چھوٹا حوض ہے، ''برکۃ الحمادۃ'' کے نام سے، اس میں مچھلیاں جمع ہوتی ہیں، کیا مچھلیاں شکار کرنے کے لئے اس کا اجارہ جائز ہے؟ ''البحر الرائق'' میں ''ایضاح'' سے اس کا عدم جواز منقول ہے، اور اس سے پہلے امام ابو یوسفؒ کی ''کتاب الخراج'' سے ابوالزنادؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اجازت دی تھی، لیکن جو بات ''ایضاح'' میں ہے وہ قواعد فقہیہ کے زیادہ مناسب ہے، رملی کہتے ہیں کہ ماسبق کی باتوں سے بیع کا مطلقاً عدم جواز ثابت ہوا، خواہ مچھلیاں سمندر میں ہوں یا دریا میں یا جھاڑیوں میں اور وہ اپنے اطلاق کے اعتبار سے عام ہے، خواہ بیت المال کی زمین میں ہو یا وقف کی زمین میں، اور جو ''کتاب الخراج'' میں امام ابو یوسف سے منقول ہے وہ بھی قواعد سے بعید نہیں، اس کا مرجع ایک مخصوص جگہ کا منفعت معلومہ ''شکار'' کے لئے جائز ہوتا ہے اور جسے امام ابوحنیفہؒ نے حمادؒ سے بیان کیا ہے اس کی توجیہ مشکل ہے، اس لئے کہ وہ شکار سے پہلے مچھلی کی بیع ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ جھاڑیاں اسی کے لئے بنائی گئی تھیں، اور مچھلی اس میں

مقدور التسلیم تھی، پس غور کرلو اور اس تحریک کو سامنے رکھو، کیونکہ مسئلہ کثیرۃ الوقوع ہے، اس کے بارے میں سوالات بہت ہوتے ہیں" (منحۃ الخالق علی حاشیہ البحرالرائق۷ر۲۰)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے یہ ساری عبارتیں اور مباحث "رد المحتار" میں بھی نقل کی ہیں اور خیر رملیؒ کی توجیہ وتاویل پر اشکال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لکن قوله غير بعيد الخ فيه نظر، لأن الإجارة واقعة على استهلاك العين، وسيأتي التصريح بأنه لا يصح إجارة المراعي، وهذا كذلك، ولذا جزم المقدسي بعدم الصحة واعترض البحر بما قلنا والله أعلم" (ردالمحتار ۴ر۱۱۹)۔

(رملی کا قول " امام ابو یوسف کا بیان قواعد سے بعید نہیں الخ" اس میں اعتراض ہے، کیونکہ اجارہ، استہلاک عین پر واقع ہوا ہے اور عنقریب صراحت آجائے گا کہ چراگاہ کا اجارہ صحیح نہیں، یہ بھی اسی طرح کا معاملہ ہے، اسی لئے مقدسی نے یقین کے ساتھ عدم صحت کی بات کہی ہے اور "البحرالرائق" پر وہی اعتراض کیا ہے جو ہم نے کیا، واللہ اعلم)۔

خلاصہ یہ کہ ندی، نالے، تالاب خواہ وقف یا بیت المال کے ہوں یا نجی اور ذاتی ہوں، اجارہ صحیح نہ ہونے میں سب برابر ہیں، قواعد فقہیہ کی روشنی میں کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ مچھلیوں کے شکار کے لئے اجارہ جائز ہو، اور حضرت عمرؓ کے فتوی کی بظاہر کوئی توجیہ وتاویل سمجھ میں نہیں آتی، سوائے اس کے کہ کہا جائے کہ وہ بعض صورتوں میں استہلاک عین کے باوجود، اجارہ کے جواز کے قائل تھے۔

ہاٹ بازار کا نیلام۔

ہاٹ بازار کا نیلام جو سرکار کی طرف سے ہوتا ہے وہ بیع نہیں ہے، بلکہ اجارہ ہے، وہ جگہ اور زمین کی منفعت کا کرایہ ہے، نیلامی میں لینے والا اس زمین کو یک مشت رقم پر کرایہ پر لیتا ہے اور دوکانداروں سے مختلف شرائط سے تھوڑا تھوڑا اس طرح وصول کرتا ہے کہ ادا کردہ رقم سے زیادہ رقم اسے حاصل ہوجاتی ہے اور یہ اصل مالکان کی اجازت سے ہوتا ہے۔

چونکہ اس میں استہلاک عین نہیں، بلکہ تحصیل منفعت ہے اس لئے جائز ہے۔

سرکاری زمین میں پیداجلاون کی فروختگی:

۱- سڑکوں کے کنارے یا کسی بھی سرکاری زمین میں جو درخت سرکار کی طرف سے لگائے گئے ہوں، سرکار ان کی مالک ہے، لہذا اس کی بیع وشرا درست ہے۔

۲- لیکن مذکورہ زمینوں میں جو درخت خودرو ہوں، کسی کے لگائے نہ ہوں، شرعاً ان کا کوئی مالک نہیں، جو لے لے اس کا ہے، ان درختوں کی نیلامی جائز نہیں ہے، نجی زمینوں میں اس قسم کے درخت ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے، اس صورت میں یہ درخت مباح الاصل ہو جائیں گے، کسی کی ملکیت نہ ہوں گے، جو لے لیگا مالک ہو جائے گا "کأخذ الحطب والثمار من الجبال کالجوز والتین والفستق وغیرھا" (فتح القدیر ۵/۲۰۹)۔

۳- اگر ان خودرو درختوں کی سرکار نے دیکھ بھال شروع کردی، ان کی نشونما اور حفاظت کا بندوبست کردیا، اسی طرح جس کی زمین میں یہ درخت نکلے ہیں اس نے ان کی دیکھ بھال (پانی دینا، کھاد ڈالنا، دوا چھڑکنا) وغیرہ شروع کردیا۔ تو وہ اس کا مالک ہو گیا، فروخت کر سکتا ہے، دوسرے کو لینے کا حق نہیں ہے۔

سوالنامہ کے جوابات:

اولاً- جس عرف کا سوال میں تذکرہ ہے وہ قواعد شرع سے متصادم ہے، لہذا غیر معتبر ہے، یہ بیع جائز نہیں ہے، لیکن ندی نالوں اور تالابوں میں پائی جانے والی مچھلیاں چونکہ مباح الاصل ہوتی ہیں، جو شکار کرے، اسی کی ہو جاتی ہیں، اس لئے ٹھیکہ دار جن مچھلیوں کو شکار کرکے فروخت کرے گا، ان کی خرید وفروخت جائز ہوگی۔

۲- مچھلیاں شکار کرکے فروخت کرنے کے لئے تالاب حوض وغیرہ کا اجارہ جائز نہیں

ہے، کیونکہ یہ عین کا استہلاک ہے، جبکہ اجارہ عقد منفعت ہے۔

یہ جواب ہر صورت میں ہے، خواہ حوض وتالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہو اور اس نے اس میں مچھلیاں پالی ہوں، یہ سرکاری ہو اور سرکار کی طرف سے اس میں مچھلیاں پالی گئی ہوں۔

۴- ٹھیکہ واجارہ پر دینا تو اس صورت میں بھی جائز نہیں، البتہ مچھلیوں کے آنے کے بعد حوض یا تالاب کا راستہ بند کردیا، جس سے وہ مچھلیاں واپس جانے پر قادر نہیں رہیں تو وہ ان مچھلیوں کا مالک ہوگیا، نکال کر فروخت کرسکتا ہے، پانی میں رہتے ہوئے فروخت کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر راستہ بند نہیں کیا تو ان مچھلیوں کا مالک نہیں ہوا، شکار کرنے کے بعد مالک ہوجائے گا۔ لہٰذا فروخت کرسکتا ہے۔ پانی میں رہتے ہوئے، غیر مملوک اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہیں ہوگی۔

☆☆☆

مچھلی کی خرید وفروخت سے متعلق چند مسائل

مولانا اشتیاق احمد اعظمی ☆

عام طور پر آج یہ متعارف ہے کہ ندی، نالے اور نہریں کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں، بلکہ سرکاری ہیں ان کو حکومت کسی خاص شخص کو کو آپریٹیو سوسائٹی یا مقامی پنچایتوں کے ہاتھ متعین مدت کے لئے بندوبست کردیتی ہے اور یہ لوگ سرکار کو معاوضہ دے کر اس خاص حصہ سے حاصل ہونے والی مچھلی نکالتے ہیں اور خود استعمال کرتے ہیں، یا فروخت کردیتے ہیں، یہ مچھلی ضروری نہیں کہ اس ندی، نالے یا تالاب میں پرورش کی گئی ہو، سیلاب کے آمد ورفت کے ساتھ یہ مچھلیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں، آیا ان مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر انہیں نکالے ہوئے جائز ہے یا ناجائز؟

ان مچھلیوں کی بیع وشراء کے جواز یا عدم جواز کو جاننے کے لئے ہمیں بیع کے سلسلے میں ان ضوابط اور اصولوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا جن کا فقہاء کرام نے اس سلسلے میں ذکر کیا ہے، مچھلیاں یہاں چونکہ مبیع بن رہی ہیں، اس لئے ہمیں سب سے پہلے بیع سے متعلق اصول، ضوابط یا شرائط کو دیکھنا ہوگا کہ فقہاء کرام نے نہ صرف مبیع، بلکہ دیگر امور سے متعلق بھی شرطوں کی بہ تفصیل ذکر فرمایا ہے، چنانچہ شامی میں ہے: "وذكر في البحر أن شرائط البيع أربعة أنواع شرط انعقاد ونفاذ وصحة ولزوم" (شامی ۴/۵)۔

چنانچہ شرط انعقاد کے ذیل میں عاقد، نفس عقد، مکان عقد اور معقود علیہ میں سے ہر

☆ مدرس شعبہ عربی دار العلوم مئو۔

ایک سے متعلق شرطیں ہیں، ہم یہاں صرف معقود علیہ سے متعلق شرائط کا ذکر کریں گے۔

مبیع سے متعلق شرائط:

فقہاء احناف کے نزدیک معقود علیہ سے متعلق چند شرطوں کا ذکر ہمیں ملتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱- یہ کہ مبیع موجود ہو، لہذا معدوم کی بیع منعقد نہ ہوگی۔

۲- یہ کہ مبیع ایسی شی ہو جس سے ملک متعلق ہوتی ہو، چنانچہ گھاس کی بیع منعقد نہ ہوگی، اگرچہ وہ کسی کی مملوکہ زمین میں ہو، کیونکہ وہ مباح الاصل ہے۔

۳- یہ کہ مبیع بائع کی ملکیت میں ہو اگر وہ خود بیع کر رہا ہو یا اس کے مؤکل کی ملکیت میں ہو، چنانچہ بیع سلم کے علاوہ کسی اور جگہ غیر مملوک کی بیع منعقد نہ ہوگی (اس کے لئے بھی از ابتداء تا انتہا بازار میں پایا جانا ضروری ہے)

۴- یہ کہ مبیع شرعاً مال متقوم ہو، چنانچہ خمر وغیرہ کی بیع منعقد نہ ہوگی کہ جس سے شرعاً انتفاع مباح نہ ہو۔

۵- یہ کہ بائع مبیع کی حوالگی و تسلیم پر فوری طور پر قادر ہو (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۱۹۹۲، ۲/۱۰۰-۱۰۷)۔

مذکورہ بالا شرائط کو سامنے رکھکر مچھلیوں کی بیع و شراء جس کا ذکر سوال نمبر ۱ میں ہے، جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ مچھلیوں کو شکار کئے بغیر بیچنے کی صورت میں شرائط نمبر ۱، نمبر ۳ اور نمبر ۵ کا فقدان ہے۔

ندی، نالے اور تالاب کی مچھلیاں شکار سے پہلے کسی کی مملوک نہیں ہیں:

ندی نالے سے مچھلیاں شکار کئے بغیر فروخت کردی جائیں تو نہ صرف یہ کہ غیر مملوک

کی بیع ہے، بلکہ معدوم کی بیع ہے، جیسے غیر مملوک کی بیع درست نہیں ہے، ایسے ہی معدوم کی بیع ناجائز ہے۔

وہ تالاب، ندی اور نالے جنہیں مچھلی پالنے اور شکار کے مقصد سے نہیں بنایا گیا ہے، ان میں پائی جانے والی مچھلیاں شکار کئے بغیر کسی کی مملوک نہیں بن سکتیں، ''فتح القدیر شرح ہدایہ'' میں ہے:

''سمندر یا دریا میں پائی جانے والی مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے، سو اگر کسی کے پاس تالاب ہو اور مچھلیاں ان میں داخل ہوگئی ہوں تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس نے اس تالاب کو مچھلی کے شکار کے لئے بنایا ہوگا یا نہیں، اگر اس نے اسی مقصد کے لئے بنایا اور مچھلیاں اس میں داخل ہوگئیں تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا اور کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ بغیر مالک کی اجازت کے اس کا شکار کرے اور اگر اس مقصد کے لئے نہیں بنایا تو جو مچھلیاں از خود اس میں داخل ہوں گی وہ ان کا مالک نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا، کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہوا'' (فتح القدیر ۶/۴۹)۔

درمختار میں ہے: اگر اس تالاب کو مچھلیوں کے شکار کے لئے بنایا ہے اور مچھلیاں اس تالاب میں داخل ہوگئیں تو وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہوگا، اور کسی کو ان مچھلیوں کو لینے کا حق نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے تالاب اس مقصد کے لئے نہیں بنایا ہے تو داخل ہونے والی مچھلیاں اس کی مملوک نہ ہوں گی اور اسی عدم ملک کے باعث ان مچھلیوں کی بیع جائز نہ ہوگی۔

"وفسد بیع سمک لو بالعرض، وإلا فباطل لعدم الملک" معلوم ہوا کہ بغیر شکار کی گئی مچھلی کی بیع اگر عرض (سامان) کے عوض میں ہو تو بیع فاسد ہوگی اور اگر عرض کے عوض میں نہ ہو تو یہ بیع باطل ہوگی، کیونکہ مبیع اس صورت میں مملوک نہیں (درمختار مع شامی ۴/۱۳۹)۔

علامہ شامی نے ''درمختار'' کی مذکورہ بالا عبارت کے موقعہ پر تحریر فرمایا:

"ظاهره أن الفاسد بيع السمک بالقبض، وفيه أن بيع ما ليس في

ملكه باطل كما تقدم، لأنه بيع المعدوم، والمعدوم ليس بمال، فينبغي أن يكون بيعه باطلا" (شامي ص ۶۰ ج ۵)۔

"درمختار" کی عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہ ہوا کہ مچھلی کی بغیر شکار کئے ہوئے بیع فاسد ہے، اور اس کے بیچنے میں اگر مشتری اس پر قبضہ کر لے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، لیکن اس میں یہ اشکال ہے کہ مچھلی کے شکار سے پہلے بیع تو غیر مملوک کی بیع ہے، تو اسے بیع باطل ہونا چاہئے، کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے اور معدوم مال نہیں ہوتا تو مناسب ہے کہ یہ بیع باطل ہو، ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مچھلیوں کی خرید و فروخت انہیں شکار کرنے سے پہلے غیر مملوک اور معدوم کی بیع ہے اور مقصود یہ جب غیر مملوک اور معدوم ہو تو بیع کا انعقاد ہی نہیں ہوتا۔

اس کے ساتھ مذکورہ بالا صورت میں مبیع غیر مقدور التسلیم بھی ہے اور بیع کے انعقاد کے منجملہ شرائط میں سے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا بھی ہے۔ "ہدایہ" کی شرح "فتح القدیر" میں ہے:

"وإن لم يؤخذ إلا بحيلة لا يجوز بيعه لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع" (فتح القدیر ص ۲۰۵ ج ۶)۔

(اگر مچھلیوں کو بغیر حیلے کے نہ پکڑا جا سکتا ہو تو ان کی بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں بیع کے بعد مبیع کی تسلیم اور حوالگی پر بائع کو قدرت نہ ہوگی)، نیز مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (المغنی ص ۲۲۴، ۲۲۳ ج ۴ اور اعلاء السنن ص ۸۰ ج ۱۴)۔

غیر مملوک کی بیع احادیث کی روشنی میں:

کتب احادیث میں ہمیں دو طرح کی روایتیں ملتی ہیں ایک تو عام احادیث جن سے کسی بھی غیر مملوک کی بیع ناجائز معلوم ہوتی ہے، دوسرے خصوصی احادیث جن میں مچھلی کے پانی میں رہتے ہوئے خرید و فروخت سے روکا گیا ہے۔

پہلی قسم کی حدیث میں سے حکیم ابن حزام سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان

سے فرمایا: "لا تبع ما ليس عندك" (رواہ ترمذی بحوالہ منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ۵/۱۵۵)۔

علامہ شوکانی "نیل الاوطار" میں "ما ليس عندك" پر تحریر فرماتے ہیں: "أي ما ليس في ملكك و قدرتك" (جو چیز تمہاری ملکیت اور قدرت میں نہ ہو وہ حرام ہے)

دوسری روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے ہے جس میں یہ الفاظ وارد ہیں:

"قال رسول الله ﷺ: لا يحل سلف و بيع ولا شرطان في بيع ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك" (سبل السلام ۳/۸۰۹)۔

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة و بيع الغرر" (رواہ مسلم ۲/۲ صحیح مسلم مع شرح النووی)۔

علامہ نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"دراصل بات غرر سے نہی تو کتاب البیوع کے اصولوں میں سے ایک بہت بڑا اصول اور ضابطہ ہے، اس ضابطے کے تحت بے شمار مسائل آتے ہیں۔ جیسے بھاگے ہوئے غلام، معدوم، مجہول اور غیر مقدور التسلیم کی خرید و فروخت اور ایسی چیز کی بیع جس پر بائع کی ملکیت قائم نہ ہو اور دریا کے اندر مچھلی کی بیع" (شرح النووی علی صحیح مسلم)۔

معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے خرید و فروخت کے سلسلے میں ان ضوابط و قوانین کو بروئے کار لانے کی ہدایت کی ہے جس سے متعاقدین میں سے کسی کو نقصان اور خسارہ وغیرہ کی نوبت نہ آنے پائے، چنانچہ ان تدابیر کو اختیار کرتے جن کا ذکر شرائط انعقاد کے اندر ہوا متعاقدین میں سے ہر ایک خسارہ سے بچ سکتا ہے اور جانبین میں سے ہر ایک اپنے دامن کو دوسرے کے مال و متاع کو باطل اور ناجائز طور سے استعمال کرنے کے بدنما داغ سے بچا سکتا ہے۔ بیع غرر سے نہی کا ورود اسی منشا کی تکمیل کا متقاضی ہے، چنانچہ آپ حضور ﷺ نے ان تمام اقسام بیوع سے واضح طور پر منع فرمایا جن کا رواج دور جاہلیت میں تھا۔ بیع مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ، ملامسہ، منابذہ، وغیرہ جیسی کتنی بیوع جاہلی دور میں مروج تھیں۔

حضور ﷺ نے ان سب کی نہی فرمادی۔

مذکورہ بالا عمومی احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کسی غیر مملوک، معدوم اور غیر مقدور التسلیم کی بیع درست نہ ہوگی۔ مچھلی کی ما، کثیر کے اندر رہتے ہوئے خرید وفروخت بھی غیر مملوک بلکہ معدوم اور غیر مقدور التسلیم شی کی بیع ہے، لہذا اشکار سے پہلے ان کی خرید وفروخت درست نہ ہوگی۔ رہی خصوصی احادیث، تو اس ضمن میں ہمیں عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ملتی ہے جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں نقل فرمایا ہے: "عن ابن مسعود أن النبی ﷺ قال: لا تشتروا السمک فی الماء، فإنه غرر" (مسند احمد ۱/۳۸۸)۔

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پانی کے اندر موجود مچھلی کو نہ خریدو، کیونکہ اس میں غرر ہے)۔ اس باب سے متعلق مزید مباحث کے لئے دیکھئے: (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۱۹۷، شامی ۴/۱۰۷، فتح القدیر ۴/۱۹۳)۔

خلاصہ بحث:

ندی، نالے اور ایسے تالاب جن کو بطور خاص مچھلی پالنے اور شکار کے مقصد سے نہ بنایا گیا ہو ان میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت شکار سے قبل ناجائز ہوگی، کیونکہ اس شکل میں یہ بیع معدوم اور غیر مملوک کی بیع ہے، نیز مبیع غیر مقدور التسلیم ہے اور مزید برآں مبیع مجہول بھی ہے ان خرابیوں کے پیش نظر یہ بیع مطلقاً صحیح نہیں مانی جاسکتی اگرچہ عرف میں اس کا کتنا ہی رواج کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ عرف ان نصوص شرعیہ سے براہ راست متصادم اور متعارض ہے جن کا ذکر (غیر مملوک کی بیع احادیث کی روشنی میں) کیا گیا ہے۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ہے:

"إذا خالف العرف الدليل الشرعی فإن خالفه من كل وجه بأن لزم منه ترک النص فلا شک فی رده کتعارف الناس کثیراً من المحرمات من الربا و غیر ذلک مما ورد تحریمه نصاً" (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۲/۱۱۶)۔

ٹھیکیدار کا ندی، نالے اور تالاب کی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد بیچنے کا حکم:

اوپر کی تفصیلی بحث سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مذکورہ بالا صورت معاملہ میں سرکار کا ندی، نالے، اور تالاب کی مچھلیوں کو شکار کئے بغیر بیچنا درست نہیں ہے۔

اس سے قبل یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ ندی، نالے اور تالاب جن کے اندر مچھلیوں کو پالنے کا نظم نہیں کیا گیا ہے یہ مچھلیاں، شکار سے قبل کسی کی بھی ملکیت نہیں، بلکہ مباح الاصل ہیں، جو شخص آگے بڑھ کر انہیں پکڑ لے اور شکار کر لے ان کا مالک بن جائے گا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (شامی ۷، ۱۴)۔

تصریحات بالا کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ سرکار یا کوئی بھی دوسرا شخص ندی، نالے اور عوامی تالاب کی مچھلیوں کا شکار سے قبل مالک نہیں ہوا کرتا جو شخص ان مچھلیوں کا شکار کرے وہی اس کا مالک بن جائے گا۔

ٹھیکیدار کا سرکار سے مچھلیوں کا خریدنا تو بیکار اور کالعدم رہا، البتہ جب اس نے مچھلیوں کو شکار کر لیا تو وہ ان کا مالک بن گیا، اس لئے وہ ان مچھلیوں کو دوسروں کے ہاتھ بیچنے میں حق بجانب ہوگا۔ اور کسی مسلمان کا پوری صورت حال کو جاننے کے باوجود خریدنا بھی درست ہوگا۔

ٹھیکیدار کے اس بیع کے جواز کا فتویٰ۔ "فتاویٰ دار العلوم دیوبند" (۶، ۷؍۲۲) میں مذکور ہے، نیز حضرت مولانا تھانویؒ نے بھی اس کا جواز تحریر فرمایا ہے (امداد الفتاویٰ ۳؍۸۴-۹۶)۔

نجی تالاب یا حوض میں پالی ہوئی مچھلیوں کے بیع کا حکم:

جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے اگر وہ شخص اس میں باقاعدہ مچھلیاں پالتا ہے تو وہ اس کی مملوک ہیں، ان مچھلیوں کی فروخت اسوقت جائز ہوگی جب کہ ان کے پکڑنے میں کسی حیلے کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ مبیع اس صورت میں مملوک ہونے کے ساتھ ساتھ مقدور التسلیم

بھی ہے، لیکن مشتری کو خیار رویت حاصل ہوگا۔

"مجمع الانہر" میں یہ عبارت مذکور ہے:

"وأمكن أخذه بلا حيلة صح بيعه لكونه مقدور التسليم لكن إذا سلمه إلى المشتري فله خيار الرؤية" (۲/۵۵)۔

شامی میں ہے:

"وإلا فلا لعدم القدرة على التسليم" (شامی ۴/۷۴)۔

اور اگر نجی حوض یا تالاب کی مچھلیاں بدون حیلہ نہیں پکڑی جاسکتی ہوں تو ان کی بیع درست نہ ہوگی، کیونکہ اس صورت میں مبیع غیر مقدور التسلیم ہے۔

حنابلہ کے یہاں نجی حوض یا تالاب کی مچھلیوں کے بیع کے جواز کا قول ملتا ہے، لیکن ان کے یہاں اس جواز کیلئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، علامہ ابن قدامہ حنبلی کے الفاظ میں:

"پانی کے اندر مچھلی کی بیع کے جواز کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں: ۱- مچھلی مملوک ہو، ۲- پانی اس قدر رقیق اور صاف و شفاف ہو کہ مچھلیوں کے مشاہدہ اور معرفت میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو، ۳- یہ کہ ان مچھلیوں کا (بغیر حیلہ کے) پکڑنا اور شکار کرنا ممکن ہو اور اگر یہ ساری شرطیں پائی جا رہی ہوں تو مچھلیوں کی بیع حنابلہ کے نزدیک جائز ہوگی، ورنہ نہیں" (المغنی ۴/۱۴۲)۔

ذاتی اور عوامی تالاب از خود پیدا ہونے والی مچھلیوں کی بیع کا حکم:

تالاب یا حوض خواہ نجی ملکیت کے ہوں یا عوامی زمرہ کے ان میں جو مچھلیاں پالے بغیر از خود بارش وغیرہ کی وجہ سے آ جایا کرتی ہیں وہ کسی کی مملوک نہیں ہوا کرتیں، بلکہ وہ مباح الاصل ہوتی ہیں، اس لئے شکار سے قبل ان کی بیع باطل ہوگی، کیونکہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔

نجی تالاب و حوض ہوں یا عوامی ان میں مچھلیوں کے داخل ہو جانے کے بعد اگر ان کے مالک کی کسی شخص کی طرف سے کوئی مچھلی پکڑی گئی ہو تو وہ ان کا مالک ہو جائے گا، اب اگر ان

مچھلیوں کو بغیر حیلہ کے شکار کرنا اور پکڑنا ممکن ہو تو ان کی بیع وشراء بھی جائز ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں مبیع مملوک ہونے کے ساتھ مقدور التسلیم بھی ہے۔

"شامی" میں ہے:

"إلا أن یسد الحظیرة إذا دخل فحینئذ یملک، ثم إن أمکن أخذه بلا حیلة جاز بیعه، وإلا فلا" (شامی ۴؍۱۴۶، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶؍۴۹)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مچھلیاں جب تالاب یا حوض میں داخل ہوجائیں اور ان کے روکنے کی شکل اختیار کرلی گئی ہو تو وہ مملوک ہوجائیں گی، اس صورت میں اگر تالاب یا حوض اس انداز کا ہو کہ مچھلیاں بغیر حیلہ کے پکڑی جاسکتی ہوں تو ان کی بیع درست ہوگی "لکون المبیع مملوکا ومقدور التسلیم" اور اگر تالاب یا حوض کا مدخل بند تو کردیا گیا، لیکن مچھلیاں بغیر حیلہ کے نہیں پکڑی جاسکتیں تو اس صورت میں بیع فاسد ہوگی، کیونکہ مبیع غیر مقدور التسلیم ہے، اور اگر مچھلیوں کو روکنے کی کوئی شکل اختیار نہیں کی گئی تو اس صورت میں ان مچھلیوں کی بیع باطل ہوگی "لکون المبیع غیر مملوک"۔

☆☆☆

مچھلی کی بیع وشراء

مولانا خورشید احمد اعظمی ٭

۱- آج کل جو مچھلیاں منڈی میں فروخت کی جاتی ہیں ان کا ایک بڑا حصہ ان ندی اور تالابوں سے آتا ہے جن کے مختلف رقبے حکومت کی طرف سے کسی خاص شخص کو یا پرائیویٹ سوسائٹی یا مقامی پنچایتوں کے ہاتھ متعین مدت کے لئے ٹھیکہ پر دیے ہوتے ہیں اور یہ لوگ سرکار کو معاوضہ دے کر ندی کے حصے سے متصل ہونے والی مچھلی نکالتے ہیں، حالانکہ ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیاں نہ ان کی غرض سے پالی گئی ہوتی ہیں اور نہ ان کے روکنے کا کوئی بندوبست کیا جاتا ہے، بلکہ وہ سیلاب کی آمد و رفت کے ساتھ آتی اور جاتی رہتی ہیں، یہ مچھلیاں چونکہ کسی کی ملک نہیں ہوتیں، اس لئے بغیر شکار کئے ہوئے پانی کے اندر ہی ان کی بیع ناجائز ہے، کیونکہ بیع کے صحت سے متعلق جو شرائط ہیں ان میں سے ایک مبیع کا بائع کی ملک میں ہونا بھی ہے، نیز مبیع کا مقدور التسلیم ہونا بھی شرط ہے، شامی میں ہے:

"معقود علیہ کی شرط یہ ہے کہ وہ موجود ہو، مال متقوم ہو، بذات خود مملوک ہو اور اس پر اس شخص کی ملکیت ہو جو اس کو اپنے لئے بیچ رہا ہے، نیز اس کی سپردگی پر قدرت ہونا بھی ہے"

(شامی

علامہ صنعانی نے بھی "سبل السلام" میں اس کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

"وقد جعلوا شروط البيع أنواعا فيها ما في العاقد وهو أن يكون عاقلا

٭ [illegible]

ممیزاً وفیھا فی الآلة وھذا أن یکون بلفظ الماضی وفیھا فی المحل وھو أن یکون مالا متقوما وأن یکون مقدور التسلیم" (سبل السلام ۲/ ۸۸)۔

(فقہاء نے بیع کی شرطیں کئی طرح کی رکھیں ہیں ان میں بعض عاقد کے حق میں ہے اور وہ یہ ہے کہ عاقد (معاملہ کرنے والا) عاقل اور صاحب تمیز ہو اور بعض الفاظ وصیغہ سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ لفظ ماضی کا ہو اور بعض شرطیں محل سے متعلق ہیں وہ یہ ہے کہ محل بیع مال متقوم ہو اور اس کی سپردگی قدرت میں ہو)۔

مذکورہ بالا صورتوں میں چونکہ مچھلیاں ٹھیکہ دینے والے یا بائع کی ملک نہیں ہوتیں اور نہ ہی مقدور التسلیم ہوتی ہیں، اس لئے ان کی بیع درست نہیں ہے، جیسا کہ "ہدایہ" میں ہے:

"ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد، لأنه باع مالا یملکه ولا فی حظیرة إذا کان لا یؤخذ إلا بصید؛ لأنه غیر مقدور التسلیم" (ہدایہ ۳/ ۳۳)۔

(مچھلی کی فروخت شکار سے قبل جائز نہیں ہے، کیونکہ آدمی ایسا سامان بیچ رہا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے اور نہ ہی تالاب کے اندر کی مچھلی کا بیچنا درست ہے، جبکہ اس کو شکار کے عمل کے بغیر حاصل نہ کیا جاسکے، کیونکہ اس صورت میں وہ زیر قدرت نہیں)۔

نیز علامہ شامیؒ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے (دیکھئے: شامی ۴/ ۶)۔

حکیم بن حزامؓ کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں:

"قلت یا رسول اللہ ﷺ یأتینی الرجل فیرید منی المبیع لیس عندی فأباع له من السوق قال: لا تبع مالیس عندک" (ابوداؤد ۳/ ۳۵۰)۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک" (ابوداؤد ۳/ ۳۵۰)۔

(بیع اور قرض نیز بیع دو شرطوں کے ساتھ اور جو چیز ضمان میں داخل نہ ہو اس کا نفع اور

جو سامان اپنے پاس نہ ہو اس کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے)۔

نیز کثیر پانی کے اندر والی مچھلیوں کی بیع قبل شکار درست نہیں ہوگی، کیونکہ بیع غرر سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر" (صحیح مسلم ۱۰/۱۵۶)۔

اس کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

"بیع غرر اور دھوکہ کی بیع سے ممانعت پر بیع کے اصول میں ایک بڑی اصل ہے اسی لئے امام مسلم نے اس کو پہلے ذکر فرمایا ہے، اس میں بہت سے ان گنت مسائل داخل ہیں، جیسے بھگوڑے غلام کی فروخت اور معدوم و مجہول کی، نیز اس کی جس کی سپردگی پر قدرت نہ ہو اور جس پر بائع کی ملکیت مکمل نہ ہو، اسی طرح مچھلی جو پانی کے اندر ہو اس کی فروخت" (دیکھئے: صحیح مسلم مع شرح نووی ۱۰/۱۵۶)۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی "بیع السمک في الماء" کو بیع غرر میں شمار کیا ہے (فتح الباری ۴/۳۵۷)۔

نیز امام ترمذیؒ نے مذکورہ حدیث کی روایت کے بعد امام شافعیؒ کا قول نقل کیا ہے:

"وقال الشافعي من بيع الغرر بيع السمك في الماء" (سنن ترمذی)۔

بلکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں صراحۃً پانی کے اندر مچھلیوں کی بیع سے منع کیا گیا ہے: "عن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا تشتروا السمک في الماء، فإنه غرر" (مسند احمد ۱/۳۸۸)۔

اگرچہ اس حدیث کے متعلق "بیہقی و دارقطنی" وغیرہ کا کلام موجود ہے اور ان لوگوں نے اسے موقوف قرار دیا ہے، لیکن علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"وقد روى أبو بكر بن أبي عاصم عن عمران ابن حصينؓ مرفوعا

مرفوعاً، وفیہ النھی عن بیع السمک فی الماء، فھو شاھد لھذا" (نیل الاوطار ۵ر ۲۲۳)۔

مذکورہ بالا صورت اگرچہ ٹھیکہ اور اجارہ کی نوعیت رکھتی ہے اور یہ اجارہ مدت معلومہ میں منفعت مخصوصہ معلومہ، یعنی شکار کے لئے ہوتا ہے، لیکن چونکہ یہ اجارہ مستلزم لاستھلاک العین ہے اس بنا پر یہ صورۃ اجارۃ بھی درست نہیں ہوگی۔

"الإجارة إذا وقعت علی العین لا تصح فلا تجوز علی استئجار الآجام والحیاض لصید السمک" (شامی ۵ر ۳۹)۔

(اجارہ اگر عین سامان پر ہو تو صحیح نہیں ہوتا، لہذا پانی کے حوض وغیرہ کا اجارہ مچھلی کے شکار کے لئے درست نہیں ہے)۔

"ولم تجز إجارۃ برکۃ لیصاد فیھا السمک" (شامی ۴ر ۱۰۹)۔

(اور کسی تالاب کا اجارہ مچھلی کے شکار کی غرض سے جائز نہیں ہے)۔

رہا یہ مسئلہ کہ آج کل مچھلیوں کی بیع اور ٹھیکہ داری کی یہ صورت ایک عرف عام بن چکی ہے، لیکن چونکہ یہ عرف نصوص صریحہ مذکورہ "لا تبع ما لیس عندک، ونھی عن بیع الغرر، لا تشتروا السمک فی الماء، نھی عن بیع السمک فی الماء" سے متصادم ہے، اس لئے اس عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

"إذا خالف العرف الدلیل الشرعی فإن خالفه من کل وجه بأن لزم منه ترک النص فلا شک فی ردہ" (نشر العرف لابن عابدین ر ۱۱۹)۔

(جب کوئی عرف دلیل شرعی کے خلاف ہو تو اگر پورے طور پر مخالف ہو کہ اس کی وجہ سے نص کا ترک لازم آتا ہو تو ایسے عرف کے مردود ہونے میں شک نہیں)، نیز دیکھئے: (المدخل الفقہی العام ۲ر ۸۷۰)۔

خلاصہ کلام یہ کہ ندی، نالے یا نہروں میں پائی جانے والی مچھلیوں کا شکار سے پہلے بیچنا

یا ٹھیکہ پر دینا درست نہیں، کیونکہ اس سے درج ذیل خرابیاں لازم آتی ہیں:

۱- بیع مالا یملک۔

۲- بیع مالا یقدر علی تسلیمہ۔

۳- بیع غرر۔

۴- نص صریح کی مخالفت۔

اس لئے مذکورہ بالا صورت بیع یا اجارہ باطل ہوئی۔

۲- ندی نالے یا نہریں جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہوتیں اور سرکار ان کو معاوضہ پر شکار کرنے کے لئے دیتی ہے اگرچہ ٹھیکہ دینا درست نہیں ہے، مگر چونکہ ان میں پائی جانے والی مچھلیاں مباح الاصل ہوتی ہیں جو ان کا شکار کرلے وہی ان کا مالک ہوجاتا ہے، اس لئے جب ٹھیکہ لینے والا یا کوئی بھی شخص ان مچھلیوں کا شکار کرلے اور اس طرح اپنی تحویل میں لے لے کر مشتری کے حوالہ کرسکے تو پھر اس کا ان مچھلیوں کو بیچنا درست ہوگا۔ اور کسی مسلمان شخص کا اس ٹھیکہ دار سے یہ ساری صورت حال جانتے کے باوجود خریدنا جائز ہوگا۔

"غیر شکار شدہ مچھلی کی فروخت فاسد ہے اگر سوائے سامان کے عوض ہو اور اگر نقد کے عوض ہو تو باطل ہے، کیونکہ ابھی مچھلی مملوک نہیں۔ اسی طرح جس کو شکار کرکے ایسی جگہ رکھ دیا جائے کہ وہاں سے بغیر تدبیر کے حاصل نہ کیا جاسکے تو بھی یہی حکم ہے، کیونکہ اس صورت میں سپردگی سے عجز پایا جارہا ہے۔ اور اگر تدبیر کے بغیر پکڑنا ممکن ہے تو صحیح ہے اور خریدنے والے کو خیار رؤیت حاصل ہوگا، البتہ اگر خریدنے والا خود دیکھ سکے تو صحیح ہے" (درمختار مع ردالمحتار، ۴/۱۰۲)۔

اس طرح ٹھیکہ پر حاصل کی ہوئی ندی نہروں سے شکار کے بعد مچھلیوں کی خرید وفروخت کا جائز ہونا فتاوی دار العلوم (۷/ ۳۴۳) و امداد الفتاوی (۳/ ۴۸، ۴۹) میں بھی مذکور ہے۔

۳- ایسے جوہڑ یا تالاب جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں اور وہ شخص باقاعدہ ان

میں مچھلیاں پالتا ہے تو اس صورت میں وہ ان مچھلیوں کا مالک ہے، بغیر اس کی اجازت کے کسی اور شخص کا کسی بھی طرح کا تصرف ان مچھلیوں پر جائز نہیں۔

لیکن خود اس شخص کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ ان حوض یا تالاب کی مچھلیوں کو نکالنے سے پہلے پانی کے اندر ہی کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے یا معاوضہ لیکر کسی اور کو ان مچھلیوں کے شکار کا ٹھیکہ دے۔ کیونکہ یہ صورت اگرچہ "بیع مالیس عندک" کو متضمن نہیں ہے، مگر غرر سے خالی نہیں اور عجز من التسلیم کو متضمن ہے۔

البتہ اگر اس طرح کے نجی تالاب یا حوض اتنے چھوٹے ہیں کہ مچھلیاں نظر آتی ہوں اور بغیر حیلہ کے انہیں پکڑا جا سکتا ہے تو پھر ان مچھلیوں کی بیع پانی کے اندر بھی درست اور جائز ہوگی، تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح القدیر ۶/۴۹)، نیز اس بحث کے لئے "مغنی مع الشرح الکبیر" (۴/۱۸۱) کو بھی دیکھا جائے۔

"پانی کے اندر کی مچھلی کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ تین شرطیں پائی جائیں: ایک یہ کہ مملوک ہو، دوسرے یہ کہ پانی رقیق ہو جس کی وجہ سے اندر کی مچھلی کا دیکھنا اور سمجھنا ممکن ہو، تیسرے یہ کہ اس کا شکار اور اس کا حاصل کرنا بآسانی ممکن ہو۔

جب یہ تینوں شرطیں پائی جائے گی تو فروخت درست ہوگی اور اگر ایک شرط بھی کم ہوئی تو جائز نہیں" (المغنی مع الشرح الکبیر ۴/۱۸۱)۔

۴- ایسے حوض یا تالاب جو مچھلیاں پالنے کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں، بلکہ ان میں مچھلیاں از خود بارش وغیرہ کے پانی کے ساتھ آجاتی ہیں وہ تالاب یا حوض، خواہ نجی اور شخصی ملکیت کے ہوں یا عوامی، ان میں پائی جانے والی مچھلیاں کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں، ایسی مچھلیوں کا پانی میں رہتے ہوئے بیچنا درست نہیں ہے اور نہ ایسے تالاب یا حوض کو ٹھیکہ پر دینا ہی جائز ہے۔

البتہ اگر نجی اور شخصی حوض جن میں مچھلیاں از خود آ گئی ہیں اگر ان کا مالک مچھلیوں کے آنے کے بعد ان کو روکنے کا بندوبست کرتا ہے تو پھر وہ ان کا مالک ہو جائے گا، اب اگر وہ حوض یا

تالاب اتنا چھوٹا ہے کہ ان میں مچھلیوں کی مقدار مجہول نہ رہ جائے اور بغیر حیلہ اصطیاد کے ان مچھلیوں کو مشتری کے حوالہ کرنا آسان ہو تو پھر ان حوض یا تالاب کی مچھلیوں کی بیع قبل الاصطیاد درست ہوگی۔

اور اگر وہ بھی حوض یا تالاب بڑے ہیں جن میں مچھلیوں کی مقدار معلوم نہ ہو سکے اور بغیر حیلہ اصطیاد (شکار کی تدبیر کے بغیر) انہیں مشتری کے حوالہ بھی نہ کیا جا سکے تو قبل اصطیاد (شکار سے قبل) ان کو بیچنا درست نہیں ہوگا (فتح القدیر ۶/ ۹۰ - ، بزازیہ ص ۱۰۰)۔

☆☆☆

شکار سے قبل مچھلیوں کی خرید وفروخت

مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی

"بیع کے چند مسائل" کے تحت شکار سے قبل مچھلیوں کی خرید وفروخت اور اس سلسلہ میں ندی، نالے، تالاب وغیرہ کے اجارہ اور ٹھیکہ سے متعلق سوالنامہ پر کتب حدیث وفقہ وفتاویٰ کی تصریحات کی روشنی میں غور وخوض کے بعد جو باتیں سمجھ میں آئیں وہ عرض ہیں:

۱- میں عدم جواز کا فتویٰ دینا چاہئے، کسی غلط یا حرام شی کا مانع ہو جانا کوئی شرعی حجت نہیں ہے، جب یہ ندی، نالے اور نہریں کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں، بلکہ سرکاری ہیں تو وہ اصلاً وقف عام اور مباح الاصل کے قبیل سے ہوئے، لہٰذا ان کے اندر کوئی شخص بیع وتملیک وغیرہ تصرفات کا شرعاً مجاز نہیں: "قال ابن قدامة: الأنهار النابعة في غير ملك كالأنهار الكبار لا تملك بحال ولا يجوز بيعها" (اعلاء السنن طبع قدیم ۱۴؍ ۱۲۲)۔

اسی طرح ان کی مچھلیاں بھی شکار سے قبل کسی کی مملوک نہیں، اس لئے ان کی بیع ازروئے شرع باطل ہوگی جو کسی حال میں بھی مفید ملک نہیں۔

"وفي البرجندي ذكره المصنف أن بيع السمك قبل أن يصطاد باطل، إن كان بالدراهم والدنانير، وفاسدا إن كان بالعرض" (مجموع الفتاویٰ ۲؍ ۱۳۰)۔

اسی طرح ان ندی، تالوں، نہروں کا اجارہ اور ٹھیکہ پانی سے مچھلیاں نکالنے کے لئے بھی مندرجہ ذیل تصریحات کی بنا پر درست نہیں، "درمختار" میں ہے:

علامہ شمس الدین السرخسی کی "المبسوط" میں ہے:

"کسی آدمی نے ایسی مچھلی فروخت کی جو کسی حظیرہ میں محصور ہے تو یہ بیع باطل ہے اور فقیہ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ بیع جائز ہے بشرطیکہ بائع نے مچھلی پکڑنے کے بعد حظیرہ میں چھوڑا ہو، کیونکہ اب چھوڑنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوگی گو اسے بدون شکار کے پکڑنے کی قدرت نہ ہو، لیکن ہمارا استدلال اس فتوے سے ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ان حضرات نے فرمایا ہے کہ جو مچھلی پانی کے اندر ہو اس کی بیع مت کرو، اس لئے کہ اس میں غرر اور دھوکہ ہے" (المبسوط للسرخسی ۱۳/۱۱-۱۲)۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلیؒ لکھتے ہیں:

"مچھلی کا شکار سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے، پس اگر اس کی بیع عرض و اسباب کے عوض میں ہوئی ہے تو فاسد ہے اور اگر دراہم و دنانیر کے عوض میں بیع ہوئی ہے تو باطل ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:

"وفی البرجندی ذکرہ المصنف أن بیع السمک قبل أن یصطاد باطل إن کان بالدراھم و الدنانیر، وفاسداً إن کان بالعرض"۔

(اور برجندی میں ہے مصنفؒ نے کہا ہے کہ شکار سے پہلے مچھلی کو بیچنا اگر دراہم ودنانیر سے ہو تو باطل ہے اور اگر عروض سے ہو تو فاسد ہے)۔

"ہدایہ میں ہے مچھلی کو شکار کرنے سے پہلے پانی میں بیچنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس چیز کی بیع ہے جس کی ملک ثابت نہیں، اسی طرح تالاب میں بھی مچھلی کو فروخت کر ڈالنا درست نہیں ہے، جبکہ بغیر شکار کے وہ پکڑی نہ جاسکتی ہوں، کیوں کہ تسلیم پر قدرت نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مچھلیاں پکڑ کے تالاب میں ڈالیں تو اگر تالاب سے بلا کسی مدد کے نکالی جاسکتی ہے تو یہ بیع جائز ہے، مگر اس صورت میں کہ مچھلیاں خود سے تالاب میں آئی ہوں، پھر ان کے واپس جانے کا راستہ روک دیا گیا ہو نا جائز ہے، کیونکہ ملک ثابت نہیں ہے اور دوسری جگہ

ہے: "اور جب مشتری مبیع فاسد پر قابض ہو جائے اور عقد میں دو عوض ہوں اور دونوں مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا۔ اور قیمت لازم ہوگی" اور دوسری جگہ ہے: "اور متعاقدین میں سے ہر ایک کو حق فسخ ہے۔ فساد کے دفع کرنے کے لئے۔ اور اگر مشتری نے بیچ ڈالا تو بیع نافذ ہوگی، کیونکہ وہ اس چیز کا مالک تھا تو تصرف کا بھی مالک تھا اور حق استرداد ساقط ہو جائے گا۔

اور "درمختار" میں ہے: "اور مالک ہونے کے بعد اس کے لئے پانچ کے سوا اور سب احکام ملک ثابت ہوں گے: اسے اکل، لبس، وطی جائز نہیں، اور بائع کے ساتھ اس کی شادی کرنا، اور پڑوسی کو شفعہ کا حق حاصل نہ ہوگا"۔ (جوہرہ) اور شرح مجمع میں ہے: اور اسے خود بھی شفعہ کا حق حاصل نہ ہوگا یہ چھٹا استثناء ہے" (مجموعۃ الفتاوی ۲۰۰/۲)۔

۳- کے جواب میں عرض ہے کہ مذکورہ بالا صورت معاملہ، یعنی ندی، تالوں کی مچھلیاں بدون شکار فروخت کرنا یا ٹھیکہ پر دینا، بربناء عدم ملک گو شرعاً ناجائز اور باطل ہے، لیکن چونکہ وہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں انہیں کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے انہیں میں ٹھیکیدار اور مشتری وغیرہ بھی ہیں، لہٰذا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان شخص کا ایسی مچھلی کو خریدنا جائز ہے، شامی میں ہے:

"لاشتراک الناس فیه اشتراک إباحة لا ملک، ولأنه لا یحصل للمشتری فیه فائدة، لأنه یتملکه بدون بیع" (ردالمحتار ۱۵۲/۴)۔

"وحمل فعل المسلم علی الصحة والحل واجب ما أمکن، إلا أن تقوم البینة" (مبسوط ۱۶۵/۱۶)۔

(حتی الامکان مسلمان کے معاملہ کو درست اور حلال صورت پر محمول کرنا واجب ہے، الا یہ کہ معاملہ کا شرعاً نادرست ہونا دلیل سے ثابت ہو جائے)۔

"اعلاء السنن" میں ہے:

"امام ابویوسف اپنی کتاب "الخراج" میں فرماتے ہیں: پانی جب برتنوں میں ہو تو اس

کو فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ یہ پانی وہ ہے جسے بائع نے اپنے برتن کے اندر جمع اور ذخیرہ کیا ہے، لہذا ایسے پانی کو بیچنا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی نے حوض بنایا اور اپنے برتن سے پانی کھینچ کھینچ کر اس میں ڈالا یہاں تک کہ خاصا پانی اکٹھا ہوگیا، پھر اس حوض سے پانی فروخت کیا تو بر بناء احراز یہاں بھی بیع درست ہے، لیکن اگر پانی حوض کے اندر خود بخود سیلاب کی وجہ سے جمع ہوگیا ہے تو اس بیع میں ذرہ برابر بھی خیر نہیں ہے، اگر پانی کنویں یا چشمے میں ہے تو خواہ اس کا پانی بڑھتا رہتا ہو یا نہ بڑھتا ہو اس کی بیع میں بھی ذرہ برابر خیر نہیں، اگر کوئی بیچے تب بھی بیع جائز نہ ہوگی اور جو اس سے پانی کھینچے گا وہ اس کا پانی ہوگا، یعنی وہ اس کا مالک ہوگا'' (اعلاء السنن طبع قدیم ۱۴/۱۴۳)۔

۳- اس صورت میں مچھلیاں بائع کی مملوک ہیں، لیکن ان کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے یہ بیع ناجائز، یعنی فاسد ہوگی جو واجب الرفع ہے، لیکن بایں ہمہ اگر مشتری بائع کی رضامندی سے مچھلیوں پر قابض ہو جائے تو مالک ہو جاتا ہے اور اس مبیع میں مشتری کا تصرف جیسے ہبہ وغیرہ نافذ ہوگا اور کسی کے ہاتھ مشتری کا بیچنا بھی نافذ ہوگا، مگر مشتری کو اس مبیع کا کھانا درست نہیں، جیسا کہ نہایہ میں ہے: ''ہدایہ میں ہے جب مشتری مبیع فاسد پر قابض ہو جائے اور عقد میں دو عوض ہوں اور دونوں مال ہوں تو مشتری مبیع کا مالک ہو جائے گا اور قیمت لازم ہوگی اور دوسری جگہ یوں ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک کو حق فسخ ہے فساد کو دفع کرنے کے لئے اگر مشتری نے بیچ ڈالا تو اس کی بیع نافذ ہوگی، کیونکہ وہ اس چیز کا مالک تھا تو تصرف کا بھی مالک تھا اور حق استرداد ساقط ہو جائے گا'' (دیکھئے مجموعہ فتاویٰ مولانا محمد عبد الحی ۲/۱۰۰-۱۰۳ مطبوعہ مطبع قیومی کانپور)۔

۴- میں تفصیل ہے، یعنی اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) یہ کہ اگر یہ حوض و تالاب اسی لئے بنائے گئے ہوں کہ اس میں بارش وغیرہ کی وجہ سے مچھلیاں آکر محصور ہو جائیں تب تو اس صورت میں مچھلیاں مملوک ہوں گی، اب اگر انہیں بدون حیلہ شکار کے پکڑنا ممکن ہو تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ مملوک بھی ہیں اور مقدور التسلیم بھی، ورنہ غیر مقدور التسلیم ہونے کی بناء پر بیع

ناجائز ہوگی۔ (۲) چونکہ یہ حوض وتالاب اس لئے نہیں بنائے گئے تھے کہ بارش وغیرہ کی وجہ سے ان میں مچھلیاں آکر محصور ہو جائیں تو گویا ان میں مچھلیاں آگئی ہوں، لیکن چونکہ حوض اور تالاب والے قطعاً ان کے مالک نہیں ہیں، اس لئے عدم ملک کی بناء پر بیع ناجائز ہوگی۔

شامی میں ہے:

"والحاصل كما في الفتح أنه إذا دخل السمك في حظيرة، فإما أن يعدها لذلك أولا، ففي الأول يملكه، وليس لأحد أخذه، ثم إن أمكن أخذه بلا حيلة جاز بيعه، لأنه مملوك مقدور التسليم، وإلا لم يجز لعدم القدرة على التسليم، وفي الثاني لا يملكه، فلا يجوز بيعه لعدم الملك" (ردالمحتار ۴/۳۳)۔

تالاب کو ٹھیکہ پر دینے کا حکم:

اب رہ گیا اس حوض یا تالاب کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا، سو یہ بھی جائز نہیں، "درمختار" میں ہے: "ولم تجز إجارة بركة ليصاد منها السمك بحر" (حوالہ سابق)۔

☆☆☆

پانی سے مچھلیوں کو بغیر نکالے فروخت کرنا

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی ☆

ہمارے دیار میں پانی کے بہنے کی دو شکلیں ہیں: ندیاں، نہریں۔

۱- ندیاں قدرتی ہوتی ہیں، اس میں انسانی عمل کو کوئی دخل نہیں ہے اور وہ ہمیشہ یکساں راہ پر نہیں چلتی ہیں، کبھی کبھی اپنی جگہ تبدیل کرتی رہتی ہیں ان ندیوں میں جو پانی بہتا ہے وہ بھی قدرتی ہوتا ہے، کہیں وہ زمین کے چشموں سے ابلتا ہے اور کہیں وہ پہاڑ کے جھرنوں سے گرتا ہے، ان میں جو مچھلیاں ہوتی ہیں وہ بھی قدرتی ہوتی ہیں، ندیوں کا آخری سرا سمندر سے ملتا ہے سیلاب کے ساتھ مچھلیاں آتی جاتی رہتی ہیں ان میں مچھلیاں پالی نہیں جاتی ہیں، بلکہ اس کا امکان بھی نہیں ہوتا ہے۔

۲- یہ ندیاں سرکاری ملکیت تسلیم کی جاتی ہیں جس وقت ندیاں اپنی جگہ تبدیل کرکے کسانوں کی زمین میں اپنا راستہ بنا لیتی ہیں اس وقت بھی زمین کے جس حصے پر پانی بہتا ہے سرکار کی ملکیت تسلیم کی جاتی ہے۔

۳- ان ندیوں میں بہنے والا پانی مباح عام سمجھا جاتا ہے اس پر کسی حکومت کو اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان ندیوں کے پانی سے جو لوگ اپنی اراضی کی سینچائی کرتے ہیں کوئی حکومت ان سے اس پانی کی قیمت وصول نہیں کرتی ہے۔

۴- نہریں بھی سرکاری ملکیت ہیں حکومت کسانوں کی زمین کا معاوضہ دے کر نہریں

☆ قاضی شریعت امارت شرعیہ، پٹنہ۔

کھدوائی ہیں ان نہروں میں جو پانی بہتا ہے وہ بھی سرکاری ملکیت تصور کیا جاتا ہے، اس لئے کہ پانی اگرچہ مباح عام ہے، لیکن احراز سے اس میں ملکیت آجاتی ہے، اگر کسی نے اپنی کاشت کی زمین میں پانی گھیر رکھا ہے تو دوسرے کو حق نہیں ہے کہ اس پانی کو اپنے کھیت میں لے جائے یا اگر کسی نے اپنے برتن میں پانی محفوظ کرلیا وہ اس کا مالک ہوگا اور اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اسی طرح ان نہروں میں بہنے والا پانی قدرتی نہیں ہوتا ہے، بلکہ انسانی عمل کو اس میں دخل ہے خاص طریقہ سے ندیوں میں بند لگا کر حسب ضرورت موقع نہروں میں پانی لایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ندی کی طرح نہر میں پانی ہمیشہ نہیں بہتا ہے، بلکہ جب جب کاشت میں سینچائی کی ضرورت ہوتی ہے اس میں پانی لایا جاتا ہے اور جب پانی سرکار کی ملکیت ہے تو جو لوگ اس پانی سے اپنی اراضی کو سینچائی کرتے ہیں حکومت ان سے پانی کی قیمت وصول کرتی ہے ان نہروں میں پانی کے ساتھ مچھلیاں آجاتی ہیں۔

۵- نہروں میں پائی جانے والی مچھلیاں سرکار کی ملک نہیں تسلیم کی جاتی ہیں اسی وجہ سے کوئی حکومت نہ مچھلیوں کو فروخت کرتی ہے اور نہ مچھلی کا شکار کرنے کے لئے کرایہ پر نہریں دیتی ہے اور جو لوگ ان مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں حکومت کی طرف سے نہ تو اس کو شکار سے منع کیا جاتا ہے اور نہ اس پر ان سے کوئی معاوضہ لیا جاتا ہے۔

۶- ندی میں پائی جانے والی مچھلیاں سرکاری ملکیت ہوں گی یا نہیں؟ اس پر غور کی ضرورت ہے، میری ناقص رائے میں مچھلیاں کسی حکومت کی ملک تسلیم نہیں کی جائیں گی۔

اول: اس لئے کہ اگر ندی میں پائی جانے والی مچھلیاں سرکار کی ملک ہوتیں تو جس طرح ندی سے حکومت جب پانی نہر میں لاتی ہے اور احراز کی وجہ سے مالک ہوجاتی ہے، جب کہ ندی میں بہتے ہوئے اس پانی کی۔ لک حکومت نہیں تھی تو نہر میں آنے والی مچھلیوں کی مالک بھی حکومت بدرجہ اولی ہوتی۔ لیکن ابھی اوپر بحث گذری کہ نہر کی مچھلیاں سرکاری ملک نہیں سمجھی جاتی ہیں۔

دوم: اس لئے کہ آگے بحث آرہی ہے کہ جو گڈھے اور تالاب کسی کی ملک ہیں، لیکن اس نے ان کو مچھلی کے حصول کے لئے نہیں کھودا ہے تو سیلاب کے ساتھ پانی میں آنے جانے والی مچھلیاں احراز کے بغیر اس کی مالک نہیں ہوں گی تو ندیاں تو کھودی بھی نہیں گئی ہیں، بلکہ قدرتی ہیں اس لئے ان میں پائی جانے والی مچھلیاں کسی کی ملک نہیں ہونی چاہئے۔

سوم: اس لئے کہ حکومت ان ندیوں کو خاص موسم میں محدود جگہ تک ٹھیکہ داروں کو مچھلی کے شکار کے لئے دیتی ہے، اس موسم کے علاوہ دوسرے ایام میں اور ان محدود جگہوں کے علاوہ ان جگہوں میں جن کو کسی ٹھیکہ دار نے نہیں لیا ہے ندی میں مچھلی کے شکار کو منع نہیں کیا جاتا ہے اور نہ حکومت شکار کرنے والوں سے کوئی معاوضہ لیتی ہے۔

اس لئے میری ناقص رائے ہے کہ ندی میں پائی جانے والی مچھلیاں کسی حکومت کی ملک نہیں ہوں گی۔

۷- اس بحث کی روشنی میں یہ طے کرلینا مشکل نہیں رہا کہ ندی کی مچھلیوں کی بیع جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ بیع "مالا یملک" ہے، جس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

۸- اگر ندی کی مچھلیاں سرکاری ملک سمجھی جائیں تو بھی ان کی بیع صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مبیع مجہول ہے اور غیر مقدور التسلیم بھی ہے اور ایسی بیع فاسد ہوتی ہے۔

۹- ان دونوں صورتوں میں ٹھیکہ دار شکار کے بعد ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، اگر مچھلیاں سرکاری ملک نہ ہوں تو ظاہر ہے مباح عام ہوں گی، اور جو بھی شکار کرے گا مالک ہو جائے گا تو ٹھیکہ دار بھی مالک ہوگا۔

اور اگر مچھلیاں سرکاری ملک ہوں تو بیع فاسد ہوں گی اور بیع فاسد اگر چہ واجب الفسخ ہے، لیکن اگر فریقین بیع کو فسخ نہ کریں اور مشتری بائع کی اجازت سے مبیع پر قابض ہو جائے تو مالک ہو جائے گا اور اس کو فروخت کرنا اور ہبہ کرنا بھی جائز ہوگا، اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے:

(الموسوعۃ الفقہیہ ۹/ ۱۰۰، ہدایہ ۳/ ۴۶، البحر الرائق ۶/ ۵۵)۔

۱۰۔ آج کل عام طور پر ندی نالوں میں مچھلیاں فروخت نہیں کی جاتیں بلکہ ندی نالے مچھلیوں کے شکار کے لئے اجارہ پر دیئے جاتے ہیں۔

۱۱۔ اجارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے، اس لئے اجارہ کی وہ تمام صورتیں جن میں عین کا استہلاک ہو فقہاء ان کو ممنوع قرار دیتے ہیں مثلاً چراگاہ کا اجارہ مویشی کے چرانے کے لئے یا کسی جانور کا اجارہ دودھ حاصل کرنے کے لئے ان میں چونکہ عین کا استہلاک ہے اس لئے یہ اجارہ فاسد ہے۔

۱۲۔ چونکہ آج کل ندی نالوں کو مچھلی کا شکار کے لئے اجارہ پر دینے کا عام رواج ہو چکا ہے اور قواعد فقہیہ کی رو سے اس کو صحیح نہیں ہونا چاہئے لیکن میرے خیال میں اگر حضرت عمر بن الخطابؓ کی طرف منسوب اس قول کی وجہ سے جس کو علامہ ابن نجیم مصری نے امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" سے نقل کیا ہے اس اجارہ کی اجازت دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ (بحرالرائق ۶/۷۹-۸۰)۔

اسی عبارت کو بحر سے علامہ ابن عابدین شامی نے "ردالمحتار" اور "منحۃ الخالق" میں نقل کیا ہے اور عام قواعد فقہیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی دونوں نے اپنی رائے اس کے خلاف دی ہے، لیکن ابتلاء عام کی وجہ سے میری رائے ہے کہ اس کو صحیح قرار دیا جائے۔

۱۳۔ بہر حال اجارہ صحیح ہو یا فاسد ٹھیکیدار قبضہ کے بعد ان مچھلیوں کا مالک ہوگا اور اس کی بیع صحیح قرار دی جائے گی اس قسم کی مچھلیوں کو خریدنا اور کھانا جائز قرار پائے گا۔

حوض یا تالاب:

حوض اور تالاب کے سلسلے میں دو امور قابل بحث ہیں ملکیت اور بیع یعنی حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے، تو اس میں پائی جانے والی مچھلیاں اس کی ملک ہوں گی یا نہیں، پھر ان دونوں صورتوں میں ان کی بیع جائز ہوگی یا نہیں؟

ملکیت:

۱- حوض یا تالاب کو اس کے مالک نے مچھلی کے حصول کے لئے ہی تیار کیا ہے تو اس میں پائی جانے والی تمام مچھلیاں اس کی ملک ہوں گی۔

۲- اگر مالک حوض وتالاب اس غرض کے لئے تیار نہیں کیا تھا اور مچھلیاں سیلاب کے پانی کے ساتھ از خود اس میں داخل ہوئیں اور صاحب حوض وتالاب نے بند باندھ کر ان مچھلیوں کو تالاب یا حوض میں محفوظ کر دیا تو اس صورت میں بھی وہ مچھلیوں کا مالک ہوگا۔

۳- مالک حوض وتالاب نے شکار کر کے یا خرید کر مچھلیاں اس میں ڈالا ہے تو بھی وہ ان کا مالک ہوگا۔

۴- اگر مالک نے حوض وتالاب کو اس غرض کے لئے مہیا نہیں کیا ہے اور از خود اس میں مچھلیاں کہیں سے آگئی ہیں اور اس نے مچھلیوں کی آمد ورفت پر بند لگا کر ان کو محفوظ نہیں کیا ہے تو اس صورت میں وہ مچھلیوں کا مالک نہیں ہوگا اور اس کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ دوسروں کو شکار سے منع کرے۔

اس کی مثالیں فقہی مسائل میں موجود ہیں:

۱- اگر کوئی شخص جال خشک کرنے کے لئے پھیلائے اور اس میں کوئی شکار پھنس جائے تو وہ احراز کے بغیر صرف جال میں پھنس جانے کی وجہ سے مالک نہیں ہوگا، دوسرے کے لئے جائز ہوگا کہ اس کو پکڑ لے۔ اور اگر اس نے جال شکار کے لئے پھیلا دیا ہے تو شکار پھنس جانے پر ہی اس کی ملکیت میں آجائے گا اور دوسرے کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ اس کو حاصل کر سکے۔

۲- مجلس میں چھوہارے یا روپئے لٹائے جا رہے ہوں تو اگر کوئی شخص ان چھوہاروں اور روپیوں کے حصول کے لئے اپنا دامن پھیلائے تو دامن میں گرنے والے روپیوں اور چھوہاروں کا مالک ہو جائے گا اور کسی دوسرے کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے دامن اس غرض سے نہیں پھیلایا تھا تو دامن میں پڑنے والے روپیوں اور چھوہاروں کا مالک وہ نہیں ہوگا

جب تک کہ اس کی طرف سے احراز واستملاک نہ پایا جائے، احراز سے قبل دوسرے کے لئے جائز ہوگا کہ اس کے دامن سے روپیہ اور پھوار بے لے لے۔

۱- جن صورتوں میں، مالک حوض مچھلیوں کا مالک نہیں ہے اگر اس نے اپنے حوض و تالاب کی مچھلیاں شکار کرنے سے قبل تالاب ہی میں فروخت کردیں تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی، بلکہ باطل ہوگی، اس لئے کہ یہ "بیع ما لا یملک" ہے جو صحیح نہیں ہے۔

"نص الفقهاء على أن من شروط انعقاد البيع أن يكون المبيع مملوكا للبائع أو مؤكله أو موليه" (موسوعہ فقہیہ ۹/۱۵۸)۔

۲- بیع باطل بیع ہی نہیں ہوتی ہے، اس لئے فریقین کو قبضہ کے بعد بھی ملکیت حاصل نہیں ہوتی ہے، یعنی نہ تو بائع ثمن کا مالک ہوگا اور نہ مشتری مبیع کا مالک ہوگا۔

"لا ينعقد البيع الباطل أصلا وليس له وجود معتبر شرعا، وإذا قبض المشتري المبيع فلا يكون ملكا له، وقال الكاساني: ولا حكم لهذا البيع أصلا، لأن الحكم للموجود ولا وجود لهذا البيع إلا من حيث الصورة الخ" (موسوعہ فقہیہ ۹/۱۲۵)۔

"شامی، بحر، بدائع" اور فقہ وفتاویٰ کی تقریبا تمام ہی کتابوں میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

۳- اس مسئلہ خاص میں کہ مالک حوض و تالاب نے غیر مملوک مچھلیاں تالاب میں فروخت کی ہیں، بیع کے باطل ہونے کا اثر صرف ثمن پر ہوگا، یعنی بائع اس ثمن کا مالک نہیں ہوگا اور ثمن میں اس کا کسی طرح تصرف کرنا صحیح نہیں ہوگا، لیکن خریدار بہر حال مچھلیوں کا مالک ہوگا، اس لئے کہ اس نے مباح الاصل شیٔ کا شکار کیا ہے، اور جس طرح کوئی دوسرا شخص ان مچھلیوں کا شکار کرنے کی وجہ سے ان کا مالک ہوتا اسی طرح یہ مشتری بھی مالک ہو جائے گا، اور مچھلیوں میں اس کا تصرف بالکل جائز اور حلال ہوگا۔

۴- جن صورتوں میں مالک حوض و تالاب مچھلیوں کا مالک ہے اگر تالاب ہی میں اس نے مچھلیاں فروخت کردی ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں:

اول: یہ ہے کہ وہ حوض یا تالاب اتنا چھوٹا ہے کہ شکار یا کسی بھی حیلہ کے بغیر بآسانی اس کی مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہیں تو اس صورت میں بلاشبہ بیع صحیح ہوگی۔

دوم: یہ ہے کہ وہ حوض یا تالاب اتنا بڑا ہے کہ آسانی کیساتھ شکار کئے بغیر ان مچھلیوں کا حصول ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں بیع فاسد ہوگی، کیونکہ مبیع مقدور التسلیم نہیں ہے تفصیل کے لئے دیکھئے: (موسوعہ فقہیہ ۹/ ۱۶۴-۱۶۵)۔

۵- یہ بیع واجب الفسخ ہے، لیکن اگر فریقین نے فسخ نہیں کیا تو قبضہ کے بعد ملکیت آجائے گی، یعنی بائع ثمن کا مالک ہوگا، اور مشتری مبیع کا مالک ہوگا عبارتیں اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔

یہ تفصیلات علامہ ابن ہمام کی "فتح القدیر" اور علامہ بابرتی کی "عنایہ" سے ماخوذ ہے ملاحظہ ہو: (فتح القدیر ۶/ ۲۰۹-۲۱۰، العنایہ للبابرتی علی ہامش فتح القدیر ۶/ ۲۰۹-۲۱۰)۔

۶- حوض یا تالاب کی مچھلیوں کو فروخت کرنے کا حکم اوپر مذکور ہوا، البتہ ان کو مچھلی کے شکار کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں عین کا استہلاک ہے، البتہ مچھلی کی افزائش یا مکھانہ کی کاشت یا کسی دوسرے غرض کے لئے اجارہ پر دینا جس میں عین کا استہلاک نہ ہو جائز ہوگا، پھر جب اجرت پر لینے والا اس میں مچھلی کی بیج ڈال کر اس کی پرورش کرے گا، اگر اس میں ازخود کچھ مچھلیاں باہر سے آجائیں تو ان کا بھی مالک ہوگا جس طرح کوئی شخص خودرو گھاس کا مالک نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ گھاس کی کاشت کرے تو اس کے ساتھ خودرو گھاس کا بھی مالک ہو جائے گا۔

☆☆☆

تالاب میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

۱- موجودہ دور میں سرکاری تالاب یا ندی نالے کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کا جو رواج مچھلیوں کے نکالے بغیر ہوگیا ہے بلاشبہ یہ رواج اور عرف اصول شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے اور فتویٰ عدم جواز پر دیا جائے گا؛ کیونکہ یہ عرف ایسے اصول شرع سے متصادم ہے جو نصوص شرعیہ پر مبنی ہیں، اس کے علاوہ اس طرح کی مچھلیوں کی بیع وشراء کی ممانعت پر نص شارع موجود ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے:

"أن رسول الله ﷺ قال: لا تشتروا السمک في الماء، فإنه غرر" (مجمع الزوائد [illegible])۔

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مچھلی کو پانی میں نہ خریدو اس لئے کہ اس میں غرر ہے)۔

اسی طرح کی ایک روایت علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں نقل کی ہے جو حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے:

"لا تبایعوا السمک في الماء، فإنه غرر" (فتح القدیر [illegible])۔

(پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت نہ کرو اس لئے کہ اس میں غرر ہے)۔

ان روایات میں جو "غرر" کا لفظ آیا ہے اس کی وضاحت فقہاء نے یہ کی ہے کہ یہ

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

سے مراد غیر محصور ماء ہے، البتہ اگر محصور ماء ہو یعنی پانی اس طرح محصور ہو کہ اس سے مچھلیوں کا پکڑنا آسان ہو۔ مثلاً چھوٹا تالاب ہو یا گڈھا ہو تو ان تالابوں اور گڈھوں میں موجود مچھلیوں کی بیع حنفیہ وشوافع کے نزدیک درست ہے۔

''اس پانی سے مراد جس میں کہ مچھلی کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے غیر محصور پانی ہے، جیسے سمندر اور نہر کا پانی اور اگر پانی محصور ہو، جیسے کہ تالاب کا پانی تو حنفیہ اور شوافع کا خیال ہے کہ اگر اس میں مچھلیوں کا پکڑنا بغیر شکار کئے اور بغیر کسی تدبیر کے ممکن ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے'' (بدائع الصنائع ۵ر ۲۱۵)۔

یہاں جو سوال کیا گیا ہے وہ ماء غیر محصور سے متعلق ہے، اسی طرح علامہ ابن ہمام نے روایات کے اندر مذکور لفظ ''غرر'' کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''ومعلوم أن الأجمة قد يؤخذ منها السمک باليد، والغرر الخطر وغير المملوک علی خطر ثبوت الملک و عدمه، فلذا جعل من بيع الخطر''

(اور یہ معلوم ہے کہ جھاڑیوں سے مچھلیاں ہاتھ سے پکڑی جاتی ہیں اور غرر در اصل خطر اور غیر مملوک کے ثبوت وعدم ثبوت کا خطر ہے، اسی وجہ سے اسے بیع علی خطر کے قبیل سے مانا جاتا ہے)۔

اور بیع علی الخطر کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں کہ حضور ﷺ نے ان تمام اشیاء کی خرید وفروخت سے منع فرمادیا جن میں غرر پایا جاتا ہو یا معاملہ علی خطر ہو۔

غرض کہ شکار کئے بغیر مچھلیوں کی خرید وفروخت کا جو رواج موجودہ دور میں ہو گیا ہے وہ نصوص شرعیہ میں ممانعت کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے اور فتویٰ عدم جواز پر ہوگا۔ نیز عرف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ عرف نص شارع کے خلاف ہے اور فقہاء نے صراحت کردی ہے کہ جو عرف نص شارع کے خلاف ہو وہ غیر معتبر ہوگا، علامہ سرخسیؒ نے ''مبسوط'' میں صراحت کی ہے:

"کل عرف ورد النص بخلاف فهو غیر معتبر" ([illegible] ۱۲/۱۹۶)۔

(ہر وہ عرف جس کے خلاف نص وارد ہو غیر معتبر ہے)۔

۲- ان تالابوں یا ندی نالوں سے حاصل کی ہوئی مچھلیوں کی فروخت ٹھیکہ داروں کے لئے اسی طرح ان کی خریداری کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز اور درست ہے، کیونکہ ٹھیکہ داروں کے لئے اس طرح کے تالاب یا ندی نالوں کو ٹھیکے پر لینا اگرچہ صحیح نہیں ہے، تاہم جو مچھلیاں انہوں نے حاصل کی ہیں عام اصول شرع کی بنیاد پر ان کا حصول مباح ہے اور ان پر ملکیت ہو گئی ہے، لہذا اس میں خرید و فروخت بھی بلا کسی تردد کے درست ہے۔

۳- حوض عام طور پر چھوٹا ہوتا ہے، اس لئے حوض اور چھوٹے تالاب کی مچھلیوں کی خرید و فروخت مچھلیوں کے نکالنے سے قبل درست ہے، کیونکہ ان حوض اور چھوٹے تالاب سے مچھلیوں کا نکالنا اور پکڑنا ممکن ہوا کرتا ہے جو مقدور التسلیم کے حکم میں ہے، علامہ ابن ہمام نے "فتح القدیر" میں وضاحت کی ہے:

"ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة و صطياد جاز بيعه؛ لأنه مملوك مقدور التسليم مثل السمكة في حب"

(پھر اگر بغیر حیلہ و شکار کے ان مچھلیوں کا حاصل کرنا ممکن ہو تو اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ یہ مملوک بھی ہے اور مقدور التسلیم بھی جیسے کہ کسی بڑے گھڑے کی مچھلیاں ہوں گی)۔

لیکن تالاب اگر بڑا ہو اور اس میں مچھلیاں آسانی سے گرفت میں نہ آتی ہوں تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع جائز نہیں ہے۔

"وإن لم يؤخذ إلا بحيلة لا يجوز لعدم القدرة على التسليم عقيب البيع" (فتح القدیر ۶/۹۰، ۲۰۰۳ء)۔

اور اگر کسی حیلہ و تدبیر ہی سے مچھلیاں حاصل ہو سکیں تو بعد بیع ان کے سپرد کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز نہیں۔

۴- حوض یا تالاب میں جو مچھلیاں پالے بغیر جمع ہو جاتی ہیں ان مچھلیوں کی خرید وفروخت کے سلسلے میں دیکھا جائے گا کہ اگر حوض یا تالاب کو اسی مقصد کے لئے تیار کیا ہے کہ مچھلیاں ان میں داخل ہو جائیں اور مچھلیوں کے داخل ہونے کے بعد مدخل کو بند کردیا ہو تو ان پر مالکان تالاب وحوض کی ملکیت ہو گیا، اگر ان کو پکڑنا ممکن ہو تو ان کی خرید وفروخت جائز ہے، علامہ عینی نے "ہدایہ" کی عبارت:

"إلا اجتمعت فيها بأنفسها ولم يسد عليها المدخل" کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: "لو سد موضع الدخول حتى صار بحيث لا يقدر على الخروج فقد صار أخذا له بمنزلة ما وقع في شبكة، فيجوز بيعه" (بنایہ کتاب البیوع)

مگر یہ کہ مچھلیاں خود ہی اس میں جمع ہو جائیں اور اس کے مدخل بند نہ کیا ہو اور اگر مچھلیوں کے داخل ہونے کی جگہ کو اس طرح بند کردیا ہو کہ مچھلیاں داخل ہونے کے بعد نکل نہیں سکتیں تو گویا کہ اس نے مچھلیاں حاصل کرلیں، پس اسی طرح جس طرح کہ مچھلیاں جال میں ہو، لہٰذا ایسی صورت میں بیع درست ہے۔

اسی طرح اس طرح کے حوض اور تالابوں کو ٹھیکہ پر دینے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان میں مالک کا بھی وجود پایا جاتا ہے اور مچھلیاں مقدور التسلیم بھی ہوا کرتی ہیں۔

☆☆☆

پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت کا مسئلہ

مولانا محمد حنیف ☆

زمین کی طرح تالاب کی بھی تین قسمیں ہیں:

۱- شخصی

۲- عوامی جس سے ضروریات عامہ وابستہ ہوں۔

۳- عوامی جس سے ضروریات وابستہ نہ ہوں۔

شخصی تالاب:

اس میں پائی جانے والی مچھلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱- مملوک

۲- غیر مملوک

تالاب میں جو مچھلیاں پائی جاتی ہیں ان کے مملوک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱- مچھلیوں کو پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں ڈال دیا ہو ۲- مچھلیوں کے لئے تالاب کو تیار کیا ہو، خواہ اسی لئے نیا تیار کیا ہو، یا پرانا ہو، لیکن اس میں مچھلیوں کی رہائش کے لئے کچھ عمل کیا ہو، مثلاً مٹی نکال دی ہو، آنے کا راستہ بنایا ہو ۳- آنے کے بعد راستہ بند کردیا ہو، یعنی پہلے سے نہ تو مچھلی ڈالی اور نہ ہی اس کے لئے تیار کرایا، بلکہ جب مچھلیاں آگئی ہوں تو جانے کا راستہ بند کردیا

☆ مدرسہ ریاض العلوم، گوریا، جونپور۔

ہو، مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت پائی جائے تو مچھلیاں مملوک ہو جائیں گی۔ بغیر اسکی اجازت کے مچھلیوں کے پکڑنے اور شکار کرنے کا اختیار کسی کو نہ رہے گا، اگر پکڑے گا تو غصب ہونے کی بناپر ضمانا اس کے اوپر اس کی قیمت لازم ہوگی، تالاب میں جو مچھلیاں مملوک ہیں ان کی بیع کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بغیر کسی حیلہ کے ان مچھلیوں کو پکڑا جا سکتا ہے تو بیع جائز اور درست ہے، اگر بغیر حیلہ کے پکڑنا ناممکن ہو تو غرر انفساخ عقد مبیع کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی بناء پر بیع باطل ہے۔

حیلہ:

اس میں بھی وہی گھاس والا حیلہ اختیار کیا جا سکتا ہے، صاحب تالاب صرف تالاب کو سنگھاڑا وغیرہ لگانے کے لئے اجارہ پر دیدے اور مچھلیوں کو مباح کردے اس صورت میں جو پیسہ لے گا وہ تالاب کے اجارہ کا مالک ہوگا، اس حیلہ کے اختیار کرنے میں کوئی قباحت بھی معلوم نہیں ہوتی ہے۔

مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے، یعنی نہ تو مچھلی کو ڈالا ہو اور نہ مچھلی کے لئے بنایا ہو، اور نہ ہی آنے کے بعد راستہ بند کیا ہو، بلکہ از خود آ کر رک گئی ہوں تو ایسی مچھلیاں مملوک نہیں ہوتی ہیں۔ بلکہ ایسی مچھلیاں گھاس پانی وغیرہ کی طرح مباح الاصل ہیں جو پکڑ لے اس کی مملوک ہیں، اس لئے بغیر پکڑے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ بغیر پکڑے مملوک نہ ہونے کی بناپر بیع باطل ہوگی۔

مباح الاصل ہونے کی بناپر سب کو شکار کرنے کا اختیار رہے گا کسی کو روکنا جائز نہیں۔ البتہ صاحب تالاب کو اپنے تالاب میں داخل ہونے سے روکنے کا اختیار رہے گا۔

اس لئے جب تک کسی قریبی جگہ میں اس کو مفت مچھلی شکار کرنے کا اختیار ہے تو منع کرنے کا حق ہوگا اور اگر قریبی جگہ میں کوئی ایسا تالاب نہ ہو، جس سے مفت مچھلی شکار کرنے کا اختیار ہو تو صاحب تالاب سے کہا جائے گا، خود نکال کردے، یا پھر شکار کرنے کی اجازت

دیے۔ غیر مملوک مچھلی اگر صاحب تالاب کی زمین میں بغیر دخل ہوئے کوئی شخص شکار کرے تو صاحب تالاب کو شکار سے روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا، کیونکہ جو مچھلیاں مملوک نہیں ہوتی ہیں اس میں سب مشترک ہوتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: ہدایہ ۱/۱۰۶-۳۹۵، بحرالرائق ۶/۷۷، شامی ۴/۱۰)۔

۲- عوامی تالاب:

وہ تالاب جس سے لوگوں کی بنیادی ضرورتیں وابستہ ہوں، مثلاً آبپاشی وغیرہ تو اس تالاب میں بھی امام وحاکم کو ایسے تصرف کی اجازت نہ ہوگی جس سے لوگوں کو حرج وتنگی ہو، مثلاً تالاب کسی کو مچھلی پالنے کے لئے مخصوص کرنا کہ اس صورت میں جس کے نام تالاب مخصوص ہے وہ لوگوں کو آبپاشی سے منع کرے گا، حالانکہ پانی مباح الاصل ہے، جس سے روکنے کا نہ تو امام وحاکم کو اختیار ہے ورنہ ہی کسی دوسرے کو اپنے لئے مخصوص کراکے دوسرے کو انتفاع سے روکنا جائز نہیں (دیکھئے: ہدایہ ۱۱/۲۳۰)۔

اس میں پائی جانے والی مچھلیاں مباح الاصل ہیں جس میں سب کا حق برابر ہوتا ہے، کسی کو شکار کرنے سے روکنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کسی شخص نے ایسے تالاب میں ڈالی ہو، یا اس کا راستہ روک دیا ہو کہ مچھلیاں نکلنے نہ پائیں، یا تالاب میں مچھلیوں کے رہنے اور ان کے آنے کے لئے کچھ عمل کیا ہو تو وہ مچھلیاں اس کی مملوک ہوں گی، لیکن اگر اس کی مملوک مچھلیوں کے رہنے سے لوگوں کو حرج وتنگی ہو تو ان کے لئے اس شخص کو مجبور کرنا جائز ہے کہ وہ اپنی مچھلیاں نکال کر تالاب کو خالی کرے گا اور اگر خالی نہ کرے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، مچھلیوں میں کوئی قباحت نہ آئے گی، کیونکہ مچھلیوں کی پرورش مباح الاصل پانی اور مٹی سے ہوئی ہے، اس لئے مچھلیوں میں کوئی قباحت نہ ہوگی، البتہ لوگوں کو حرج وتنگی میں مبتلا کرنا جائز نہ ہوگا۔

سرکاری تالاب:

وہ تالاب جس سے لوگوں کی ضرورت خواہ کسی وجہ سے بھی متعلق نہ ہو، یعنی لوگ اس

سے آبپاشی وغیرہ نہ کرتے ہوں تو اس کا حکم ارض موات کا ہے اور حاکم کو عوامی مصلحت کے مطابق اس میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہوگا کہ لوگوں کو ٹھیکے پر دے وغیرہ۔

"وللامام أن يقطع كل موات و كل ما كان ليس لأحد فيه ملك وليس في يد أحد يعمل فيه ذلك بالذي يرى أنه خير للمسلمين وأعم نفعاً"

(کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۶)۔

اس تالاب کو مخصوص کرا کر مچھلیوں کا پالنا جائز ہے۔ البتہ اگر اس میں مچھلیاں مملوک نہ ہوں، یعنی نہ تو پالی گئی ہوں اور نہ روکی گئی ہوں اور نہ ہی ان کے رہنے کے لئے تالاب میں پہلے سے کچھ عمل کیا گیا ہو تو مچھلیاں مباح الاصل ہیں، اس میں سب کا حق برابر ہے کسی کو منع کرنے کا اختیار نہیں، لیکن ٹھیکہ پر لینے کے بعد اس تالاب میں داخل ہونے سے روکنے کا حق ہوگا بشرطیکہ اس سے لوگوں کی لابدی ضرورت، مثلاً جانور کو پانی پلانا نہلانا وغیرہ متعلق نہ ہو۔

جواب (۱):

نوٹ: بڑے تالاب وندی وغیرہ جس کی مچھلیاں مملوک نہیں ہوتی ہیں ان مچھلیوں کو حاصل کرنے کے لئے سرکار سے تالاب کی زمین کا ٹھیکہ لے تو اس حیلہ سے تالاب وندی کو ٹھیکے پر لینا جائز ہوگا، لیکن دوسرے لوگوں کو مباح الاصل مچھلیوں کے شکار سے روکنے کا حق نہ ہوگا۔ جو شکار کرے اس کی ہوگی، اگر روکے گا تو ایسا کرنا جائز نہیں، جو مچھلیاں اس سے خود شکار کرے گا وہ تو اس کی مملوک ہوں گی اس کی خرید وفروخت میں کوئی قباحت نہیں، اور اگر ایسے تالاب وندی سے مچھلیوں کا شکار کسی دوسرے شخص سے اجرت دے کر کرائے تو اس صورت میں اجارہ فاسد ہے، مچھلیاں شکار کروانے والوں کو دیتے ہیں تو دینے کے بعد وہ اس کے مالک ہو جائیں گے، پھر ان سے خریدنا بیچنا جائز ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ مباح الاصل چیزوں کے حصول کے لئے کسی کو وکیل بنانا، خواہ اجرت پر وکالت ہو، یا بغیر اجرت کے یہ وکالت درست ہے، وکیل جو

حاصل کرے گا وہ موکل کی ہوگی لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکالت درست نہیں، اس لئے وہ مباح الاصل چیز جس کو وکیل نے حاصل کیا اسی کی مملوک ہوگی موکل کا اس میں کوئی حق ہوتا

(تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۸۹ -- ۹۰)۔

جواب (۲):

حاصل یہ ہے کہ بڑے تالاب وندی سے جو مچھلیاں حاصل ہوتی ہیں، خواہ خود شکار کیا ہو یا کسی دوسرے سے کرایا ہو ان مچھلیوں کے مملوک ہوجانے کی بنا پر ان کی خرید وفروخت جائز ہے، کیونکہ اگر کسی دوسرے سے اجرت دے کر شکار کروایا تو شکار کرنے والا چونکہ برضا ورغبت مچھلیاں اس کے حوالے کر دیتا ہے، اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ مچھلیاں انتہاء شکار کرانے والے کی ملک ہو جاتی ہیں، اور حضرت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ درست ہونے کی بنا پر وہ مچھلیاں ابتداء ہی شکار کرانے والوں کی ہو جاتی ہیں اور ضرورۃً ائمہ ثلاثہ کے قول کو اختیار کیا جا سکتا ہے، اس لئے بڑے تالاب وندی سے حاصل ہونے والی مچھلیوں کی خرید وفروخت جائز ہے، کیونکہ مچھلیاں نتیجۃً شکار کرانے والوں کی مملوک ہوتی ہیں۔

جواب سوق:

بازار جن زمینوں میں لگتا ہے، دو طرح کی ہوتی ہیں:

۱۔ شخصی مملوکہ

۲۔ غیر شخصی جس پر حکومت کا بازار لگانے کے لئے استیلاء واحراز ہوتا ہے، شخصی زمین لگنے والے بازار کا حکم یہ ہے کہ جس کی زمین ہے وہ بازار کے لئے زمین کو اجارہ پر دیتا ہے، اس لئے اس کا نیلام لے کر بازار لگانے والوں سے اجرت وصول کرنا جائز ہے، کیونکہ اجرت زمین کی ہوگی۔

غیر شخصی بازار۔ حکومت نے جن زمینوں کو بازار کے لئے مخصوص کر دیا ہے اور اس کے حق اجارہ کا نیلام کرتی ہے کہ کوئی شخص زمین کو ٹھیکے پر لے کر بازار لگانے والوں سے اجرت وصول کرے، چونکہ استیلاء کی بنا پر اس کی مملوک ہو گئی ہے، اس لئے اس کا نیلام لے کر اجرت وغیرہ وصول کرنا جائز ہے، کیونکہ اجرت زمین کی ہوگی، مدت کی جہالت کی بناء پر اجارہ فاسدہ کا شبہ ہو سکتا ہے تو یہ عرف کی وجہ سے مندفع ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے رد المحتار ۵/۲۹)۔

مچھلیوں کی خرید و فروخت کے مروجہ نظام کی تحقیق:

تالاب کے ٹھیکہ کے جواز کی پوری تفصیل سے فارغ ہونے کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ مختصر طور پر مچھلیوں کی خرید و فروخت کے مروجہ صورت کی تحقیق ہو جائے تا کہ صحیح حکم واضح ہو سکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تالاب کی مچھلیاں دو طرح کی ہوتی ہیں: مملوک اور غیر مملوک۔

جواب نمبر (۴):

مملوک مچھلیوں کی خرید و فروخت کی چند صورتیں رائج ہیں:

۱- اس تالاب میں جتنی مچھلیاں ہیں سب کو اس تالاب کی اتنی مقدار معین مچھلیاں آپ کے ہاتھ میں نے اتنے روپے میں فروخت کیا، اتنے دن میں نکال لیجئے۔ یا میں نکال کر دیدوں گا۔ اس صورت میں اگر مچھلیوں کا بغیر حیلے کے پکڑنا ممکن نہ ہو تو مبیع کے مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی بنا پر اس طرح بیع کرنا بیع فاسد ہے۔

۲- اس تالاب میں سب مچھلیاں یا اتنے اتنے وزن کی اتنی مقدار معین مچھلیوں کو نکال لیجئے فی کلو یا فی من اتنے روپے قیمت ہوگی یا یہ کہ میں نکال کر دیدوں گا اور فی کلو یہ قیمت ہوگی۔

تو اس صورت میں اولاً مچھلیوں کے پکڑنے کی وکالت ہے، پھر بیع کا وعدہ ہے، لہٰذا یہ معاملہ اجارۃً بیع تعاطی بن کر درست ہو جائے گا، اس طرح بیع کرنا جائز ہے۔

غیر مملوک مچھلیوں کی خرید وفروخت:

اس سلسلے میں مچھلیوں کو پکڑنے کے لئے تالاب وغیرہ اجارہ پر لینا جائز ہے، لیکن زمین کے اجارہ کو حیلہ اختیار کرکے تالاب کا اجارہ پر دینا درست ہوگا۔ اور اس کی مچھلیاں اگر خود شکار کریگا تو اس کی مملوک ہوں گی، اور اگر دوسرے سے شکار کرائے گا تو پکڑنے والے کی مملوک ہوں گی، نہیں چونکہ پکڑنے والا اپنی رضامندی سے مچھلیاں دیدیتا ہے، اس لئے اس کے دینے کے بعد وہ مملوک ہو جاتی ہیں۔ نیز ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق پکڑنے والے کی مملوک ہوتی ہیں اور اس کا رواج بھی ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت غم کے باوجود جائز ہے، ائمہ ثلاثہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے۔

نوٹ: مارکیٹ میں جو مچھلیاں پہنچتی ہیں اکثر مملوک ہوتی ہیں، کیونکہ یا تو بیع فاسد کے ذریعے وہ مچھلیاں مارکیٹ میں آتی ہیں یا بیع صحیح کے ذریعے۔

اور چونکہ یقینی طور پر تحقیق نہیں ہوتی ہے، اس لئے اس کی خرید وفروخت بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر بیع فاسد کے ذریعے سے حاصل ہونا یقینی طور پر معلوم ہو تو خریدنا تو فی نفس کراہت سے خالی نہیں، لیکن اس کا استعمال طیب وحلال ہے (کما فی الشامیہ ص ۱۳۰) اور اگر بیع باطل کے ذریعے سے مچھلیوں کا حاصل ہونا معلوم ہو تو اس کی خرید وفروخت جائز نہیں، مگر کوئی علم نہ ہو تو جائز ہے۔

"لقول رسول اللہ ﷺ رفع عن امتی الخطاء والنسیان"

تحقیق واجب نہیں، البتہ از روئے تقویٰ اس احتراز محمود وپسندیدہ ہے۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت کا شرعی حکم

مولانا ابوبکر قاسمی ☆

تالاب کو ٹھیکہ پر دینا:

یہاں سب سے پہلا غور طلب امر یہ ہے کہ تالاب کو مچھلی پالنے کی غرض سے ٹھیکہ پر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

"لا تجوز إجارة الآجام والأنهار للسمک وغیره" (فتاوی عالمگیری [illegible]) (مچھلی وغیرہ (پالنے یا شکار کرنے) کے لئے نہروں اور تالابوں کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے)۔

اسی طرح "مبسوط سرخسی" میں مرقوم ہے:

"ولا یجوز إجارة الآجام والأنهار للسمک ولا لغیره، لأن المقصود استحقاق العین، ولأن السمک صید مباح، فکل من أخذه فهو أحق به" (مبسوط باب الإجارة الفاسدة ۱۶/ ۳۳)۔

نیز "تنویر الأبصار" کی شرح "الدر المختار" میں بھی مچھلی کے تالاب کو کرایہ پر دینے کا عدم جواز مکتوب ہے: "ولم تجز إجارة برکة لیصاد منها السمک" (الدر المختار مع [illegible])۔

☆ [illegible]

(مچھلی کا شکار کرنے کے لئے حوض کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے)۔

اجارہ کی تعریفات کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں عقد اجارہ عوض دے کر کسی چیز سے منافع حاصل کرنے کا نام ہے، اب ظاہر ہے کہ عقد اجارہ کی یہ تعریف جس طرح مکان و دوکان کے اجارہ پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح مچھلی پالنے کے لئے تالاب کو ٹھیکہ و اجارہ پر دینے پر بھی صادق آتی ہے، اس لئے بظاہر تالاب کے ٹھیکہ پر لینے یا دینے کو اجارہ کی تعریف سے خارج کرنا صحیح نہیں ہے، اور اگر بالفرض تالاب کو اجارہ و ٹھیکہ پر دینے سے استہلاک عین بھی لازم آتا ہو تب بھی دور حاضر میں عرف عام کی بنیاد پر تالاب و حوض کو ٹھیکہ پر دینا شرعاً جائز ہونا چاہئے، کیونکہ تالاب و حوض کو مچھلی پالنے کی غرض سے ٹھیکہ پر دینے کا مسئلہ کوئی منصوص مسئلہ نہیں ہے، کہ اس کو جائز قرار دینے سے کسی شرعی نص کی مخالفت لازم آئے، زیادہ سے زیادہ قیاس کی مخالفت ہو سکتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ عرف کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے، چنانچہ بہت سے فقہاء نے اپنے اپنے زمانہ میں تالاب و حوض کو کرایہ و ٹھیکہ پر دینے کو جائز قرار دیا، چنانچہ خود علامہ شامیؒ جنہوں نے تالاب و حوض کو اجارہ و ٹھیکہ پر دینے کے عدم جواز سے بحث کی ہے، اور ایضاح نامی کتاب کے حوالے سے مچھلی کے تالاب کو اجارہ پر دینے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"وما في الإيضاح بالقواعد الفقهية أليق" (رد المحتار ۵/۱۱۰) لیکن خود حضرت علامہ موصوف نے البحر الرائق کے حوالے سے مچھلی کے تالاب کو کرایہ و ٹھیکہ پر دینے کو حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی کتاب الخراج کے حوالے سے جائز لکھا ہے۔

علاوہ ازیں صاحب "درمختار" وغیرہ فقہاء متاخرین نے عموم بلوی کی وجہ سے تالاب کے اجارہ کو جائز قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت علامہ حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جاز إجارة القناة والنهر مع الماء، به يفتى لعموم البلوى، مضمرات،

انتهى

(پانی کے ساتھ نالی اور نہر کو کرایہ پر دینا عموم بلویٰ کی وجہ سے جائز ہے)۔

علامہ حصکفی کے مندرجہ قول کے حاشیہ میں حضرت علامہ شامی علیہ الرحمہ نے، چراگاہ اور تالاب وغیرہ کو کرایہ پر دینے کے سلسلہ میں مختلف فقہاء کرام کے اقوال کو نقل فرما کر قدرے بحث کیا ہے، لیکن آخر میں بطور نتیجہ کے تالاب وچراگاہ وغیرہ کے کرایہ پر دینے کے جواز سے متعلق ایک حیلہ کا ذکر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مدت متعینہ کے لئے تالاب وغیرہ کو دے، اور تالاب میں مچھلی پالنے وغیرہ کے سلسلہ میں کچھ نہ کہے تو پھر تالاب کا اجارہ شرعاً جائز ودرست ہے۔

"استاجر نهرا يابسا أو أرضا أو سطحا مدة معلومة ولم يقل شيئا صح، وله أن يجرى فى الماء (قلت: أو يرسل فيه السمک)" (شامی ۵ر ۴۴)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دور حاضر میں مچھلی کے تالاب کو ٹھیکہ اور اجارہ پر دینا شرعاً جائز ودرست ہے، اور اوپر جس طرح علامہ حصکفی کے حوالہ سے عموم بلویٰ کے سبب تالاب کے ٹھیکہ پر دینے کا جواز بیان کیا گیا اسی طرح فتاویٰ ہندیہ میں بھی عموم بلویٰ کی وجہ سے تالاب کو ٹھیکہ پر دینے کا جواز صاف صراحت کے ساتھ مذکور ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاویٰ ہندیہ ۴ر ۴۴۲)۔

لہٰذا تالاب میں مچھلی ہو یا نہ ہو تالاب کو مچھلی کی غرض سے یا دیگر کسی اور مقصد سے کرایہ ٹھیکہ پر دینا شرعاً جائز ہونا چاہئے، یہی رائے دار العلوم دیوبند کے مفتی حضرت مولانا نظام الدین صاحب کی ہے، ان کا فتویٰ ملاحظہ ہو! وہ لکھتے ہیں:

"اگر تالاب اس قسم کا ہے کہ اس میں مچھلیاں محفوظ ہیں، از خود باہر نہیں نکلیں گی تو مچھلی پالنے کے لئے اس کا ٹھیکہ پر دینا درست رہے اور جو مچھلیاں اس میں پائی جائیں گی وہ مملوک ہو جائیں گی (نظام الفتاویٰ ار ۲۴۴، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳ر ۱۹۹، فتاویٰ عالمگیری ۳ر ۱۱۳، امداد الفتاویٰ ۱ر ۲۱۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دور حاضر میں بلا شک وشبہ کے تالاب کو مچھلی پالنے کی غرض سے کرایہ پر دینا جائز ہے، اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت:

اس جگہ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حوض یا تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت کا شرعی حکم کیا ہے، تو اس سلسلہ میں عام طور پر فقہاء کرام نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جن صورتوں میں انسان تالاب کی مچھلی کا مالک ہو جاتا ہے، اگر وہ مچھلیاں بغیر کسی حیلہ وتدبیر کے اور بغیر شکار کئے ہوئے مقدور التسلیم ہوں اور بآسانی پکڑی جاسکتی ہوں تو ان کی بیع اور خرید وفروخت تالاب میں رہتے ہوئے جائز ہے، اور بعض علماء نے مچھلی کے بآسانی مقدور التسلیم ہونے کی دو صورتیں لکھی ہیں، ایک یہ ہے کہ شکار کرنے کے بعد مچھلی کو پانی کسی برتن میں رکھ لے، جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے، یا مچھلی کو کسی ایسے چھوٹے گڑھے میں رکھے جس سے نکالنا آسان اور سہل ہو (جدید فقہی مسائل ۱/۲۲۰)۔

لیکن اگر بغیر کسی تدبیر وحیلے کے مچھلیوں کو پکڑنا آسان نہ ہو تو ایسی صورت میں تالاب میں رہتے ہوئے مچھلیوں کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح جن صورتوں میں انسان مچھلیوں کا مالک نہیں ہوتا ان صورتوں میں بھی تالاب وغیرہ میں رہتے ہوئے مچھلیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے (مزید تفصیل بحر الرائق اور جدید فقہی مسائل میں دیکھی جائے، نیز الکوکب الدری ۱/۳۵۹)۔

چنانچہ علامہ شمس الدین السرخسی نے "المبسوط" باب البیوع الفاسدۃ (۱۳/۱۰) کے تقریباً آخر میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱- اگر مچھلی کسی جھاڑی یا تالاب وغیرہ میں خود بخود پیدا ہوگئی ہو اور اس کا کسی نے شکار نہیں کیا ہے اور نہ اس تالاب وغیرہ کو مچھلی وغیرہ کی غرض سے تیار کیا گیا ہے اور نہ اس تالاب وجھاڑی وغیرہ سے مچھلی کو کسی نے پکڑا ہے تو اس قسم کی مچھلی کو تالاب میں رہتے ہوئے فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ بیع کی حقیقت مبادلۃ المال بالمال کے سبب تملیک کی ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی تملیک بغیر ملک کے نہیں ہوسکتی، یعنی جب تک کہ انسان اس چیز کا جس کو بیچ رہا ہے مالک نہ ہوگا اس وقت تک اس چیز کو بیچ کر کسی کو مالک نہیں بنا سکتا، اس لئے مذکورہ قسم کے تالاب

میں خود بخود پیدا ہونے والی مچھلی کو فروخت کرنا غیر مملوک ہونے کی وجہ سے شرعاً بیع باطل کے حکم میں ہے۔

۲- ہاں اگر مچھلی کو برتن یا گڈھا یا حوض وغیرہ میں پکڑ کر رکھا گیا ہے اور اس مچھلی کو بغیر شکار کے پکڑنا ممکن ومقدور ہو تو اس قسم کی مچھلی کو فروخت کرنا شرعاً جائز و درست ہے۔

۳- اسی طرح اگر مچھلی کو گڑھا یا حوض وغیرہ میں پکڑ کر رکھا تو نہیں گیا ہے، بلکہ خود بخود مچھلی اس حوض وتالاب میں آگئی ہے، البتہ اس حوض وتالاب کے دہانہ ومنہ کو اس طرح بند کر دیا گیا ہے کہ مچھلی اس سے نہیں نکل سکتی تو شرعاً یہ بھی پکڑنے کے حکم میں ہے، جیسا کہ مچھلی بنسی کے ذریعہ (یعنی اس کانٹے میں جس میں مچھلی کو پھنسایا جاتا ہے) پھنس گئی تو ان صورتوں میں مچھلی کو فروخت کرنا شرعاً درست ہے۔

۴- لیکن اگر مچھلی مملوک تالاب میں داخل ہوئی مگر اس حوض وتالاب کے دہانہ کو بند نہیں کیا گیا تو ایسی صورت میں اس مچھلی کو فروخت کرنا شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ صرف حوض و تالاب میں داخل ہو جانے سے مچھلی مملوک نہیں ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ "مبسوط" میں ذکر شدہ تفصیل کے مطابق تالاب میں مچھلی کے ہونے یا پائے جانے کی چار صورت ہے:

۱- حوض وتالاب میں خود بخود مچھلی پیدا ہوگئی

۲- مچھلی کو حوض وتالاب میں پکڑ کر یا خرید کر رکھا گیا ہے اور پھر اس مچھلی کو وہاں سے بغیر شکار کئے ہوئے نکالنا مقدور ہو۔

۳- مچھلی کہیں سے تالاب میں آگئی اور تالاب کے منہ کو بند کر دیا گیا۔

۴- مچھلی کہیں سے تالاب میں آگئی مگر تالاب کے منہ کو بند نہیں کیا گیا ہے، پہلی اور چوتھی صورت میں بیع باطل ہے اور دوسری وتیسری صورت میں شرعاً بیع درست ہے۔

اور "شرح وقایہ" کے حاشیہ میں مچھلی کی بیع کی پانچ صورت مرقوم ہے، (تفصیل کے لئے

دیکھئے: شرح وقایہ ص۲۱، ۳ نیز در مختار ص۱۱۹، ۴)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر بائع نے مطلق طریقے سے مچھلی کو سامان کے عوض فروخت کیا تو دونوں جانب سے بیع کو باطل ہونا چاہئے، جیسے مردار کو سامان کے عوض فروخت کرنا یا اس کے برعکس سامان کو مردار کے عوض فروخت کرنا اور اگر مچھلی متعین ہوئی تو مچھلی میں بیع باطل ہے اس لئے کہ اس صورت میں مچھلی غیر مملوک ہے اور سامان میں بیع فاسد ہے، اس لئے کہ مچھلی فی الجملہ مال ہے اور اسی کے مثل یہ صورت بھی ہے کہ اگر مچھلی کے گوشت کی بیع ہو اس لئے کہ مچھلی مثلی چیز ہے اور اگر مچھلی کی بیع ثمن یعنی روپیہ سے کی گئی تو بیع باطل ہے، کیونکہ اس صورت میں مچھلی کا مبیع ہونا متعین ہے اور وہ غیر مملوک ہے، آگے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ میں نے کہا میں نے کسی کے کلام میں نہیں پایا، بلکہ یہ بات مجھ پر (منجانب اللہ) ظاہر ہوئی ہے (ردالمحتار ۴/۱۱۹) اور مچھلی و دوسری صورت کے باطل و فاسد ہونے کی صراحت صدر الشریعہ نے کی ہے (شرح وقایہ ۳/۲۰)۔

اور "درمختار" میں مچھلی کی بیع کی چوتھی شکل میں مشتری کو شرعاً جو خیار رویت حاصل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں مچھلی کو دیکھنے اور پانی سے باہر دیکھنے میں فرق ہے۔

"قال فی در المختار: قوله وله خیار الرؤیة ولا یعتد به برؤیته وهو فی الماء، لأنه یتفاوت فی الماء وخارجه شرنبلالیة اهـ (ردالمحتار ۴/۱۱۹)۔

اور "درمختار" میں مچھلی کی بیع کی جو چھٹی شکل بیان کی گئی ہے اس کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر مچھلی بغیر حیلے کے پکڑی جاسکتی ہے تو بیع صحیح ہے اور اگر بغیر حیلے کے نہیں پکڑی جاسکتی تو بیع فاسد ہے "(قوله فلو سد ملكه) أی فیصح بیعه إن أمكن أخذه بلا حیلة، وإلا فلا علی القدرة علی التسلیم" (شامی ۴/۱۱۹)۔

آگے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مچھلی کی بیع کے سلسلے میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل وہ ہے جو فتح القدیر میں مرقوم ہے:

۱- اگر مچھلی بغیر حیلہ کے پکڑی جاسکتی ہے تو بیع جائز ہے، کیونکہ مچھلی مملوک اور مقدور التسلیم ہے۔

۲- اور اگر مچھلی بغیر حیلہ کے نہیں پکڑی جاسکتی ہے تو بیع جائز نہیں بلکہ فاسد ہے۔

۳- اور اگر مچھلی کسی تالاب میں داخل ہوئی اور وہ تالاب مچھلی کی غرض سے تیار نہیں کیا گیا ہے تو پھر بیع جائز نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مچھلی کسی کی مملوک نہیں ہے، ہاں اگر مچھلی کے تالاب میں داخل ہوتے ہی تالاب کے دہانہ کو بند کردیا گیا تو اس صورت میں مچھلی مملوک ہو جائے گی، البتہ اگر بغیر کسی حیلہ مچھلی کا پکڑنا ممکن ہے تو بیع جائز ہے ورنہ بیع فاسد ہوگی۔

۴- اور اگر تالاب تیار نہیں کیا گیا ہے لیکن مچھلی کو پکڑ کر اس میں رکھا گیا ہے تو مچھلی کو پکڑ کر اس تالاب میں رکھنے والا اس مچھلی کا مالک ہوگا، البتہ اگر مچھلی کا بغیر حیلہ کے پکڑنا ممکن ہے تو بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ مقدور التسلیم ہے اور اگر حیلہ کے ذریعہ پکڑنا ممکن ہے تو بیع جائز نہیں ہے بلکہ بیع فاسد ہے اگرچہ مچھلی مملوک ہے، لیکن مقدور التسلیم نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۴؍۱۱۹)۔

یہاں تک مندرجہ بالا سطور میں مچھلی کی فروخت کے سلسلہ میں جو تفصیلات ذکر کی گئیں ان کا مقصد جہاں یہ ہے کہ مچھلی کی بیع سے متعلق ساری تفاصیل واضح ہو کر سامنے آجائے، وہیں یہ بات بھی عیاں ہو جائے کہ اس سلسلہ میں عام فقہاء کا نظریہ کیا اور انہوں نے مچھلی کی خرید وفروخت سے متعلق مسائل کو بیان کرتے ہوئے کس قدر باریک بینی سے کام لیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان مسائل کا زیادہ تر دارومدار قیاس پر ہے اور عوام کے لئے فقہاء کرام کی بیان کردہ باریکیوں پر عمل کرنا دشوار ہے، دوسری طرف جب کسی زمانہ میں اس کے خلاف تعامل ہو جائے تو اس زمانے کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات میں قیاسی مسائل پر جمود کے بجائے روح شریعت اور اصول فقہاء کو پیش نظر رکھ کر عرف کے مطابق جہاں تک ہوسکے امت کے لئے سہولت کی راہ نکالیں، لہذا عام فقہاء کے نظریہ کو تحریر کرنے کے بعد دور

حاضر کے بدلتے ہوئے حالات میں راقم سطور اپنی رائے درج کر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ جن
صورتوں میں انسان تالاب کی مچھلی کا مالک ہو جاتا ہے ان صورتوں میں تالاب میں رہتے ہوئے
مچھلی کی بیع جائز ہے بشرطیکہ تالاب کی حد بندی ہو اور مچھلی کا وہاں سے نکل کر بھاگ جانا ممکن نہ
ہو، نیز وہ تالاب وغیرہ مچھلی ہی کے لئے مخصوص ہو اور مچھلی مقدور التسلیم ہو، خواہ حیلہ و تدبیر
اور جال وغیرہ ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو، چنانچہ علامہ شامی نے تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع
کا جواز حضرت امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے (دیکھئے رد المحتار ۴/۱۱۹)۔

آگے چل کر علامہ شامی نے علامہ خیر رملی کا قول نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ
گزشتہ سطور سے تو مطلقاً تالاب میں مچھلی کی بیع کا عدم جواز معلوم ہوا لیکن حضرت امام ابوحنیفہ
سے جو کچھ منقول ہوا اس کا انطباق اگرچہ قواعد پر مشکل ہے، کیونکہ شکار سے قبل ہی مچھلی کی بیع
تالاب میں اس کے رہتے ہوئے ہو رہی ہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ تالاب چونکہ اسی غرض
سے بنایا گیا ہے اور مچھلی کی بیع کے بعد مچھلی مقدور التسلیم ہے، اس لئے جائز ہے۔ علامہ شامی
فرماتے ہیں کہ اس تحریر پر غور کرو کیونکہ یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور اس کے سلسلہ میں بکثرت سوال
کیا جاتا ہے (دیکھئے رد المحتار، ۴/۱۱۹)۔

اور راقم سطور کے نزدیک تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع کے جواز کے لئے
درخت پر رہتے ہوئے پھل کے فروخت کرنے کے جواز کو نظیر بنایا جائے، یعنی جس طرح فقہاء
کرام نے درخت پر رہتے ہوئے پھل کی بیع کو جائز قرار دیا ہے اسی طرح تالاب میں رہتے
ہوئے مچھلی کی بیع بھی شرعاً جائز ہونا چاہئے خواہ حیلہ و تدبیر کے بعد ہی خریدار کو مچھلی سپرد کیوں نہ
کرنے پڑے، جس طرح حضرت امام محمد نے پھل کی بیع کی بعد اگر پھل تیار ہو تو اسے درخت
پر چھوڑنے کی عرف کی وجہ سے اجازت دی ہے اسی طرح مچھلی کی بیع کے بعد بھی تالاب میں مچھلی
کے کچھ دنوں چھوڑے رکھنے کا رواج ہے اور فریقین میں سے کسی کو کوئی ناگواری نہیں ہوتی اس لئے
یہاں بھی مچھلی کی بیع کے بعد تالاب میں کچھ دنوں مچھلی کے چھوڑے رکھنے کی عرف کی وجہ سے

اجازت ملنی چاہیے (دیکھیے: الدر المختار ۴/۴۲، ۴۳، ۴۴)۔

بلکہ جس طرح علامہ شامی نے پھل کی بیع کو بیع سلم کے ساتھ ملحق کر کے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے (کمافی رد المحتار ج ۴ ص ۴۳)۔

اسی طرح حضرات فقہاء نے مچھلی میں بھی سلم کی اجازت دی ہے (ہدایہ ۳/۷۷، ۷۸)۔

تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کا جواز اوپر جس طرح میں نے حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے اسی طرح علامہ سرخسی نے امام ابن ابی لیلیٰ سے تالاب میں مچھلی کی بیع کا جواز نقل کیا ہے (دیکھیے: المبسوط للامام السرخسی ۱۳/۱۱)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح حضرات فقہاء نے عبد آبق کی بیع کو جب کہ وہ مقدور التسلیم ہو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی اگر مقدور التسلیم ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے۔ اور علامہ سرخسی نے حضرت ابن عمر اور ابن مسعودؓ سے جو پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع کا جواز نقل کیا ہے وہ اثر راقم سطور کے نزدیک اس صورت پر محمول ہے، جبکہ تالاب غیر محوز ہو یا مچھلی غیر مملوک ہو ـــــ اسی طرح بعض حضرات فقہاء نے تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع کو بیع غرر کے تحت داخل کر کے ناجائز قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیع غرر اس وقت منع ہے جبکہ بلاضرورت ہو، لیکن اگر ضرورۃً یا تبعاً بعض غرر کو برداشت کرنا پڑ رہا ہو تو پھر ایسی صورت میں بیع غرر ممنوع نہیں ہے۔

"قال العلامة النووی فی شرح المسلم عند ذکر "بیع الغرر نصه": لأنه غرر من غیر حاجة، وقد یحتمل بعض الغرر تبعا إذ دعت إلیه حاجة" (وانظر لمزید التفصیل حاشیہ المسلم للنووی ۲/۲)

یہاں پہنچ کر یہ مسئلہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ مچھلی کی بیع اگر تالاب میں مچھلی کے رہتے ہوئے کی جائے تو اگر بیع کا معاملہ وزن کے ساتھ ہو تو تالاب سے مچھلی نکلوا کر خریدار کے سپرد کرنا بائع کی ذمہ داری ہے اور اگر کیل و وزن کی شرط کے بغیر انکل اور اندازہ سے بیع کا معاملہ کیا جائے

تو پھر مچھلی کو تالاب سے نکلوانا بائع کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ خود خریدار تالاب سے مچھلی کو نکالے

(ردالمحتار ۔ ۔ ۲۳۔ ۳)۔

جوابات:

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں فقہ اکیڈمی کے مرسلہ سوالوں کا بالترتیب جواب یہ

ہے: یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج کل جو مچھلیاں منڈیوں اور بازاروں میں فروخت کی

جاتی ہیں ان کا ایک بڑا حصہ ان ندیوں اور تالابوں سے آتا ہے جن کے مختلف رقبے حکومت کی

طرف سے مختلف افراد کو ٹھیکہ پر دے جاتے ہیں اور بہت سی مچھلیاں وہ ہوتی ہیں جن کی گڈھوں

اور تالابوں میں افزائش کی جاتی ہے، یہ گڈھے اور تالاب کبھی شخصی ملک ہوتے ہیں اور کبھی عوامی

ملکیت کے ہوتے ہیں، جنہیں مختلف افراد کو مختلف جگہوں پر خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دیا

جاتا ہے۔

اب یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ آج عام طور پر ان ندی نالوں اور نہروں کے سلسلہ

میں جو کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہیں یہ بات متعارف ہے کہ ان کو حکومت کسی خاص شخص،

کوآپریٹو سوسائٹی یا مقامی پنچایتوں کے ہاتھ سے متعین مدت کے لئے بندوبست کر دیتی ہے اور

یہ لوگ بیکار کو معاوضہ دے کر کسی خاص حصہ سے مچھلی نکالتے ہیں اور خود اس کا استعمال کرتے ہیں

یا اس کو فروخت کر دیتے ہیں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس ندی یا تالاب میں پرورش کی گئی ہو،

بلکہ سیلاب کی آمد کے ساتھ یہ مچھلیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں، اسی طرح بازار کا بھی سرکار نیلام کرتی

ہے، نیز سڑکوں کے کنارے سرکار کی طرف سے جو درخت ہیں یا سرکاری زمین میں پیدا ہونے

والے خودرو درخت ہیں جن کے پھل وغیرہ نیلام کئے جاتے ہیں اور اس طرح کے معاملات عرف

میں عام ہیں۔

تو کیا عرف میں عام ہونے کی صورت میں جس طرح ہاٹ، بازار یا سرکاری درخت

کے جلاون کے نیلام کو فقہاء کرام نے شرعی بنیادوں پر جائز قرار دیا ہے (امداد الفتاوی ۳/۱۴۰)، اسی طرح سرکاری تالاب میں سیلاب کی آمد کے ساتھ آنے والی مچھلیوں کے نیلام کو شرعاً جائز قرار دیا جائے گا، تو اس سلسلہ میں یہ بات اچھی طرح یاد رہنی چاہئے کہ اگر سرکار نے تالاب کو ٹھیکہ پر دیا ہے اور اس میں خود بخود پیدا ہونے والی مچھلی کو یا سیلاب کی آمد کیساتھ آنے جانے والی مچھلی کو ٹھیکہ دار شخص تالاب سے نکال کر فروخت کرتا ہے تو شرعاً ایسی مچھلیوں کو خرید وفروخت بلا اختیار جائز ہے، ہاں اگر سرکاری تالاب کو ٹھیکہ پر لیکر ٹھیکہ دار شخص اس میں خود بخود پیدا ہونے والی مچھلی کو بغیر نکالے ہوئے تالاب میں رہتے ہوئے ہی فروخت کردیتا ہے تو شرعاً بیع باطل یا فاسد ہے، کیونکہ اس صورت میں تالاب میں جو مچھلی پائی جاتی ہے وہ غیر مملوک ہے، نیز مجہول بھی ہے اور غیر مقدور التسلیم بھی، اس لئے یہ بیع باطل ہے، کیونکہ یہ ایسی بیع ہے جس میں مبیع بائع کا مملوک مال نہیں ہے اور جس بیع میں مبیع بائع کی مملوک نہ ہو شرعاً ممنوع ہے: قال النبی ﷺ علی رجل بیع فیما لا یملک. اھ (رواہ النسائی ۲/۲۲۵)۔

لہذا صرف موجودہ عرف کو دیکھ کر اس کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا: "لأن العرف غیر معتبر فی المنصوص علیه" (قواعد الفقہ، ۹۲)، ہاں اگر ٹھیکہ دار نے سرکاری یا عوامی یا شخصی تالاب کو ٹھیکہ پر لیکر اس میں مچھلی خرید کر یا پکڑ کر رکھا ہو یا سیلاب میں آنے والی مچھلی کے تالاب میں رکنے کا انتظام کیا ہو تو پھر ان صورتوں میں وہ تالاب کی مچھلی کا مالک ہوجاتا ہے، البتہ اس صورت میں اگر وہ تالاب سے مچھلی نکال کر فروخت کرتا ہے تو بالاتفاق بیع جائز ہے اور اگر تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کردیتا ہے تو اگرچہ عام فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق یہ بیع فاسد ہے، لیکن خرید لینے کے بعد مشتری مچھلی کو نکال لے اور فروخت کرے تو شرعاً سابق بیع بھی درست ہوجائے گی، چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین نے غیر مقبوضہ مچھلیوں کی بیع کے سلسلہ میں ایک فتویٰ کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "اگر تالاب اس قسم کا ہے کہ اس میں مچھلیاں محفوظ ہیں از خود باہر نہیں نکلیں گی تو مچھلی پالنے کے لئے اس کا ٹھیکہ پر لینا درست

ہوگا اور جو مچھلیاں اس میں پائی جائیں گی وہ مملوک ہو جائیں گی، البتہ بغیر پکڑے ہوئے غیر مقبوضہ
ہوں گی، اس لئے خود پکڑ کر یا اپنے کسی ملازم یا اجیر (مزدور) سے پکڑوا کر فروخت کرنا بھی جائز
ہو جائے گا، البتہ بغیر پکڑے اور قبضہ میں لائے فروخت کرنا بیع ما لم یقبض ہو کر بیع فاسد ہوگی اور
مملوک رہنے کی وجہ سے بیع باطل نہ ہوگی اور بیع فاسد ہونے کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اگر مالک کے قبضہ
میں آنے سے بغیر فروخت ہو جائے اور مشتری پھر اس کو فروخت کرے اور مالک کو اعتراض نہیں تھا
بلکہ اجازت تھی تو یہ دوسری بیع جو ہوگی وہ صحیح اور ملک صحیح لہذا المبیع" کا استعمال درست رہے گا۔
اھ (نظام الفتاوی ۳/۳۰۰) "کتبہ العبد نظام الدین عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند"۔

لیکن راقم سطور کے نزدیک مملوک مچھلی کی بیع تالاب میں رہتے ہوئے بھی شرعاً درست

ہے۔

۲- اب جس صورت میں حضرات فقہاء نے تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع کو
ناجائز و باطل قرار دیا ہے، اگر ٹھیکہ دار سے خرید کر اور تالاب سے مچھلی نکال کر مشتری بازار یا دوکان
میں رکھ کر مچھلی کو فروخت کرے گا تو اگرچہ بیع باطل کے معروف اصول کے مطابق اس کے لئے
اس مچھلی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ "کما هو حکم البیع الباطل" لیکن اگر ٹھیکہ دار کی
اجازت سے اس نے ایسا کیا ہے تو بعض فقہاء کے کلام کے مطابق خریدار کو اس مچھلی کو فروخت
کرنا اور لوگوں کا اس سے مچھلی خریدنا جائز ہے [حاشیہ شرح وقایہ ۳/۴۹]۔

۳- جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے، اگر وہ شخص اس تالاب میں باقاعدہ
مچھلی پالن کا کاروبار کرنے سے قبل ہی مچھلیوں کو فروخت کر دیتا ہے تاکہ وہ دوسرا شخص خاص مدت میں
اس حوض یا تالاب کی مچھلیاں نکال کر فروخت کرے تو فقہاء کرام کی مشہور تصریحات کی روشنی میں
اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر بغیر کسی حیلہ کے مچھلیاں تالاب سے نکالنا مقدور التسلیم ہو تو شرعاً اس
طرح کی خرید و فروخت جائز ہے اور اگر بغیر کسی حیلہ کے مچھلیاں تالاب سے نکالنا ممکن نہ ہو تو ایسی
صورت میں تالاب یا حوض میں رہتے ہوئے شکار سے قبل مچھلیوں کو کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز

نہیں ہے (شرح وقایہ ۳:۴۰)۔

لیکن راقم سطور کے نزدیک جن صورتوں میں انسان مچھلیوں کا مالک ہو جاتا ہے اگر تالاب محصور و مخصوص ہو اور مچھلی حیلہ ہی کے ساتھ مقدور التسلیم کیوں نہ ہو، پھر بھی تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع جائز ہے (رد المحتار ۴/۱۰۹)۔

۲- اگر کوئی حوض یا تالاب نجی وشخصی ملکیت کا ہے یا عوامی و سرکاری ملکیت کا ہے اور اس میں مچھلیاں بغیر پالے ہوئے بارش و سیلاب کی وجہ سے از خود آگئی ہیں تو ایسے تالاب کو اس طور پر کسی کو ٹھیکہ پر دینا کہ ایک خاص مدت تک ٹھیکہ پر لینے والے ہی کو اختیار ہو کہ وہ اس تالاب کی مچھلیوں کا شکار کر کے فائدہ اٹھائے تو اس طرح کا معاملہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ (نظام الفتاوی ج۱ ص ۲۴۴) البتہ تالاب میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کرنا اس صورت میں جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مچھلی کو روکنے کے لئے ٹھیکہ دار نے انتظام کیا تو پھر اس صورت میں ظاہر روایت میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ اگر اس تالاب سے مچھلی نکال کر فروخت کرے یا وہ تالاب ایسا ہے کہ بغیر حیلہ کے اس سے مچھلی نکل سکتی ہو تو تالاب ہی میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں (رد المحتار ۴/۱۰۹)۔

لیکن احقر کے نزدیک تالاب میں رہتے ہوئے بھی مچھلی کی خرید و فروخت جائز ہے۔

☆☆☆

فاسد ہو، کیونکہ اگرچہ عرض کو ثمن ٹھہرایا گیا اور "باء" عوض اس پر داخل ہے، مگر کسی درجہ میں عرض مبیع ہے، تو اس شکل میں ہم مچھلی کو ثمن قرار دے لیں گے، تو اب صورت یہ ہوگی کہ عرض کو سمک غیر مملوک کے بدلہ فروخت کیا جا رہا ہے جو مال نہیں ہے، گویا عرض فروخت ہو رہا ہے اور ثمن کا ذکر نہیں ہے، (اور ثمن مقصود بیع نہیں ہوتا، اس لئے ثمن کے عدم ذکر سے بطلان بیع لازم نہیں آتا) یا یوں کہہ لیں گے جیسے عرض کو ام الولد کے عوض فروخت کیا جا رہا ہے (درمختار)۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عرض کی بیع بھی اس صورت میں باطل ہو (جیسے سمک کی بیع باطل ٹھہری) کیونکہ سمک جب مال ہی نہیں ہے تو عرض کو میتہ اور دم کے عوض فروخت کرنے جیسی صورت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن موجودہ شکل کو عرض کی ام الولد کے بدلہ بیع کے ساتھ تشبیہ دینا زیادہ ظاہر ہے۔ کہ جس طرح ام الولد فی الجملہ مال ہے اسی طرح مچھلی پکڑ لئے جانے کے بعد مال ہے، اور اگر مچھلی کو بے شکار نقد کے عوض فروخت کیا جائے تو بیع باطل ہے۔

۲- مذکورہ صورت، یعنی سرکار کی ٹھکیداروں کے ساتھ مچھلی کی بیع باطل ہے، مگر ٹھکیداروں کا اس ندی نالے سے مچھلیاں پکڑ کر فروخت کرنا جائز ہے اور مسلموں کے لئے صورت حال جانتے ہوئے بھی ان مچھلیوں کو خریدنا جائز ہے، جس کی تفصیل جواب ۱ میں درج ہوئی ہے۔

۳- جو حوض یا تالاب کسی کی ذاتی ملکیت میں ہیں اور مچھلیاں بھی اس نے پالی ہیں، خواہ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لاکر ڈالی ہیں یا مچھلی کے انڈے ڈالے ہیں تو اس صورت میں مچھلیاں اس شخص کی مملوک ہیں اور صاحب تالاب کے سوا دوسرے شخص کو یہ مچھلیاں پکڑنے کا حق نہیں ہے۔

پھر اس کی دو صورتیں ہیں: اگر مچھلیاں مقدور التسلیم ہوں کہ مالک یا مشتری بلا کسی تدبیر کے مچھلیاں جس قدر مطلوب ہیں بسہولت پکڑ سکتا ہے تو یہ بیع جائز ہے، البتہ مشتری کو خیار رویت حاصل رہے گا، اور اگر حوض یا تالاب کے بڑا یا گہرا ہونے کی وجہ سے کسی کانٹے یا جال

ذرائع کی ضرورت پڑتی ہو یا تکلف ومشقت کے بعد پکڑی جا سکتی ہوں تو مقدور التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع جائز نہ ہوگی یعنی فاسد ہوگی۔ جیسے اس پرندہ کی بیع جسکو پکڑ کر فضا میں چھوڑ دیا گیا ہو جو خود واپس نہ ہوتا ہو۔

"والحاصل کما فی الفتح أنه إذا دخل السمک فی حظیرة فإما أن یعدها لذلک أو لا ففی الأول یملکه ولیس لأحد أخذه ثم إن أمکن أخذه بلا حیلة جاز بیعه لأنه مملوک مقدور التسلیم وإلا لم یجز لعدم القدرة علی التسلیم" (ردالمحتار ۴، ۱۱۴)

بیع فاسد میں رفع فساد:

رہی یہ بات کہ اس بیع فاسد کی صورت میں بائع اگر کسی طرح مچھلیاں نکال کر مشتری کے سپرد کردے تو اب یہ فساد رفع ہو جائیگا کہ نہیں؟ تو اس صورت میں دو رائے ہیں۔

مشائخ بلخ کہتے ہیں کہ تسلیم کے بعد یہ فساد رفع نہ ہوگا اور حضرت کرخیؒ اور امام طحاویؒ کے قول کے مطابق فساد رفع ہو جائے گا اور بیع جائز ہو جائے گی (تفصیل کے لئے دیکھئے رد المحتار ۴، ۱۲۰)۔

۳- اگر کسی حوض یا تالاب میں مچھلیاں از خود آ گئی ہوں تو کوئی شخص اگر حوض یا تالاب کا راستہ بند کر دیتا ہے تا کہ مچھلیاں محبوس ہو جائیں تب یہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، خواہ کسی حوض یا تالاب اس کی ملکیت میں ہو یا نہ ہو۔

پھر حوض اس قدر چھوٹا ہو کہ پکڑنے کے لئے کسی حیلے کی ضرورت نہیں رہتی تو ان مچھلیوں کو فروخت کرنا جائز ہے اور اگر مچھلیوں کا پکڑنا حیلے پر موقوف ہے تو پکڑنے سے قبل بیع فاسد ہے۔

حضرت علامہ شمس الدین سرخسیؒ "مبسوط" میں تحریر فرماتے ہیں:

''اگر مچھلیاں چھوٹے گڑھے میں ہوں جن کا بلا شکار پکڑ لینا ممکن ہو تو اگر اس آدمی نے مچھلیاں پکڑ کر اس گڑھے میں ڈال دی ہیں تو یہ مالک ہو جائے گا، جس طرح اس نے مچھلیاں پکڑ کر برتن (گھڑے) میں ڈال دی ہوں، اور اگر مچھلیاں پکڑی نہیں، بلکہ پانی کے ساتھ از خود مچھلیاں گڑھے میں داخل ہو گئی ہوں اور اس شخص نے گڑھے میں پانی داخل ہونے کی جگہ بند کر دی ہو کہ اب مچھلیاں اس جگہ سے نکلنے پر قادر نہ ہوں تو یہ آدمی ان مچھلیوں کو پکڑنے والا شمار ہوگا جیسے جال میں مچھلی پھنس جائے تو جال والا مالک ہو جاتا ہے، تو اب ان مچھلیوں کا بیچنا جائز ہوگا، (اگر مقدور التسلیم ہوں) اور اگر اس شخص نے پانی داخل ہونے کی جگہ کو بند نہ کیا تو بیع جائز نہیں ہوگی (بلکہ باطل ہوگی)، اس لئے کہ صرف گڑھے میں مچھلی آجانے سے مملوک نہیں ہو جاتی ہے جب تک کہ یہ آدمی اس کو پکڑ نہ لے، خواہ حقیقۃً خواہ حکماً'' اھ (المبسوط للسرخسی ۱۳/۱۲)۔

یہاں ایک اور صورت پیدا ہوتی ہے، وہ یہ کہ کسی نے غیر مملوک حوض یا تالاب میں مچھلیاں پکڑ کر ڈال دی ہوں تو ان کی بیع کا کیا حکم ہے؟

ہمارے یہاں اس کی بیع باطل ہے، اور ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ پکڑ کر چھوڑ دینے سے اس کی ملک زائل نہیں ہوتی، اگرچہ پکڑنے کے لئے از سر نو شکار کرنا پڑ جائے۔

ہماری دلیل حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا اثر ہے، ان دونوں نے فرمایا کہ مچھلی کو پانی میں نہ بیچو کیونکہ یہ بیع غرر ہے، چنانچہ پکڑے بغیر ہی بیع پانی میں کر رہا ہے تو یہ بیع باطل ہے غیر مملوک کی بیع ہے اور خود مالک بننے سے قبل دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا، لہذا یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی اڑتے پرندے کو (بلا پکڑے) فضاء میں بیچ ڈالے تو یہ بیع باطل ہوگی۔

اور اگر پکڑ کر پھر چھوڑ دی ہے تو یہ مچھلی آبق کی مانند ہے تو یہ بھگوڑے غلام کی بیع کے حکم میں ہے، اور اس لئے بھی کہ مقدور التسلیم نہیں ہے، بلکہ اس مچھلی کو پکڑنے کے لئے کسی سبب

مطابق جانوروں کو پلانا ہے یا تھوڑا استعمال کرتا ہے جس سے کنویں یا نہر کے حریم (ماحول) کو نقصان نہ پہونچتا ہو تو ضرورت کی مقدار لے لینے میں اجازت کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

لہٰذا اس حیلہ کے مطابق یہ جائز ہے کہ حوض یا تالاب کی زمین اجارہ پر دیدی جائے، اور پھر مالک زمین مستاجر کو مچھلیاں مارنے کی اجازت دیدے، لیکن نفس حوض و تالاب کو مچھلیاں مارنے کے ٹھیکہ پر نہیں دیا جا سکتا، یہ جائز نہیں ہے (دیکھئے: رد المحتار ۳؍ ۱۱۹-۱۲۰)۔

مچھلی کے شکار کے لئے کسی گڈھے کو اجارہ پر دینا جائز نہیں ہے (درمختار)۔

اس پر علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں: ''نہر'' میں لکھا ہے، جان لیجئے کہ متصرفین چھوٹے چھوٹے گڈھے میں جیسے ''برکۃ الحمادۃ'' اس میں مچھلیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تو کیا مچھلی کا شکار کرنے کے لئے ان کو اجرت پر دیا جا سکتا ہے، ''بحر'' میں ''ایضاح'' سے منقول ہے کہ جائز نہیں ہے، اور پہلے حضرت ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے کہ کتاب الخراج میں ابو الزناد سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو ایسے بحیرہ کے بارے میں لکھا جو عراق میں واقع ہے اور اسمیں مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں، کیا ہم اس کو اجرت پر دے سکتے ہیں، تو انہوں نے مجھے لکھا ایسا کر لیا کرو (رد المحتار ۳؍ ۱۱۹)۔

اور ''ایضاح'' میں جو لکھا ہے (عدم جواز) وہ قواعد فقہیہ کے زیادہ لائق ہے، اور بحر میں بھی حضرت ابو یوسفؒ عن ابی حنیفۃ عن حماد عن عبد الحمید بن عبد الرحمٰن روایت کیا ہے کہ عبد الحمید نے عمر بن عبد العزیزؒ کو لکھا گڈھوں (حوض) کی مچھلیوں کے شکار کے بارے میں پوچھتے ہوئے تو عمر بن عبد العزیز نے لکھا کہ لاباس بہ (حرج نہیں) اور اس کو حبس کے نام سے موسوم کیا اھ

تو بحر میں کہا کہ اس بنیاد پر گڈھوں (تالاب) میں مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے، مگر جب کہ بیت المال کی زمین ہو تو جائز ہے اور وقف کی زمین کا بھی یہی حکم ہے۔

اور خیر رملیؒ (علامہ خیر الدینؒ) نے کہا کہ میں یہ کہتا ہوں کہ ماتقدم سے تو مطلقاً عدم جواز بیع معلوم ہوتا ہے سمندر میں یا ندی میں ہو یا تالابوں میں، خواہ بیت المال کی زمین ہو یا وقف کی

زمین ہر صورت میں جائز نہیں ہے۔ اور "کتاب الخراج" میں جو کچھ گزرا ہے وہ بھی قواعد فقہیہ سے بعید نہیں ہے، اس کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ ایک مخصوص جگہ مقررہ منفعت (شکار) کے لئے اجرت پر لی جائے۔ اور ابوحنیفہ نے حماد سے جو روایت بیان کی ہے وہ قابل اشکال ہے، اس لئے کہ یہ شکار سے پہلے ہی مچھلی کی بیع ہے، البتہ اس کا جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ ایسے تالابوں کے بارے میں ہے جو مچھلی کی غرض سے ہی تیار کئے گئے ہوں اور مچھلی پکڑنے پر پوری قدرت ہو۔ علامہ نسائی فرماتے ہیں: غور کے قابل مسئلہ ہے، ہماری اس تحریر کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور اس کے بارے میں بہت سوال ہوتے ہیں۔ اھ

علامہ شامیؒ علامہ رملیؒ کے قول پر اشکال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: رملی کا یہ کہنا ہے کہ عمر بن الخطاب جو اجازت دی ہے۔ وہ زمین کے ایک حصہ معینہ کو اصطیاد کے لئے اجارہ پر دینے پر محمول ہے یہ درست نہیں ہے، اس میں نظر ہے، اس لئے کہ یہ اجارہ استہلاک عین ہو رہا ہے اور جلد ہی تصریح آجائے گی کہ چراگاہوں کو اجارہ پر دینا صحیح نہیں ہے اور اصطیاد کے لئے تالاب کو اجارہ پر دینا بھی استہلاک عین ہے، اسی لئے مقدسی نے اسکے صحیح نہ ہونے کا قطعی فیصلہ کیا ہے اور صاحب بحر نے بھی ہماری طرح اعتراض کیا ہے (دیکھئے: شامی ۴/ ۱۱۹-۱۲۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ صاحب "نہر" کی طرح علامہ شامی، صاحب "بحر" اور دیگر فقہاء کرام نے ایسے اجارہ کو درست قرار نہیں دیا ہے، اس لئے حوض یا تالاب کو ایک معینہ مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

سرکاری ندی، نالے اور نہروں کو ٹھیکہ پر دینا

مفتی نسیم احمد قاسمی ☆

صورت مسئولہ میں فقہی نقطۂ نظر سے غور وفکر کرنے کے بعد اس میں تین احتمالات نکلتے ہیں:

۱- اس میں پہلا احتمال یہ نکلتا ہے کہ ہم اسے عقد بیع تسلیم کریں، گویا سرکار تالاب، ندی نالے اور نہروں میں پائے جانے والی مچھلیوں کی بیع کرتی ہے، مگر یہ احتمال اصول شرع کی رو سے درست نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کا معاملہ چند برسوں کے لئے بھی ہوتا ہے، تو جس وقت معاملہ طے پارہا ہے اس معاملہ میں وہ مچھلیاں بھی شامل ہوں گی جو اگرچہ وقت معاملہ موجود نہیں ہیں مگر آئندہ ان کے پیدا ہونے یا بارش اور سیلاب کی آمد ورفت کے ساتھ ان کے آنے کا امکان ہے تو اس صورت میں بیع معدوم لازم آئے گی جو اصول شرع کی رو سے باطل ہے، جناب نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے جو موجود نہیں ہیں، اسی بنیاد پر حمل اور نتاج کی بیع سے منع کیا گیا ہے (فتح القدیر ۹/۳۷۵)۔

یا پھر وہ مچھلیاں (موجود ہونے کی صورت میں) مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہوں گی، لہذا مبیع کے مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے یہ عقد فاسد قرار پائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں حضرت عمر بن الخطاب کا اثر نقل کیا ہے کہ انہوں نے غرر کی وجہ سے پانی میں مچھلیوں کی بیع سے منع فرمایا ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ

☆ سابق نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

کے لئے اجارہ پر لی جاسکتی ہے، اگر کام کی نوعیت کی صراحت نہیں کی گئی تو اجارہ فاسد قرار پائے گا، البتہ اگر بوقت معاملہ مالک زمین نے کرایہ دار کو زمین سے ہر قسم کے انتفاع کی اجازت دے دی ہو تو پھر اجارہ درست قرار پائے گا (دیکھئے ہدایہ ۳ صفحہ ۱۸۳)۔

سرکاری تالاب، ندی اور نہروں کی زمین کو اجارہ (ٹھیکہ) پر دینے کی صورت میں سرکار کی طرف سے کرایہ دار کو ہر قسم کے انتفاع کی اجازت حاصل ہوتی ہے، ٹھیکہ کی مدت کے دوران کرایہ پر حاصل کی گئی زمین سے چاہے تو کرایہ دار مچھلی نکال کر یا اس میں مکھانے یا کسی اور چیز کی کاشت کرکے انتفاع حاصل کرے۔

"المجموع شرح المہذب" میں ہے:

"زمین کا اجارہ درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی وضاحت کردی جائے کہ اس زمین میں کاشت کی جائے گی یا درخت لگائے جائیں گے یا تعمیری کام ہوگا" (المجموع شرح المہذب ۱۵ر۱۳)

مذکورہ بالا فقہی عبارت سے مطلقاً اراضی کے اجارہ کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن کسی بھی متعین کام کی صراحت کے ساتھ زمین کو اجارہ پر دیا جاسکتا ہے، اگر بوقت معاملہ کام کی نوعیت کی وضاحت نہیں کی گئی مگر مالک ارضی نے ہر قسم کے انتفاع کی اجازت دے دی تو بھی اجارہ درست قرار پائے گا۔

اب رہا یہ سوال کہ خاص طور پر مچھلیوں کے حصول کی خاطر زمین کے اجارہ کی صراحت فقہاء کے یہاں ملتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں "فتاوی ہندیہ" میں یہ جزئیہ لکھا ہے:

"مچھلیوں کے حصول کی خاطر تالاب اور نہروں کا اجارہ اسی طرح محض گھاس کی خاطر چراگاہ کا اجارہ درست نہیں ہے، البتہ اس میں یہ حیلہ ممکن ہو سکتا ہے کہ مطلقاً زمین اجارہ پر لی جائے پھر اس سے وضو کی صورت میں یا چوپایوں کو اس جگہ باندھنے کے ذریعہ فائدہ اٹھائے تو یہ شکل درست ہوگی"۔

میرا خیال یہ ہے کہ یہی حیلہ تالاب اور نہر کی زمین کے بارے میں بھی کرنا درست ہوگا کہ اجارہ مچھلیوں پر استہلاک کی وجہ سے نہ کیا جائے، بلکہ زمین کے مخصوص ومتعین حصہ کو متعینہ مدت اور متعینہ اجرت کیساتھ اجارہ پرلیا جائے، پھر اس سے کرایہ دار چاہے مچھلیوں کی صورت میں یا کھانے وغیرہ کی کاشت کے ذریعہ انتفاع کرے، مچھلیوں کی خاطر تالاب یا نہر کی زمین کے اجارہ کا مسئلہ دور حاضر کا جدید مسئلہ نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن نجیم مصری نے لکھا ہے کہ جب میں ۹۶۸ھ میں "بحر الرائق" کی "کتاب البیوع" کی تالیف میں مصروف تھا تو میرے سامنے یہ سوال آیا کہ مچھلیاں نکالنے کی خاطر تالاب اور نہر کا اجارہ درست ہوگا یا نہیں، میرے پاس جو کتابیں تھیں ان میں یہ مسئلہ مجھے نہیں ملا، مگر "کتاب الخراج لابی یوسف" میں ابی الزناد کے حوالہ سے لکھا ہے (کتاب الخراج ۸۷) کہ میں نے عمر بن الخطاب کے پاس لکھا کہ سرزمین عراق میں ایسے تالاب اور نہریں ہیں جن میں مچھلیاں جمع ہوتی ہیں تو کیا ایسے تالاب اور نہروں کو اجارہ پر دینا درست ہوگا، انہوں نے فرمایا کہ ہاں، ایسا کر سکتے ہو، اسی طرح عمر بن عبد العزیز کا فتوی بھی جواز کا ہے، ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن نجیم نے اپنی رائے دی ہے کہ اراضی بیت المال اور اراضی وقف کو اس غرض سے اجارہ پر دینا درست ہوگا، مگر اخیر میں "ایضاح" کے حوالہ سے عدم جواز پر اکتفا کیا ہے (البحر الرائق ۶/۸۱)، علامہ ابن عابدین نے "رد المحتار" اور "حاشیہ البحر الرائق منحۃ الخالق" میں صاحب "البحر الرائق" کی عبارت نقل کرنے کے بعد "ایضاح" کے حوالہ سے ابن نجیم نے جو عدم جواز کا قول ذکر کیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"وما فی الإیضاح بالقواعد الفقهیة ألیق" (رد المحتار ۹/۲۳۹: باب البیع الفاسد، حاشیہ منحۃ الخالق علی البحر ۶/۷۹)۔

"ایضاح" میں جو عدم جواز کا قول ہے وہ قواعد فقہیہ کے زیادہ موافق ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی کا رجحان اس مسئلہ میں عدم جواز کی طرف ہے، مگر علامہ

الخیر رملی کے حوالے سے لکھا ہے۔

"وما تقدم عن كتاب الخراج غير بعيد ايضاً عن القواعد و مرجعه الى اجارة موضع مخصوص لمنفعة معلومة هي الاصطياد" (ردالمحتار، ۵/۳۹)۔

یعنی "کتاب الخراج" کا قول جواز بھی قواعد فقہیہ کے مخالف نہیں ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ اس صورت میں مخصوص جگہ کا مخصوص منفعت کے لئے اجارہ کیا جاتا ہے اور مخصوص منفعت سے مراد شکار کرنا ہے۔

علامہ خیر الدین رملی کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے:

"فتامل ولتحتفظ بهذا التحرير فان المسألة كثيرة الوقوع و يكثر السؤال عنها" (حوالہ بالا)۔

(اس بارے میں اچھی طرح غور و فکر کرلو اور اس تحریر کو غنیمت جانو، کیونکہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور اس کے بارے میں بہت زیادہ سوال کیا جاتا ہے)۔

پھر علامہ رملی کے قول "غیر بعید" کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ محل غور ہے، کیونکہ اس صورت میں اجارہ استہلاک عین پر واقع ہوتا ہے جو جائز نہیں ہے۔

ان عبارات کی روشنی میں میرا ذاتی رجحان یہ ہے کہ سرکار کی طرف سے تالاب، نہر، ندی، اور دوسروں کی اراضی کو جو ٹھیکہ پر دیا جاتا ہے تو چونکہ اراضی، مدت اور منفعت کی تعیین ہوتی ہے اور اس میں اجارہ کے جواز کی شرطیں پائی جاتی ہیں، اس لئے یہ صورت مخصوص اور متعین جگہ کو مخصوص منفعت کے عوض اجرت پر لینے کی ہے جو بلاشبہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے آثار اور خیر رملی کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔ جہاں تک علامہ شامی یا دیگر فقہاء کا یہ کہنا کہ یہ اجارہ بھی استہلاک عین ہونے کی وجہ سے فاسد ہے تو یہ اس صورت میں درست ہوتا جب ہم تالاب یا مچھلی کے خاطر اجارہ پر لینے کو تسلیم کرتے، یہاں پر تو مطلق زمین کا اجارہ کیا جا رہا ہے اور اجارہ بھی مخصوص منفعت کے لئے، اس لئے عدم جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ اجارہ علی استہلاک العین کی وجہ سے فاسد ہے تو بھی حضرت عمر بن عبد العزیز

کے آثار کی وجہ سے ابتلاء عام، عموم بلویٰ اور تعامل ناس کی بنیاد پر اسے درست قرار دیا جاسکتا ہے، ''کتاب الخراج'' میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک اثر ابوالزناد کے حوالہ سے منقول ہے کہ انہوں نے عمر ابن عبدالعزیز کے پاس لکھا:

''کتبت إلی عمر بن عبد العزیز فی بحیرۃ یجتمع فیھا السمک بأرض العراق أنؤاجرھا؟ فکتب أن افعلوا'' دوسرا اثر حمید ابن عبدالرحمن سے منقول ہے کہ انہوں نے لکھا: ''یسألہ عن بیع صید الآجام فکتب إلیہ عمر أنہ لا بأس بہ'' (کتاب الخراج مع موسوعۃ الخراج ۱/۸۷)۔

پانی اور گھاس کے ساتھ اراضی کے اجارہ کے جواز کے بارے میں ''الموسوعۃ الفقہیہ'' میں لکھا ہے:

''اس کے جواز پر فی الجملہ علماء کا اتفاق ہے، البتہ اصالۃً حنفیہ مچھلی کے خاطر نہر، یا تالاب کے اجارہ اور گھاس کے لئے چراگاہ کے اجارہ کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں، البتہ اس کے لئے صرف زمین اجارہ پر لی جاسکتی ہے پھر مالک کرایہ دار کو اس زمین سے گھاس (یا مچھلی کے شکار) کے ذریعہ انتفاع کو مباح کردے گا، دیگر فقہاء کے یہاں ایک ساتھ زمین اور گھاس پر عقد اجارہ ہوسکتا ہے'' (الموسوعۃ الفقہیہ کویت ۱/۲۷۷)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کی صراحت کے مطابق اصطیاد کی غرض سے تالاب اور نہر کو اجارہ یا عاریت پر لینا جائز ہے اور اس طرح جو مچھلیاں شکار کی جائیں گی ان پر ملکیت ثابت ہوگی ''المغنی'' میں ہے: ''لو استأجر البرکۃ أو الشبکۃ أو استعارھا للاصطیاد جاز وما حصل فیھا ملکہ'' (المغنی ۴/۲۲۲)۔

۲- ٹھیکہ پر لئے ہوئے تالاب، ندی اور نہروں کی مچھلیوں کو فروخت کرنا:

اصطیاد (شکار) کی خاطر سرکاری تالاب، ندی، نالے اور نہروں کی زمین کا اجارہ،

شرائط اجارہ کے پائے جانے کی وجہ سے جائز و درست ہے۔ اس لئے مدت اجارہ کے حصول کے دوران کرایہ دار (چاہے وہ کوئی شخص ہو یا کوآپریٹو سوسائٹی یا پنچایت) کے لئے اس زمین سے منفعت حاصل کرنا جو اصطیاد کی شکل میں ہوگا درست قرار دیا جائے گا، اور جب کرایہ دار مچھلی شکار کرکے تالاب، ندی، جوہر وغیرہ سے باہر نکالے گا تو مملوک و مقبوض ہونے کی وجہ سے ان مچھلیوں کا بیچنا اور ہر شخص کے لئے خریدنا چاہے وہ مسلمان کیوں نہ ہو، جائز اور درست قرار پائے گا۔

جو لوگ مچھلی پر لئے ہوئے تالاب وغیرہ کے معاملہ کو عقد بیع یا اجارہ علی استہلاک العین کی وجہ سے اس معاملہ کو فاسد قرار دیتے ہیں ان حضرات کے نزدیک بھی چونکہ مچھلیوں کا شکار کرنا ہر شخص کے لئے مباح ہے اس لئے جو بھی شکار کرکے مچھلی نکالے گا اس کا مالک اور قابض بن جائے گا، اور مملوک و مقبوض شیء کی خرید و فروخت بلا شبہ جائز و درست ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین نے قبضہ کی صورت میں ملکیت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وانہ یملک بالقبض'' (ردالمحتار ۵، ۸/ ۲۳)۔

یعنی جب مچھلی پر لینے والا شخص شکار کرکے مچھلیوں پر قبضہ کرلے گا تو اسے ان مچھلیوں پر ملکیت حاصل ہو جائے گی اور حصول ملک کے بعد بیع جائز قرار پائے گی۔

''المغنی لابن قدامہ'' میں ہے: ''ومن سبق إليه فأخذه ملكه كالأرض التي لم تعد للاصطياد مثل أرض الزرع إذا دخلها ماء فيه سمك ثم نضب عنه'' (۴/ ۲۲۲)۔

صاحب ''البنایہ شارح ہدایہ'' نے لکھا ہے کہ اگر تالاب مچھلیوں کی پرورش کی خاطر نہ بنایا گیا ہو بلکہ کسی اور مقصد کی خاطر کھدوایا گیا ہو تو تالاب کی مچھلی کا جو شخص شکار کرے گا وہی اس کا مالک قرار پائے گا۔ ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ہے: ''ولو اتخذ لحاجة أخرى فمن أخذ السمك فهو له'' (بنایہ شرح الہدایہ ۷/ ۸۵، فصل بیع الغرر، ۲۵۴)۔

۳- نجی حوض یا تالاب کی مچھلیوں کو شکار کرنے سے پہلے فروخت کرنا:

تالاب کی مچھلی کے سلسلہ میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اگر مچھلی بیچنے والے کی ملکیت میں داخل ہے اور وہ اس کے بآسانی حوالہ کرنے پر قادر بھی ہے تو اس کی بیع درست ہوگی اور اگر مچھلی اس کی ملک میں نہ ہو یا ملک میں تو ہو مگر غیر مقدور التسلیم ہو تو اس کی بیع درست نہیں ہوگی، دیکھئے: (فتح القدیر ۹؍۵۷-۳، رد المحتار ۷؍۲۹۳، البنایہ شرح ہدایہ ۹؍۲۸۳)۔

۲- تالاب مچھلیوں کی پرورش کی خاطر نہیں کھودا گیا اور نہ اس نے مچھلی اس میں ڈالی، مگر مچھلیوں کے تالاب میں لانے یا آنے والی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کے لئے اس نے کوئی تدبیر کی ہو مثلاً تالاب کا وہ راستہ بند کر دیا جس سے پانی اور پانی کے ساتھ کی آمد و رفت ہوتی ہے تو اس صورت میں بھی وہ تالاب کی مچھلیوں کا مالک قرار پائے گا، پھر اگر وہ تالاب اتنا چھوٹا ہو کہ اس میں سے بغیر حیلہ اصطیاد مچھلی پکڑنا ممکن ہو تو مچھلی کے مملوک اور مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع درست ہوگی اور اگر تالاب اتنا بڑا ہو کہ بغیر شکار کئے ہوئے مچھلی پکڑنا ممکن ہی نہ ہو تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، البتہ اگر اس صورت میں اس شخص نے مچھلی کے تالاب میں لانے یا آنے والی مچھلیوں کے واپس جانے کیلئے کوئی تدبیر اور کوشش نہیں کی تو وہ اس کا مالک نہیں قرار پائے گا اور عدم ملکیت کی وجہ سے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، جو شخص بھی تالاب سے مچھلی شکار کرے گا وہی اس کا مالک قرار پائے گا، فتح القدیر میں ہے:

''اور اگر کسی نے مچھلیوں کی خاطر تالاب نہیں کھدوایا تو وہ مچھلی کا مالک نہیں ہوگا اور عدم ملک کی وجہ سے مچھلی کی بیع درست نہیں ہوگی، البتہ اگر اس نے تالاب کا راستہ بند کر دیا تو اس کا مالک ہو جائے گا اور اس صورت میں اگر بغیر حیلہ اصطیاد مچھلی پکڑنا ممکن ہو تو اس کی بیع درست ہوگی ورنہ نہیں'' (رد المحتار ۶؍۳۲۹)۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ تالاب مچھلیوں کی خاطر نہیں کھدوا گیا مگر اس نے دوسری جگہ سے مچھلی پکڑ کر یا خود اسی تالاب سے مچھلی پکڑ کر اسی تالاب میں دوبارہ ڈالدیا تو وہ اس کا مالک

ہو جائے گا۔ اور اگر بغیر حیلہ اصطیاد اس کا پکڑنا ممکن ہو تو مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے درست ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۶/۷۵، البحر الرائق ۶/۳۳۶)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوال نمبر ۳ر کا جواب یہ ہے کہ جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے اگر وہ شخص اس میں باقاعدہ مچھلیاں پالتا ہے اور مچھلیوں کی نشو ونما کی خاطر حوض یا تالاب استعمال کرتا ہے تو بلا شبہ اس تالاب اور حوض کی مچھلیوں کا وہ مالک ہے، پھر اگر وہ حوض یا تالاب اتنا چھوٹا ہو کہ اس میں سے بغیر حیلہ اصطیاد مچھلی پکڑنا ممکن ہو تو مملوک اور مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع درست ہوگی، اور اگر تالاب اتنا چھوٹا ہو کہ اس میں سے بغیر حیلہ اصطیاد مچھلی پکڑنا ممکن نہ ہو تو مچھلیوں کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع فاسد قرار پائے گی، البتہ اس صورت میں اگر مشتری یا خود بائع مچھلی کا شکار کرکے اس پر قبضہ کرے گا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، کیونکہ بیع فاسد بعد القبض مفید ملک ہوتی ہے۔ پس جب مشتری اس کا مالک ہو جائے گا اور مچھلی اس کے قبضہ میں آ جائے گی تو اس کی بیع درست ہوگی، "فتح القدیر" میں بیع فاسد کا حکم ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"والفاسد يفيد الملك عند اتصال القبض به، ويكون المبيع مضمونا في يد المشتري فيه" (فتح القدیر ۶/۴۲)۔

۳- کسی کی عوامی ملکیت والے حوض یا تالاب جس میں مچھلیاں پالے بغیر بارش یا سیلاب وغیرہ کی وجہ سے خود آگئی ہوں مگر مالکان نے ان مچھلیوں کو واپس نہ جانے دینے کے لئے کوئی تدبیر کی ہو مثلاً یہ کہ اس تالاب یا حوض کا منہ بند کر دیا تاکہ مچھلیاں باہر نہ نکل سکیں تو اس صورت میں مالکان تالاب وحوض کو ان مچھلیوں پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے، پھر اگر وہ تالاب یا حوض اتنا چھوٹا ہو کہ بغیر حیلہ اصطیاد مچھلی پکڑنا ممکن ہو تو مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع درست ہوگی، اور اگر بغیر حیلہ اصطیاد مچھلی پکڑنا ممکن نہ ہو تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع فاسد ہوگی۔ مگر خریدار اب مچھلی شکار کرکے اپنے قبضہ میں کرے گا تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ یہ

صورت بیع کی ہوئی۔

یہ بھی جائز ہوگا کہ حوض یا تالاب کی زمین مخصوص مدت، متعینہ اجرت اور متعینہ منفعت کے لئے اجارہ پر دے دی جائے، اجارہ پر دینے کی صورت میں کرایہ دار کو اس حوض یا تالاب سے مچھلی کے شکار یا کھانے وغیرہ کی کاشت کے ذریعہ انتفاع کا حق حاصل ہوگا، اس کے لئے بہتر صورت یہ ہوگی کہ مالکان حضرات حوض یا تالاب کو اجارہ پر دیتے وقت کرایہ دار کو ہر قسم کے انتفاع کی اجازت دے دیں، مدت اجارہ میں صرف کرایہ دار کو اس تالاب یا حوض سے انتفاع کا حق حاصل ہوگا کسی دوسرے شخص کے لئے اس سے منفعت حاصل کرنا یا اس کی مچھلی پکڑنا درست نہیں ہوگا۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کا مسئلہ

مولانا اختر امام عادل

تالاب یا نہر کی ٹھیکہ داری یا اس میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کی مختلف شکلیں ہیں:

۱- ایک شکل یہ ہے کہ نہر یا تالاب پانی سمیت فروخت کردیا جائے یا متعین مدت کے لئے کرایہ پر دے دیا جائے اس میں کسی خاص مقصد کی تعیین نہ کی جائے، تو یہ شکل فقہاء کے نزدیک جائز ہے، خواہ وہ نجی ملکیت کا ہو یا عوامی یا سرکاری ہو، اکثر کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

"جاز إجارة القناة والنهر مع الماء، به يفتى لعموم البلوى" (درمختار مع رد المحتار ۵/۴۳، فتاوی عالمگیری ۵/۱۱۲، فتاوی بزازیہ ۲/۹۹۴ وغیرہ)۔

۲- دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی حوض یا نہر یا تالاب فروخت نہ کیا جائے یا ٹھیکہ پر نہ دیا جائے، بلکہ اس کے پانی یا اس کے اندر موجود مچھلیوں پر معاملہ کیا جائے، وہ اس طرح کہ پہلے سے پلی ہوئی مچھلیوں کے شکار کے لئے یا مچھلی کے لئے نہر متعین کی جائے، یہ صورت فقہاء کے نزدیک جائز نہیں، یہ مسئلہ بھی کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

"ولا تجوز إجارته (الماء)، لأن الإجارة تمليك المنفعة لا تمليك العين، ولو استأجر حوضاً أو بئراً يستقي منه ماء لا يجوز، لأن هذا استيجار الماء، وكذا لو استأجر النهر ليصيد منه السمك، لأن هذا استيجار السمك" (بدائع الصنائع ۶/۱۸۹، ہندیہ ۵/۴۴۲، الطحطاوی علی الدرالمختار ۴/۳)۔

۳-تیسری شکل یہ ہے کہ تالاب کے اندر کی مچھلیاں فروخت کی جائیں۔

مبیع کی شرائط:

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع کے جواز کے لئے اس کا مال متقوم ہونا، بائع کی مکمل ملکیت میں ہونا اور مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے (رد المحتار ۴/۱۰۲، بدائع الصنائع ۵/۱۴۶)۔

حدیث پاک میں بھی اس مسئلہ کی بنیادی ہدایت ملتی ہیں۔

۱-حضرت حکیم بن حزامؓ فرماتے ہیں:

"نهى رسول الله ﷺ أن أبيع ما ليس عندي كالآبق أو ما لم يقبض، وقال الترمذي: هذا حديث حسن، وأيضا نهى النبي ﷺ أن أبيع ما ليس عند الإنسان" (الترمذي أبواب البيوع ۱/۲۳۳، مشکوۃ ۲۴۸)۔

(مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز بیچنے سے منع کیا ہے جو میرے پاس نہ ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام یا جو چیز قبضے میں نہ ہو)۔

۲-حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دھوکہ کی بیع اور کنکر پھینکنے والی بیع سے منع فرمایا ہے۔

"عن أبي هريرة قال نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر وبيع الحصاة" (ترمذی ۱۱۳)۔

خاص مچھلی کے بارے میں روایت ملتی ہیں۔

۳-حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تشتروا السمك في الماء، فإنه غرر" أخرجه أحمد والطبراني والبيهقي والدار قطني (الفتح الربانی ۱۵/۳۵)۔

(پانی کی مچھلیوں کو نہ خریدو، اس لئے کہ اس میں دھوکہ ہے)۔

۴- حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف بھی اسی مفہوم کا فتویٰ منسوب کیا گیا ہے (مجموعۃ الفتاویٰ ۵/ ۲۴۳، کذا فی المبسوط للسرخسی ۱۲/ ۱۱-۱۲)۔

تالاب کی مچھلیوں کی خرید و فروخت کی مختلف شکلیں:

ان روایات کی روشنی میں اتنی بات طے ہے کہ مچھلیوں کی بیع اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ انسان کی ملکیت میں مکمل طور پر، یعنی قبضہ کے ساتھ موجود نہ ہو، دوسرے یہ کہ مشتری کو حوالہ کرنا بآسانی ممکن ہو، تیسرے یہ کہ کوئی ایسی جہالت نہ ہو جو باعث نزاع ہو، تالاب کے اندر کی مچھلیاں شکار سے قبل انسان کی ملکیت میں ہوتی ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہوتی ہیں تو کب؟ اور کیا وہ مقدور التسلیم ہوتی ہیں؟ اس لحاظ سے مسئلہ کی کئی ذیلی شکلیں بن جاتی ہیں:

۱- بائع نے شکار کر کے مچھلیوں کو اپنے برتن میں محفوظ کر لیا ہو اس صورت میں ان مچھلیوں پر ملکیت بھی کامل ہے اور مقدور التسلیم بھی ہے، اس لئے ان کی بیع درست ہے۔

۲- مچھلیاں اس کے ذاتی تالاب میں ہیں، اور تالاب ایسا ہے جو مچھلیوں کی پرداخت ہی کے لئے بنایا گیا ہے تو اس صورت میں بھی مچھلیاں مالک تالاب کی ملکیت میں ہیں، خواہ اس نے مچھلیاں پالی ہوں یا باہر کہیں سے آگئی ہوں۔

۳- تالاب تو کھلا ہوا تھا، لیکن سیلاب یا بارش کی وجہ سے مچھلیوں کے اس میں آنے کا احساس ہوا تو اس نے ہر چہار طرف سے اس کو بند کر دیا تا کہ مچھلیاں بھاگ نہ سکیں، اس شکل میں بھی مچھلیوں کا مالک تالاب والا ہوگا۔

۴- اور اسی ذیل میں وہ شکل بھی آئے گی کہ کوئی کھلی نہر یا تالاب جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ سرکار نے کوئی بندوبست کیا ہے، ایسے تالاب میں کوئی شخص اپنا گڈھا کھود لے اور اس میں آئی ہوئی مچھلیوں کو محفوظ کر دے تو اس شکل میں بھی مچھلیاں اس کی ملکیت میں آجائیں گی۔

۵- لیکن جس صورت میں تالاب کھلا ہوا ہو محفوظ نہ ہو اور مچھلیاں باہر سے آتی جاتی

رہتی ہوں یہ مچھلیں تالاب والے کی ملکیت نہیں ہیں (فتح القدیر ۹ر ۹۰، شامی ۴ر ۱۱۹، کنز الدقائق ر۲۳۹، عالمگیری ۳ر ۱۱۲، بدائع ۵ر ۱۳۸)۔

آخری شکلیں جس میں کہ مچھلیوں کا انسان مالک ہی نہیں ہوتا بیع کرنا صحیح نہیں، اگر کرے گا تو بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ جو مملوک نہیں وہ معدوم ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مچھلیوں کی بیع روپے پیسے اور دراہم و دینار کے بجائے عروض کے عوض کی جائے تو یہ بیع باطل نہیں، بلکہ بیع فاسد ہوگی، اس لئے کہ خود سامان میں بھی مبیع بننے کی صلاحیت ہے، اس بنا پر یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ مبیع مچھلیاں نہیں خود عروض ہیں اور ثمن مسکوت عنہ ہے، اس طرح فساد محل بیع کے بجائے وصف بیع میں پیدا ہوتا ہے جس سے بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ بیع فاسد ہوگی، تفصیل کے لئے دیکھئے: (عنایہ علی الفتح ۹ر ۹۰، کذا فی الشامی ر۱۱۹)۔

اس کے علاوہ درمیان کی تین شکلیں جن میں مچھلیوں پر ملکیت حاصل ہوتی ہے، اگر مچھلیوں کو پکڑنا بآسانی ممکن ہو تو بیع جائز ہوگی، اور اگر مچھلیوں کو پکڑنا بآسانی ممکن نہ ہو بلکہ اس کے لئے حیلہ و تدبیر کرنا پڑے تو یہ بیع فاسد ہوگی، کیونکہ مچھلیاں مجہول غیر مقدور التسلیم ہیں (جامع صغیر ر۳۲۹، شامی ۴ر ۱۱۹، عرف الشذی ۱ر ۲۳۳)۔

اس تفصیل کی روشنی میں اصولی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس تالاب یا نہر میں مچھلیاں محفوظ یا مقدور التسلیم نہ ہوں ان مچھلیوں کی بیع شکار سے قبل درست نہیں، رہا یہ کہ آج کے دور میں اس کا بہت زیادہ رواج ہوگیا ہے اور یہ ایک طرح کی ضرورت بن گئی ہے تو صحیح ہے کہ شریعت اسلامیہ میں عرف کی بڑی اہمیت ہے اور: ''الثابت بالعرف کالثابت بالنص'' قرار دیا گیا ہے، مگر یہ اسی وقت جبکہ عرف یا ضرورت کسی نص کے خلاف نہ ہو، یعنی عرف یا ضرورت پر عمل کرنے سے کسی نص کا بالکلیہ ترک نہ لازم آتا ہو، عرف عام سے کسی نص کی تخصیص تو کی جاسکتی ہے، مگر کسی نص کا مکمل ترک درست نہیں، رہا عرف خاص تو وہ نص کی مخالفت نہ ہونے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ خاص علاقہ میں مؤثر ہوسکتا ہے، عام طور پر نہیں (نشر العرف ۲ر ۱۱۹،

مجمع الفقہی ۲/۳ مع الاشباہ ۱/۲۷۶)۔

یہاں زیر بحث مسئلہ میں اگر عرف کا خیال کیا جائے تو اوپر مذکورہ نصوص کا ترک لازم آتا ہے، اس لئے خیال یہ ہوتا ہے کہ عرف اس مسئلہ میں مؤثر نہیں ہے، پھر یہ مسئلہ کوئی آج کا پیدا شدہ نہیں ہے اور نہ اس کا عموم وشیوع نیا ہے، بلکہ یہ قدیم سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ احادیث پاک، آثار صحابہ اور شامی اور دیگر فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے (شامی ۴/۱۰۱)۔

اس کے باوجود یوسف سے لے کر خلف تک کے فقہاء نے شکار سے قبل تالاب میں آنے جانے والی مچھلیوں کے بیع کو جواز کا فتویٰ دیا، ہمارے اکابر دیوبند میں حضرت تھانوی اور مولانا عبدالحئی کے یہاں یہ مسئلہ آیا تو انہوں نے بھی انہیں فقہاء کے تقلید کی (امداد الفتاوی ۳/۰۷، فتاوی عبد الحی ۲۹۰)۔

ناجائز طور پر حاصل کردہ مچھلیوں کو خریدنا:

یہاں اہم ترین مسئلہ بازاروں سے ایسی مچھلیوں کی خرید کا ہے، ظاہر ہے کہ جن شکلوں میں تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت جائز ہے (اور یہ اس وقت جبکہ مچھلیاں مکمل مملوک اور مقدور التسلیم ہوں) تو اس طریق پر حاصل کردہ مچھلیوں کے خریدنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ وہ مچھلیاں جو ناجائز طور پر حاصل ہوتی ہیں ان کو بازاروں یا ٹھیکہ دار سے باوجود پوری صورت حال جانتے ہوئے خریدنا کیسا ہے؟ مذکورہ مباحث میں ناجائز طور پر حاصل کردہ مچھلیوں کی دو صورتیں سامنے آتی ہیں:

۱- بعض صورتوں میں تالاب کی مچھلیوں کا معاملہ بیع باطل کے ضمن میں آتا ہے اور یہ اس وقت جبکہ مچھلیاں مکمل ملکیت میں نہ ہوں اور ان کی خرید وفروخت دوہم ودرہم ودینار یا کرنسی سے ہوتی ہو، اس طور پر حاصل کردہ مچھلیوں کو خریدنا جائز نہیں، پہلا معاملہ ہی باطل ہے تو اس پر جس معاملہ کی بنیاد رکھی جائے گی وہ بھی باطل ہوگا، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ بیع باطل

(جس کے رکن یا محل میں خلل ہو) ملکیت یا کسی قسم کے حق تصرف کا فائدہ نہیں دیتا، خواہ صاحب معاملہ نے مبیع پر قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور جب مال خود مشتری اول کی ملکیت میں نہیں آیا تو مشتری ثانی مال غیر مملوک پر اس سے معاملہ کیسے کرسکتا ہے؟ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۹، ہدایہ ۳/۴۹)۔

۲- البتہ بعض صورتوں میں تالاب کی مچھلیوں کا معاملہ بیع باطل کے بجائے بیع فاسد کے ضمن میں آتا ہے اور یہ اس وقت جبکہ مچھلیاں مملوک نہ ہوں اور عروض کے عوض حاصل کی گئی ہوں یا مملوک ہوں مگر مقدور التسلیم نہ ہوں۔

بیع فاسد کے طور پر جو معاملہ ہوتا ہے اس کو فسخ کرنا ضروری ہے، لیکن اگر مشتری فسخ کرنے اور حاصل کردہ سامان واپس کرنے کے بجائے اس میں کوئی تصرف کردے، مثلاً اس کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کے طور پر دے دے وغیرہ، تو تصرف نافذ ہو جائے گا اور بائع اول کا جو حق استرداد اس مبیع کے ساتھ وابستہ تھا وہ ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ بیع فاسد باوجود فساد عقد کے مفید ملک ہے، اس بناء پر مشتری اول کا تصرف فی نفسہ درست ہے اور تصرف کے بعد اس مال کے ساتھ چونکہ حق عبد وابستہ ہو جاتا ہے اور بنا پر حق استرداد جو شریعت کی جانب سے بائع کو ملتا ہے وہ ختم ہو جائے گا، اس لئے کہ بندہ کمزور ہے اور کمزور کے حق کی رعایت مقدم ہوتی ہے (کنز الدقائق ۲۲۳، فتاوی بزازیہ ۱/۴۰۰، فتاوی شامیہ ۴/۱۳۲، ۴/۱۳۵)۔

البتہ چند تصرفات جائز نہیں، مثلاً خود کھانا یا خود پہننا، باندی ہے تو خود وطی کرنا، بائع کے ہاتھ فروخت کرنا یا باندی ہو تو شادی کرانا، اسی طرح اس صورت میں اس کے پڑوسی کو حق شفعہ بھی حاصل نہیں ہوتا (فتاوی بزازیہ ۱/۳۹۹، درمختار ۴/۱۳۵)۔

یہ تو مشتری اول کے لئے مسئلہ ہے، رہی یہ بات کہ کسی مسلمان کو جان بوجھ کر بیع فاسد کے طور پر حاصل کردہ سامان کو خریدنے کا کیا حکم ہے؟ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جان بوجھ کر ایسا مال خریدنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی مسلمان خرید لے تو وہ مال اس کی ملک میں آجائے گا اور شرعاً وہ ہر طرح کے تصرف کا مجاز ہوگا اس پر لازم نہیں کہ وہ اس معاملہ کو فسخ کرے، البتہ خریدنے

سے بچنے میں احتیاط زیادہ ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [illegible]

اس تفصیل کے مطابق بیع فاسد کے طور پر حاصل کردہ مچھلیوں کو جان بوجھ کر خریدنا باعث کراہت ہے، لیکن اگر کوئی خرید لے تو ان کا استعمال حلال طیب ہوگا۔

خلاصۂ جوابات:

۱۔ سرکاری یا غیر سرکاری تالابوں کی مچھلیوں کی بیع ٹھیکہ وغیرہ ان مچھلیوں کے پکڑے جانے سے پہلے شرعاً ناجائز ہے اور معروف صورتوں کے مطابق بیع کے وقت مچھلی مجہول یا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور عرف اس وجہ سے مؤثر نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مسئلہ منصوص ہے اور عرف نص کے مقابلے میں اس کا اعتبار ترک کر دیا جاتا ہے۔

۲۔ جس صورت میں مچھلیاں قبضے میں آ چکی ہوں اور ان کی بیع کی جائے تو اس کی بیع جائز ہے اور اگر معلوم ہو کہ مچھلیاں بیع باطل کے طور پر حاصل کی گئی ہیں تو ان کو خریدنا بالکل جائز نہیں اور اگر کوئی خرید لے تو بھی ان کا استعمال جائز نہ ہوگا، البتہ جن صورتوں میں مجہول یا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوتا ہے، اس طور پر حاصل کردہ مچھلیوں کو جان بوجھ کر خریدنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی خرید لے تو ان کا مالک ہو جائے گا اور ان کا استعمال اس کے لئے جائز ہوگا۔

☆☆☆

مچھلیوں کے مالک ہونے کی صورتیں اور خرید وفروخت کے احکام

مولانا وحید الدین قاسمی ☆

مچھلیوں کے مملوک ہونے کی چار صورتیں ہیں:

۱- اخذ

۲- اعداد

۳- انسداد

۴- پکڑ کر یا خرید کر ڈالنا (ارسال بعد الأخذ أو الاشتراء)

تالاب میں چار صورتیں متعارف ہیں اور ندی نالوں وغیرہ میں عموماً پہلی صورت پائی جاتی ہے، اگر کسی جگہ تیسری صورت، یعنی انسداد اور احراز متحقق ہو تو اس سے بھی مچھلیاں مملوک ہو جائیں گی۔

مچھلیوں کے مملوک ہونے کے لئے استیلاء حقیقی یا استیلاء حکمی کا ہونا کافی ہے، لہذا:

۱- اس بارے میں عرض ہے کہ ندی، نالے اور سرکاری تالاب کی مچھلیوں میں یہ دیکھا جائے گا کہ آیا صرف یہ مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہی ہیں یا غیر مملوک بھی ہیں، اگر غیر مملوک بھی ہوں تو ان کی بیع باطل ہوگی، یعنی سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوگی، اور اگر وہ مملوک تو ہوں، لیکن

☆ دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات۔

غیر مقدور التسلیم ہوں تو اس بیع کے بطلان اور فساد میں احناف کے یہاں اختلاف ہے، جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

لیکن ندی، نالوں کی مچھلیوں کی بیع کا جو طریقہ متعارف ہے اس صورت میں مچھلیوں کے سرکاری مملوک ہونے کی کوئی شکل نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ نہ تو سرکار کی طرف سے ان میں مچھلیاں پکڑ کر ڈالی جاتی ہیں اور نہ ندی، نالوں کا اعداد مچھلیوں کے لئے من جانب سرکار ہوتا ہے، اسی طرح احراز اور انسداد کا بھی سرکار کی طرف سے کوئی انتظام نہیں پایا جاتا ہے، لہذا ندی، نالوں کی مچھلیوں کی بیع متعارف طریقہ پر یقیناً باطل ہوگی۔

ہاں سرکاری تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت کا جو طریقہ متعارف ہے عموماً تالاب کی مچھلیاں سرکار کی ملک ہوتی ہیں، اس لئے کہ اب عموماً سرکاری تالابوں میں مچھلیوں کی پرورش یا کم از کم ان کے آنے کے بعد احراز اور انسداد کا انتظام کیا جاتا ہے، لہذا مچھلیاں سرکار کی مملوک ہو جائیں گی، اس صورت میں ان کی بیع غیر مملوک ہونے کی وجہ سے باطل نہ ہوگی، اس لئے کہ مملوک ہیں، ہاں مقدور التسلیم اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی بحث یہاں بھی ہوگی، الا یہ کہ اگر کوئی سرکاری تالاب ایسا ہے جس میں سرکار کیطرف سے مچھلیوں کے آنے کی کوئی تدبیر نہیں کی گئی ہے یا آنے کے بعد ان کے احراز اور انسداد کا کوئی نظم نہیں کیا گیا ہے تو پھر مچھلیاں سرکار کی مملوک نہیں ہوں گی اور ان کی بیع باطل ہوگی، اس لئے کہ شرائط انعقاد میں سے ایک شرط مبیع کا مملوک ہونا بھی ہے، لہذا جب یہ شرط منتفی ہے تو انعقاد عقد بھی منتفی ہوگا۔

"لا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد لعدم الملک" میں صاحب ہدایہ نے "لعدم الملک" سے عدم جواز کے بطلان کے معنی میں ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس صورت میں، جبکہ مچھلیاں غیر مملوک ہوں اور مباح ہوں تو ان کی بیع کے بطلان اور عدم انعقاد پر احناف اور دوسرے ائمہ سب کا اتفاق ہے گویا معقود علیہ کا مملوک ہونا انعقاد عقد کے لئے بالاتفاق شرط ہے، لہذا ندی، نالے اور ان سرکاری تالابوں کی مچھلیاں جو سرکار کی مملوک نہ

ہوں، یعنی اسباب ملک میں سے کوئی سبب نہ پایا گیا ہو، ان کی بیع غیر منعقد اور باطل ہوگی۔

۲- مچھلیوں کے غیر مملوک ہونے کی صورت میں گرچہ بیع باطل اور غیر منعقد ہوگی اور بیع باطل میں قبضہ کے بعد بھی مشتری کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ مبیع میں مشتری کوئی تصرف کر سکتا ہے لیکن صورت مسئولہ میں جب ٹھیکیدار یا خریدار ندی، نالے اور ان تالابوں سے جن کی مچھلیاں مملوک نہیں ہیں مباح ہیں ان کو پکڑ کر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرے یا کوئی مسلمان پوری صورت حال جانتے ہوئے خریدے تو جائز ہے، اس لئے کہ وہ مچھلیاں مباح ہیں، ہر شخص کے لئے ان سے انتفاع جائز ہے، جو چاہے شکار کرکے ان کو پکڑ سکتا ہے، اور پکڑنے کے بعد اس کی مملوک ہو جائیں گی۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

"الصید لمن أخذه او کما قال" (یعنی شکار پکڑنے والے کا ہے) (ہدایہ ۳/۰)۔

یعنی استیلاء علی المباح جس کی ایک صورت اصطیاد (شکار کرنا) بھی ہے حصول ملک کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جیسا کہ "الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۶۸" میں مذکور ہے۔

لہذا اس طرح کے ندی نالوں اور تالابوں سے مچھلیاں پکڑ کر لانے والوں کا ان مچھلیوں کو مارکیٹ میں فروخت کرنا اور دوسروں کا ان سے خریدنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے۔

"صاحب تنویر الابصار" نے شکار کو مستقل تجارت اور پیشہ بنالینے کو ناجائز اور مکروہ لکھا ہے لیکن صاحب "درمختار" شارح "تنویر الابصار" نے اس کے ذیل میں لکھا ہے کہ مصنف نے خود یہ کہا ہے کہ میں نے یہ اضافہ صاحب "اشباہ" وغیرہ کی اتباع میں کیا ہے، ورنہ میرے نزدیک تحقیق وہی کو مستقل تجارت اور پیشہ بنالینے کی اباحت حق کی ہے، اس لئے کہ یہ بھی کسب کا ایک طریقہ اور اس کی ایک قسم ہے اور کسب کی تمام مباح قسمیں ابا حت میں صحیح مذہب کے اعتبار سے برابر ہیں۔

تاتارخانیہ میں ہے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ جب شکار کو لہو ولعب کے لئے پکڑا تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے اور میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اگر شکار کو ضرورۃً پکڑا، بیچنے یا سالف یا

کسی دوسری ضرورت کے لئے تو کوئی حرج نہیں ہے (رد المحتار ۵؍ ۲۹۷)۔

لہذا ندی، نالوں اور ایسے تالابوں سے جن کی مچھلیاں مملوک نہ ہوں مباح ہوں تو ان کو پکڑنا اور بیچنا اور دوسروں کو ان سے خریدنا، نیز اس کو پیشہ بنالینا بھی بلا کراہت جائز ہے۔

پیشہ کے طور پر اس کو اختیار کرنے کی بات تو ضمناً آ گئی اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ غیر مملوک اور مباح مچھلیوں میں یہ باطل عقد ہوا تو اس کے بعد جب مشتری مچھلیوں کو ندی، نالوں اور تالاب سے پکڑ لے گا تو اس کی ملکیت ان پر ثابت ہوگی یا نہیں؟ پھر اس کے لئے ان مچھلیوں کو فروخت کرنا اور دوسروں کا اس سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی عقد باطل کی وجہ سے ان مباح مچھلیوں کی اباحت میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں تو جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس عقد باطل کی وجہ سے مشتری کے حق میں ان مچھلیوں کی اباحت میں کوئی فرق نہیں آیا، جیسے پہلے مباح تھیں اس عقد کے بعد بھی وہ مباح ہی ہیں پکڑنے کے بعد پکڑنے والے کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور اس کے لئے اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا۔

ہاں اس عقد باطل کی وجہ سے سرکار نے مباح چیز کے عوض میں جو معاوضہ لیا ہے وہ اس کے لئے درست نہیں، مباح چیز پر عوض لینا حرام ہے، لہذا سرکار کو یہ شرعاً حق نہیں تھا کہ وہ اس کا معاوضہ لے، لیکن وہ لے رہی ہے تو یہ اس کا ظلم ہے: "یترکهم وما یدینون علیه"۔

۳۔ تیسرا سوال مملوک غیر مقدور التسلیم مچھلیوں کی بیع سے متعلق ہے، اس لئے کہ سوال کی عبارت سے یہی ظاہر ہو رہا ہے وہ شخص تالاب اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بلا اصطیاد کے مچھلیاں پکڑی نہیں جا سکتیں، اگر اتنا چھوٹا تالاب ہے جس میں مچھلیاں بلا حیلہ کے آسانی سے پکڑی جا سکتی ہوں تو ان کی بیع کے جواز میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔

شرائط انعقاد بیع کی تفصیل میں یہ بات مذکور ہے کہ انعقاد عقد کے لئے مبیع کا موجود ہونا، مال ہونا، مملوک ہونا، جہاں شرط ہے اسی طرح عقد کے وقت مبیع کے مقدور التسلیم ہونے کی بھی شرط ہے اگر عند العقد مبیع مقدور التسلیم نہیں ہے تو بیع منعقد نہیں ہوگی، دیکھئے: (بدائع

البحر الرائق ۶/۷۳۔

علامہ کاسانی کی تشریح کے مطابق جب مبیع عقد کے وقت مقدور التسلیم نہ ہو گرچہ مملوک ہو تو ظاہر روایات کے اعتبار سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی اور امام کرخی کے نزدیک منعقد ہو جائے گی لیکن نافذ نہیں ہوگی گویا "ظاہر الروایت" میں انعقاد عقد کے لئے مبیع کا عند العقد مقدور التسلیم ہونا ضروری ہے اور امام کرخی کے نزدیک انعقاد عقد کے لئے مقدور التسلیم ہونا عقد کے وقت شرط نہیں ہے۔

صاحب "بحر الرائق" اور علامہ شامی نے "بیع الطیر فی الھواء" کے ذیل میں امام کرخی کے ساتھ امام طحاوی کو بھی ذکر کیا ہے، یعنی کہ وقت مملوک تو ہو لیکن غیر مقدور التسلیم بعد العقد سے بیع صحت اور جواز کی طرف نہیں لوٹے گی اور امام کرخی وطحاوی کے نزدیک تسلیم کے بعد صحیح ہو جائے گی (شامی ۴/۱۰۰، بحر الرائق ۶/۷۳)۔

صاحب "فتح القدیر" علامہ ابن ہمام نے "بیع آبق" کے ذیل میں اس اختلاف کو ذکر کیا ہے، عبارت یہ ہے:

"اگر آبق واپس آ گیا اور حال یہ کہ مالک نے اس کو جس شخص سے بیع کیا تھا جس کے پاس وہ نہیں تھا تو کیا وہ بعد البیع تسلیم سے بیع جائز ہو جائے گی؟ تو ظاہر الروایۃ کے مطابق صحیح نہیں ہوگی، اور یہی امام محمد سے مروی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیع باطل ہے اور یہی مشائخ بلخ اور ثلجی کے نزدیک مختار ہے، اس لئے کہ شرط کا وجود عند العقد ہونا ضروری ہے اور ایک دوسری روایت میں امام محمد سے ہے جو امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ آبق میں مالیت اور ملک کے قیام کی وجہ سے بیع جائز ہو جائے گی۔ امام کرخی اور مشائخ کی جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ یہ بیع فاسد ہو (باطل نہ ہو)" (فتح القدیر ۶/۲۰۰)۔

پھر علامہ ابن ہمام نے اس اختلاف روایت یا اختلاف مشائخ کی بنیاد اور منشا کو ذکر کیا ہے:

"پس حق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں روایت اور مشائخ کا اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ یہ باطل ہے یا فاسد ہے، کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ بیع فاسد میں ارتفاع مفسد سے بیع صحیح ہوجاتی ہے، اس لئے کہ فساد کے ساتھ بھی بیع کا قیام (شرعاً) ہوتا ہے، اور ارتفاع مبطل سے بیع صحیح نہیں ہوتی، اس لئے کہ صفت بطلان کے ساتھ بیع کا شرعاً وجود ہی نہیں ہوتا، بلکہ بیع معدوم ہوتی ہے" (ایضاً)۔

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب مبیع مملوک تو ہو لیکن غیر مقدور التسلیم ہو تو اس کے بطلان اور فساد میں مشائخ کا اختلاف ہے اور روایت بھی مختلف ہے۔

لہذا مچھلیاں بھی جب مملوک ہوں لیکن غیر مقدور التسلیم ہوں تو ان کی بیع کے باطل یا فاسد ہونے میں بھی اختلاف ہوگا، مشائخ بلخ اور ثلجی وغیرہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہوگی اور امام کرخی اور طحاوی اور مشائخ احناف رحمہم اللہ کی ایک جماعت کے نزدیک یہ بیع فاسد ہوگی۔

جیسا کہ صاحب "بحر" نے لکھا ہے:

"والحاصل أن عدم جوازه قبل أخذه لعدم ملكه، فإن أخذه ثم ألقاه في حظيرة كبيرة لعدم جوازه لكونه غير مقدور التسليم، فإن سلمه بعد ذلك فكالروايتين في بيع الآبق إذا سلمه" (بحر الرائق ۶، ص ۷۸)۔

(حاصل یہ کہ شکار کو پکڑنے سے پہلے اس کی بیع کا عدم جواز اس کے غیر مملوک ہونے کی وجہ سے ہے، لیکن اگر شکار کو پکڑا پھر اس کو ایک حوض بڑے حوض میں ڈال دیا تو پھر سے بیع کا عدم جواز اس کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ہے، پھر اگر اس کو اس عقد کے بعد حوالہ کر دیا تو اس صورت میں بھی وہی دو روایتیں ہوں گی جو بیع آبق میں ہیں جب کہ بیع بعد العقد اس غلام کو مشتری کے حوالہ کر دے، اب دونوں قولوں اور روایتوں سے کون سا قول اور کون سی روایت راجح ہے)۔

صاحب "فتح القدیر" علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

"والوجه عندي أن عدم القدرة على التسليم مفسد لا مبطل"

(۲۰۰/۵)۔

(میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ غیر مقدور التسلیم ہونا مفسد عقد ہے عقد کو باطل کرنے والا نہیں)۔

جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے:

لہٰذا جب اس مسئلہ میں اختلاف ہے، روایتیں مختلف ہیں، مشائخ کے دو قول ہیں، صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع باطل نہیں ہوگی بلکہ فاسد ہی ہوگی۔ حضرت تھانویؒ اور صاحب "اعلاء السنن" کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور احناف کے یہاں معاملات میں توسع بھی ہے، لہٰذا اس قول کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

یعنی مچھلیاں جب تالاب میں موجود ہوں اور مملوک بھی ہوں تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں ہوگی۔

۲- اس سوال کا جواب ماسبق سے واضح ہوگیا، اس لئے کہ حوض یا تالاب میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے آجائیں اگر مالک تالاب یا کسی شخص نے ان کے آنے کی کوئی تدبیر نہیں کی ہے یا آنے کے بعد ان کے احراز اور انسداد کا کوئی نظم نہیں کیا گیا ہے، نیز وہ تالاب مچھلیوں کی پرورش کے لئے تیار کئے گئے ہیں تو وہ مچھلیاں غیر مملوک اور مباح ہیں ان کی بیع کا وہی حکم ہوگا جو سوال نمبر (۱) کے جواب میں تحریر کیا گیا۔

اور اگر ان کے آنے کی کوئی تدبیر کی گئی ہے یا آنے کے بعد ان کے احراز اور انسداد کا سامان کیا گیا ہے یا تالاب اسی لئے بنائے گئے ہیں تو ان کی مچھلیاں تدبیر کرنے والے کی مملوک ہوں گی، ان کی بیع کا حکم وہی ہوگا جو سوال نمبر (۳) کے جواب میں ذکر کیا گیا، یعنی غیر مملوک

ہونے کی صورت میں ان کی بیع باطل ہوگی لیکن شکار کے بعد مشتری کے لئے ان مچھلیوں کو بیچنا اور دوسروں کا باوجود صورت حال کو جانتے ہوئے خریدنا جائز ہوگا، اس لئے کہ وہ مچھلیاں مباح تھیں لہذا پکڑنے کے بعد اس کی مملوک ہو جائیں گی اور اس میں اس کے لئے تصرف کرنا جائز ہوگا۔ ہاں بائع کے لئے ثمن کو استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ واپس کرنا ضروری ہے۔

اور مملوک ہونے کی صورت میں ان کی بیع فاسد ہوگی۔ بائع کی اجازت سے قبضہ کے بعد مچھلیاں مشتری کی ملک بن جائیں گی اور اس کے لئے ان کو فروخت کرنا جائز ہوگا اور دوسرے لوگ اس سے خرید بھی سکتے ہیں۔

خلاصۂ جوابات:

ندی، نالے، نہروں، تالابوں کی مچھلیاں جو کسی کی مملوک نہ ہوں وہ صید البحر ہیں۔ ہر ایک کے لئے ان کو پکڑنا، شکار کرنا مباح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"أحل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة" (سورۂ مائدہ: ۹۶)۔

(تمہارے واسطے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے فائدے کے لئے اور مسافروں کے لئے حلال کیا گیا)۔

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

"الصید لمن أخذ" (ہدایہ ۴)۔

(شکار پکڑنے والے کا ہے)۔

لہذا یہ مچھلیاں جب تک مملوک نہ ہو جائیں، خواہ حقیقی استیلاء کے ذریعہ یعنی شکار کرکے یا حکمی استیلاء سے، یعنی کسی ایسے عمل کے کرنے سے جو مچھلیوں کو فرار سے عاجز کردے اس وقت تک ان کی بیع غیر منعقد اور باطل ہوگی یعنی شرعاً بیع کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا جائے گا، لہذا

اس پر بیع کے نتائج ثمرات اور احکامات مرتب نہیں ہوں گے، اس لئے کہ انعقادِ عقد کے لئے مبیع کا مملوک ہونا بالاتفاق شرط ہے۔

۲- گرچہ مذکورہ صورت معاملہ شرعاً ناجائز ہے، لیکن پھر بھی ٹھیکہ دار کے لئے ندی، نالے، نہروں اوران تالابوں سے مچھلیوں کے شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا جائز ہے اور ہر مسلمان کے لئے پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلیوں کو خریدنا جائز ہے۔

۳- ایسے تالاب یا حوض کی مچھلیاں جس میں مچھلیوں کے روکنے کا کوئی نظم کیا گیا ہو یا تالاب کو مچھلیوں کے پالنے ہی کے لئے بنایا گیا ہو یا اس میں مچھلیاں لاکر چھوڑی گئی ہوں تو وہ مچھلیاں ان وجوہات مذکورہ کی وجہ سے مملوک ہو جائیں گی، لیکن شکار سے پہلے غیر مقدور التسلیم رہیں گی۔

ظاہر الروایہ کے اعتبار سے بیع کے انعقاد کے لئے مبیع کا مقدور التسلیم ہونا بھی شرط ہے اگر مبیع غیر مقدور التسلیم ہے تو بیع غیر منعقد اور باطل ہوگی (بدائع الصنائع ۵؍ ۱۴۷)۔

لیکن امام کرخیؒ امام طحاویؒ اور مشائخ احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اگر مبیع عند العقد مقدور التسلیم نہ ہو اور عقد کے بعد وہ مقدور التسلیم ہو جائے تب بھی بیع منعقد ہو جائے گی، لیکن فساد کے ساتھ (شامی ۴؍ ۱۰۷، البحر الرائق ۶؍ ۳۷)۔

۴- اس سوال کا جواب سابقہ جوابوں سے معلوم ہو گیا کہ اگر بارش وغیرہ کے ذریعہ مچھلیوں کے آجانے کے بعد ان کے احراز اور انسداد وغیرہ کا کوئی نظم نہیں کیا گیا اور آنے کے لئے بھی کوئی تدبیر نہیں کی گئی اور نہ تالاب کو مچھلیوں کے پالنے کے لئے بنایا گیا تھا تو وہ مچھلیاں غیر مملوک ہوں گی، ہر شخص کے لئے ان کا پکڑنا مباح ہے، اس صورت میں ان کی بیع غیر مملوک اور مباح ہونے کی وجہ سے باطل ہوگی۔

اور اگر احراز وانسداد وغیرہ کی کوئی صورت پائی گئی ہے تو یہ مچھلیاں مملوک ہو جائیں گی، لیکن قبل الاخذ (تالاب کے بڑا ہونے کی صورت میں) غیر مقدور التسلیم ہیں، لہٰذا ان کی بیع

فاسد ہوگی بائع کی اجازت سے قبضہ کر لینے کے بعد مشتری کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، لیکن چونکہ یہ ملکیت خلاف شرع طریقہ سے حاصل ہوئی ہے اس لئے اس مشتری کے لئے اس مبیع کو خود استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر وہ دوسرے سے فروخت کردے تو دوسرے کے لئے خریدنا اور استعمال کرنا درست ہے۔

☆☆☆

نیچے کی زمین کا۔ اگر پانی کو، نہیں تو یہ اجارہ استہلاک عین پر ہوتا ہے۔ پانی کو صرف کئے بغیر فائدہ نہیں مل سکتا، لہٰذا یہ ناجائز ہوا، یونہی اگر مچھلی کو لیجیے تو یہاں بھی استہلاک عین ہے یہ بھی ناجائز اور پانی کے نیچے کی زمین کا اجارہ بھی ناجائز کہ وہ فی الحال انتفاع کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور صحت اجارہ کے لئے فی الحال معقود علیہ کا قابل انتفاع ہونا ضروری ہے، امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں

"أن الإجارة تعتمد صلاحية الانتفاع بالنفع المقصود المعتاد في الحال لا في المآل" (فتاوی رضویہ ۸/۱۵۹)۔

بالجملہ مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب وغیرہ کا ٹھیکہ بمطابق اصل مذہب و موافق قواعد فقہیہ ناجائز و ممنوع ہے۔

۲۔ بازاروں، سرکاری درختوں، سرکاری زمین میں خودرو درختوں کی نیلامی کا بیان: ان مسائل کے متعلق کچھ تحریر کرنے سے قبل یہ وضاحت خالی از فائدہ نہ ہوگی کہ ٹھیکہ اور نیلامی اجارہ کے اقسام سے ہیں، یہ دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے۔

فقہ کے نزدیک نیلامی کا مفہوم عام ہے جس کا تحقق کبھی ٹھیکہ کے ضمن میں ہوتا ہے، اور کبھی بیع کے ضمن میں ہوتا ہے، مگر ٹھیکہ تو وہ اجارہ ہی کی ایک قسم ہے، جیسا کہ "بہار شریعت" میں ہے ٹھیکہ اور کرایہ اور نوکری یہ سب اجارہ ہی کے اقسام ہیں (دیکھئے بہار شریعت ۱۴/۱۰۰)۔

اس مختصر سی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ بازار اور درخت کی نیلامی سے مراد اگر ان کی بیع و شراء ہے کہ گورنمنٹ انہیں فروخت کرتی ہے اور لوگ بولی لگا کر خریدتے ہیں تو یہ جائز ہے کہ "أحل الله البيع وحرم الربوا" (سورہ بقرہ) اور "إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم" کا یہی مفاد ہے، اس نیلامی کو "بیع من یزید" اور "بیع مزایدہ" کہتے ہیں احادیث میں بھی اس کے جواز کا بیان ہے:

"عن أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ باع حلسا بدرهم، فقال

النبی ﷺ من یزید علی درهم فاعطاه رجل درهمین فباعها منه" (ترمذی ۱/۲۳۱)۔

علامہ محشی فرماتے ہیں: "بیع من یزید ای بیع المزایدۃ" (ترمذی ۱/۲۳۱)۔

"بخاری شریف" میں ہے:

"ان رجلا اعتق غلاما له عن دبر فاحتاج فاخذه النبی ﷺ فقال من یشتریه منی فاشتراه نعیم بن عبد الله بکذا و کذا فدفعه الیه" (بخاری ۱/۲۸۷، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ۴/۲۸۲، نزہۃ القاری ۵/۲۹۹، نووی شرح مسلم ۲/۳، بہار شریعت ۱۱/۱۳۹، ردالمحتار ۵/۲۳)۔

شکار کئے بغیر مچھلیوں کی بیع وشراء فقہاء کرام کی نظر میں:

کسی شئی کو فروخت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو چیز بیچی جارہی ہے وہ بائع کی مملوک ہو اور مقدور التسلیم یعنی اس کی حوالگی اور سپردگی ممکن ہو۔

اب جو مچھلیاں پانی سے شکار کئے بغیر فروخت کی جارہی ہیں اگر وہ مملوک اور مقدور التسلیم ہیں تو بلاریب اس کی بیع پانی میں بھی جائز و درست ہے اور ان دونوں امر میں سے کوئی ایک مفقود ہو یا دونوں مفقود ہوں تو بیع جائز نہ ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے ہدایہ ۳/۵۰)۔

بیع کے عدم جواز کی صورت میں مچھلیوں کا حکم:

کسی شئی کی بیع کا فساد و عدم جواز اگر اس مبیع کے مجہول، یا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ہو تو اس بیع کے ناجائز ہونے پر تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے مگر فساد و بطلان میں اختلاف ہے، امام شیخ الاسلام و مشائخ بلخ اور اساتذہ شمس الائمہ سرخسی سے ایک جماعت کے مذہب پر ایسی بیع باطل ہے۔

اس مذہب پر مشتری کے قبضہ کے باوجود مبیع اس کے لئے جائز و حلال نہ ہوگی۔

اور امام اعظم و امام محمد رضی اللہ عنہما سے ایک روایت پر ایسی بیع صرف فاسد ہوتی ہے نہ

المنازعۃ ہو، اور اگر جہالت عرف وتعامل سے ختم ہو جائے یعنی "مفضی الی النزاع" نہ ہو تو وہ مانع صحت عقد نہیں رہ جاتی۔

۳- صحت بیع کے لئے مبیع کا حقیقۃ مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضروری نہیں، بلکہ حکما مقدور التسلیم ہونا کافی ہے۔

۴- جس شئی کے سپرد کر دینے کا ظن ہو وہ حکما مقدور التسلیم ہوتی ہے۔

۵- بیع فاسد میں علت فساد کے ارتفاع سے بیع صحیح ہو جاتی ہے۔

۶- فقہاء کرام نے بہت سے مسائل میں اصل مذہب اور قیاس کے خلاف بر بناء عرف وتعامل وغیرہ فتوی دیا ہے۔

۷- جو اجارہ استھلاک عین پر ہو وہ بمطابق اصل مذہب ناجائز ہے۔

۸- فقہاء کرام نے عموم بلوی اور تعامل کی وجہ سے استھلاک عین پر اجارہ کو بھی جائز فرمایا۔

۹- تالاب وغیرہ کا ٹھیکہ بعض علماء کرام کے نزدیک بوجہ عرف وتعامل جائز ہے۔

اور مقاصد شرع کا ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق وتیسیر پسند فرماتی ہے، نہ کہ معاذ اللہ تضییق وتشدید "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" (سورہ)۔

اسی طرح رحمت عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا" (مشکوٰۃ، ۳۲۴)۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ایسی دقتیں پیش آئیں علماء کرام انہیں روایات کی طرف جھکے جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں، ان تمام امور کو سامنے رکھتے ہوئے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

جوابات:

۱- مچھلیوں کے شکار کے لئے سرکاری تالاب وغیرہ کا ٹھیکہ گوکہ بمطابق اصل مذہب

وقیاس ناجائز ہے، مگر اب عرف وتعامل اور عموم بلویٰ کے پیش نظر فقیر ان تمام کا ٹھیکہ جائز سمجھتا ہے (جیسا کہ دلائل اوپر مذکور ہوئے) اور اگر ٹھیکہ لینے کے بجائے خاص کر مچھلیوں کی بیع وشراء کا مسئلہ دریافت طلب ہے تو یہ بھی بمطابق اصل وقیاس فاسد وناجائز ہے (کما مرفی بیع السمک)۔ اب اگر عدم جواز کی علت مبیع کا مجہول ہونا قرار دیں تو جیسا کہ باب دوم میں گزرا کہ جو جہالت مفضی الی النزاع نہ ہو وہ مفسد عقد نہیں رہ جاتی، اس لئے پانی میں مچھلیوں کی بیع وشراء میں گو کہ جہالت ہے مگر تعامل کے سبب وہ جہالت باعث نزاع نہیں رہتی، اس نے پانی سے نکالے بغیر بھی مچھلیوں کی بیع جائز ہونی چاہئے۔

اور اگر عدم جواز کی علت مچھلیوں کا غیر مقدور التسلیم ہونا قرار دیں تو اس میں یہ تفصیل ہونی چاہئے:

مچھلیاں اگر تالاب کی ہیں اور تالاب ایسا ہے کہ مچھلیاں اس میں سے آجا نہیں سکتی ہیں اور ان کا پیر کرنا مظنون ہو، تو کہ جال وغیرہ کی سے ہی، تو ایسی مچھلیوں کی بیع وشراء پانی سے نکالے بغیر بھی صحیح ہونی چاہئے، کیونکہ مبیع مقدور التسلیم ہے "وھو کاف لصحۃ العقد کما مر"۔

اور اگر تالاب ایسا ہے کہ مچھلیاں اس میں سے ادھر ادھر آجا سکتی ہیں، جیسا کہ ندی نالوں میں ہوتا ہے تو چونکہ ایسی صورت میں بیع کا بے دکرنا مظنون نہیں ہے، ہذا وہ مقدور التسلیم نہیں رہتیں، اس لئے ایسی مچھلیوں کی بیع وشراء تالاب کے اندر ہی رکھتے ہوئے ناجائز ہوگی، اور یہی حال ندی نالوں کا بھی ہوگا۔

۲- اگر ٹھیکہ لیکر مچھلیاں حاصل کرتا ہے تو جواب اول سے ہی اس کا حکم واضح ہے کہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

اور اگر خود ان مچھلیوں کو مذکورہ طریقے پر خریدا ہے جن صورتوں میں یہ بیع جائز ہے اس کا حکم ظاہر ہے۔

اور جن صورتوں میں یہ بیع ناجائز ہے تو چونکہ یہ بیع باطل نہیں، بلکہ فاسد ہے،'' کما مر التحقیق'' لہذا جب ان مچھلیوں کو شکار کر کے باذن بائع ان پر قابض ہو گیا تو اب ان مچھلیوں کو ٹھیکہ دار سے کوئی دوسرا خریدے، خواہ مسلم ہو، یا غیر مسلم اس کا خریدنا درست رہے گا (کما ھو مذکور من قبل)۔

۳- چونکہ مذکورہ صورت میں وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہے، جیسا کہ باب دوم میں اس کی تفصیل گزر چکی، لہذا اگر ان مچھلیوں کا سپرد کرنا مظنون ہو تو تالاب و حوض میں بھی انکا بیچنا درست ہے، (کما ھو التحقیق) اور اگر ٹھیکہ پر دیتا ہے تو اس کا حکم اول سے واضح ہو چکا۔

۴- مچھلیوں کے مالک بننے کی جو صورتیں ماقبل میں مذکور ہوئیں اگر ان میں سے کسی کے ذریعہ مالک بن گیا تو اگر ان کا سپرد کرنا مظنون ہو تو ان کی بیع درست ہوگی، ورنہ نہیں۔

اور اگر نجی تالاب، یا حوض کو ٹھیکہ پر دیتا ہے تو اس کا حکم ظاہر ہو چکا ہے اور اگر عوامی تالاب ہے تو کسی فرد واحد کا کسی فرد واحد کو اس کا ٹھیکہ دینا اسی وقت درست ہوگا، جبکہ عوام اس ایک کو وکیل بنا دیں، ورنہ وہ تالاب اور اس کی مچھلیاں اپنی اباحت اصلیہ پر باقی رہیں گی اور کسی ایک خاص فرد کا ہی اس سے انتفاع ناجائز ہوگا۔

☆☆☆

مچھلیاں نکالے بغیر فروخت کرنا درست نہیں جس کے اسباب کی وضاحت یوں ہیں۔

۱- جہالت مبیع: "وكل جهالة هذه صفتها أى تفضى المنازعة تمنع الجواز وهذا هو الأصل الكلي"۔

(یعنی ہر وہ جہالت جو مفضی الی المنازعۃ (ممکن ہو) جواز کے لئے مانع بنے گی اور معاملات کے باب میں یہ بہت ہی اہم کلیہ ہے) (ہدایہ ۳/۲۱)۔

۲- "(ومن الوجوه الفاسدة) وكذا إذا وقع الخلل فيه (فى المبيع) من جهة كونه غير مقدور التسليم" (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۲۲) یعنی مبیع ملکیت میں ہو، مگر قدرت علی التسلیم نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

۳- عرف کا نصوص شرعیہ کے من کل وجہ مخالف ہونے کی وجہ سے: "قال عليه السلام: لا تشتروا السمك فى الماء، فإنه غرر" (اخرجہ الطبرانی والبیہقی والدارقطنی واحمد (الفتح الربانی ۱۵/۳۵)۔

وعن أبى هريرةؓ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن البيع الغرر والحصاة، وقال الشافعىؒ "ومن بيع الغرر بيع السمك فى الماء" (ترمذی ۱/۲۳۳، تکملہ فتح الملہم ۱/۳۲۰)۔

اور پھر ضرورت شدیدہ بھی اس کی متقاضی نہیں، باوجودیکہ ضرورت اس وقت مؤثر ہوتی ہے، جبکہ نص صریح اس کے خلاف موجود نہ ہو۔ "المشقة والحرج إنما يعتبران فى موضع لا نص فيه" (الاشباہ لابن نجیم ۱/۲۷)۔

اس لئے مذکورہ بالا وجوہات کے پس منظر میں جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور اسی کی تصویب ماضی قریب کے علماء راسخین کی تصانیف سے بھی ہوتی ہے، فقیہ اعصر ابو الحسنات، حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں: "شکار کرنے سے پہلے مچھلی کو فروخت کرنا جائز نہیں، نیز مجدد الملۃ، حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: دوسرا حکم مملوک مچھلیوں کا بیع کرنا سوا اس

اور اسی کے ساتھ ظاہر الروایہ بھی ہے، دیکھئے: (مبسوط محمد ۵؍ ۹۳، المبسوط للسرخسی ۲۳؍ ۱۰۱-۱۰۲، جامع الصغیر ۴۶۹)۔

حاصل جواب یہ ہے کہ تالاب یا حوض کسی کی نجی ملکیت میں ہو اس میں چاہے مچھلیاں پالی ہوں یا اور کسی طرح ملک میں داخل ہوگئی ہوں، الغرض ان کا مالک صاحب تالاب ہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تالاب کی مچھلیاں بغیر شکار کے فروخت کرے، ہاں ایک صورت ہے جسے اختیار کیا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ تالاب کو زمین اور پانی سمیت اجرت پر دیا جائے تو یہ صورت درست ہوگی (تفصیل جواب نمبر ۳ میں آرہی ہے)۔

۳- اجارہ کہتے ہیں اجرت معلومہ کے عوض منافع معلوم کے مالک بنانے کو" (الاجارۃ هي بيع منفعة معلومة بأجر معلوم" (کنز الدقائق) "الإجارة عقد يفيد تمليك منفعة معلومة مقصودة من العين المستأجرة بعوض" (کتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۳؍ ۹۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اجارہ میں منفعت کا مالک ہوا جاتا ہے، لہذا جن صورتوں میں استہلاک عین لازم آئے گا اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد در پیش مسئلہ میں غور وخوض کرنا ہے کہ کن صورتوں میں تالاب کو اجارہ پر دینا صحیح ہے اور کن میں نہیں، کیونکہ فقہی عبارات کا مطالعہ بتلاتا ہے کہ تالاب کو اجرت پر دینے کی مختلف صورتیں ہیں اور حکم بھی ہر ایک کا جداگانہ ہے۔

۱- ایک صورت یہ ہے کہ تالاب کسی کی ذاتی ملک ہے یا حکومت وقت کو اس پر استیلا حاصل ہے، اگر زمین اور پانی سمیت تالاب کو اجارہ پر دینا چاہے تو یہ اجارہ درست ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے (الدر المختار ۵؍ ۴۳، فتاویٰ قاضی خان ۲؍ ۹۹، فتاویٰ تنقیح ۱؍ ۱۴، کتاب الفقہ ۳؍ ۹۴)۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ تالاب کو مچھلیاں شکار کرنے کے لئے اجرت پر دیا جائے، اسی کا ذکر سوالنامہ میں ہے تو چونکہ اس صورت میں استہلاک عین لازم آتا ہے جو کہ بیع کی صفت

ہے، اس لئے اجارہ فاسد ہوجائے گا اور مالاً چونکہ بیع ہے، اس لئے حضور علیہ السلام کی ایسی بیع پر نہی صریح وارد ہونے کی وجہ سے عرف اور تعامل کا بھی اعتبار کرسکتے اور نہ ہی مشقت وحرج موثر ہوسکتی ہے، اس لئے کہ نص کے ہوتے ہوئے عرف اور مشقت وحرج کا اعتبار فقہاء نے نہیں کیا ہے، مگر جبکہ عرف عام سے نص کی محض تخصیص لازم آئے، ملاحظہ ہو: (نشر العرف ۱۱۲، رسم المفتی ۸۰، الاشباہ لابن نجیم ۱/۱۷۲) ولم یجز اجارۃ برکۃ لیصاد منھا السمک (ردالمحتار ۶/۴۳)۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ تالاب کا پانی یا مچھلیاں ہی اجارہ پر دے دیا جائے، یہ صورت بھی جائز نہیں ہے

"ولا یصح اجارۃ الشرب لوقوع الاجارۃ علی استھلاک العین" (ردالمحتار ۶/۴۶ مکتبہ ماجدیہ، نیز دیکھئے بدائع الصنائع ۴/۱۹۰، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/۱۲۹)۔

جائز صورت:

اس سلسلہ میں حضرت عمر بن الخطاب کی ایک اجازت بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔

"ونقل عن أبي يوسف في كتاب الخراج عن أبي الزناد قال: كتبت إلى عمر بن الخطاب في بحيرة يجتمع فيها السمك بأرض العراق أنؤجرها؟ فكتب إلي أن افعلوا".

(امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں ابوالزناد سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے سرزمین عراق میں ایک تالاب کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کو لکھا جس میں مچھلیاں جمع ہوا کرتی تھیں کہ کیا ہم اس کو اجرت پر دے سکتے ہیں؟ تو حضرت عمر فاروقؓ نے ہمیں اثبات میں جواب دیا)۔

یعنی تالاب کو اجارہ پر شکار کے لئے دے اور متعین کرے تو یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

جیسا کہ علامہ شامی کی رائے سے معلوم ہوتا ہے اور پھر اس سلسلہ میں عرف وعادت کو بھی پس پشت نہیں ڈال سکتے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تالاب میں مچھلیاں فروخت کرنے کی اجازت دی جائے، چونکہ وہ اور شئی ہے جس میں بہت سی خرابیوں کے ساتھ نصوص قطعیہ کی مخالفت بھی ہے۔

خلاصہ جواب یہ کہ کوئی حوض یا تالاب کسی کی نجی ملکیت میں آچکی ہو تو جگہ اور مدت کی تعیین کیساتھ شکار کے لئے اجارہ پر دے سکتے ہیں، جیسا کہ شامی کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور اگر عوامی ملکیت کا تالاب کسی کمیٹی کے تحت ہے تو بھی مذکورہ بالا شرط کے مطابق اجارہ پر دینا درست ہوگا اور دونوں صورتوں میں ٹھیکیدار کوہی مکمل نفع حاصل کرنے کا حق ہوگا اور دوسروں کو منع بھی کر سکتا ہے اگر ٹھیکیدار نے اجارہ پر لیا ہے۔

☆☆☆

درست نہ ہوگا، جس طرح فقہائے احناف نے چراگاہ کو گھاس کے لئے یا جھاڑی کو شکار کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دینا استہلاک عین کی وجہ سے ناجائز لکھا ہے، اس کا بھی یہی حکم ہے، "الفتاوی الہندیہ" میں ہے:

"نہر نالے یا کنویں کو اجارہ پر لینا درست نہیں اور اگر پانی کے ساتھ نہر نالے کو اجارہ پر لیا تب بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں اصلاً استہلاک عین ہے........ اور جھاڑی یا نہروں کو مچھلی وغیرہ کے لئے یا چراگاہ کو اجارہ پر لینا جائز نہیں مانا (فتاوی ہندیہ ۴؍ ۴۴۱)۔

"درمختار" میں ہے:

"ولم تجز إجارة بركة ليصاد منها السمك" (درمختار ۴؍ ۱۱۹)۔

(مچھلی کے لئے تالاب کا اجارہ نہیں)

لیکن اس زمانہ میں، جبکہ تالاب وغیرہ کو عموماً ٹھیکہ پر لیا جاتا ہے اور اس کو آمدنی اور تجارت کا بہت بڑا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے اور اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل شرعی نصوص صریحہ میں موجود نہیں ہے اور متقدمین سے ظاہر الروایہ کے خلاف روایات مروی ہیں اور انہوں نے اس کے جواز کے فتویٰ کو اہتمام عام اور عرف کی وجہ سے درست لکھا ہے "مبسوط سرخسی میں ہے"

"ہشام نے امام محمد سے روایت کیا ہے کہ اگر اس کام کے لئے کسی متعین کو اجارہ پر لیا جائے تو جائز ہے، اس لئے کہ جگہ کی تعیین سے جہالت ختم ہو جاتی ہے اور وہ منفعت مقصود ہے بنا بریں اس مقصد کے لئے اجارہ درست ہے" (مبسوط ۱۶؍ ۳۲)۔

"وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء، به يفتى لعموم البلوى" (درمختار ۵؍ ۲۴۳)۔

۲- مچھلی کا مملوک اور غیر مملوک ہونا:

اس کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا الگ حکم ہے:

۱- مچھلی پکڑ کر یا خرید کر تالاب میں چھوڑے، اس صورت میں مچھلی اور اس کی نسل سب اس چھوڑنے والے کی مملوک ہیں، دوسرے کو بلا اذن پکڑنا درست نہیں۔

۲- خود پکڑ کر یا خرید کر انہیں چھوڑا، لیکن مچھلیوں کے آنے کی کوئی خاص تدبیر یا آجانے کے بعد ان کے روک لینے کا کوئی خاص انتظام کیا ہے، اس صورت میں اس اعداد اور سامان انسداد سے بھی اس شخص کی ملکیت ہو جاتی ہے۔

۳- مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی نہیں، بلکہ قدرتی طور پر مچھلیاں پیدا ہو گئیں یا بارش میں کہیں سے آگئیں، نہ ان کے جمع کرنے کا کوئی خاص اہتمام کیا اور نہ روکنے کا انتظام کیا، اس صورت میں پکڑنے سے پہلے کسی شخص کی ملکیت نہ ہوگی۔

۳- مچھلی کی خرید و فروخت کا جائز اور ناجائز ہونا:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جن صورتوں میں مچھلی داخل ملک ہی نہیں ہوئی، ان میں تو بدون پکڑے ہوئے بیع کرنا غیر ملک ہونے کی وجہ سے مطلقاً جائز نہیں اور جن صورتوں میں داخل ملک ہوگئی ان میں یہ غور کرنا چاہئے کہ اگر پکڑنے کے لئے کچھ حیلہ اور تدبیر کی ضرورت ہو تو بیع غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں اور اگر بلا کسی تدبیر کے پکڑنا آسان ہو، مثلاً کسی چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہو کہ ہاتھ ڈال کر پکڑ سکیں تو بیع جائز ہے اور جن کتب میں مطلقاً ناجائز لکھا ہے تو اس سے عدم جواز کی خاص صورتیں مراد ہیں۔

اور صاحب ''فتح القدیر'' نے آخری دونوں صورتوں پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ علامہ شامی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''حاصل یہ ہے کہ (جیسا کہ فتح القدیر میں ہے) جب مچھلیاں کسی تالاب میں داخل ہو گئیں تو یہ تو اس تالاب کو اسی مقصد سے بنایا ہے یا نہیں، پہلی صورت میں صاحب تالاب مچھلی کا مالک ہو جائے گا اور کسی کے لئے اس کا بغیر اجازت پکڑنا جائز نہیں ہوگا، پھر اگر وہ مچھلیاں بغیر کسی

حیلہ اور تدبیر کے پکڑی جاسکتی ہیں تو اس کی بیع جائز ہے، اس لئے کہ وہ مملوک بھی ہے اور مقدور التسلیم بھی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو سپردگی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے" (رد المحتار ۴ر۱۱۹)۔

سوالوں کے جوابات:

مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر جواب پیش خدمت ہے اور یہ جواب مرسلہ سوالوں کی ترتیب کے مطابق نہیں ہے۔

۱- حوض یا تالاب، نہر ندی یا نالے ذاتی ہوں یا سرکاری ایک خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا شرعاً جائز ہے، اور یہ ٹھیکہ اصلاً تالاب اور نہر کا ہے اور مچھلیاں منافع معلومہ ہیں یا تبعاً اس کا بھی ٹھیکہ ہے، اور تابع تابع ہی رہتا ہے مستقل بالحکم نہیں ہوتا، یہ فقہ کا ایک اصول ہے، "التابع تابع لا یفرد بالحکم" اور "درمختار" کے حوالہ سے گذر چکا ہے:

"وجاز إجارة القناة والنهر مع الماء، به يفتى لعموم البلوى" (درمختار ۵ر۴۳)۔

لہذا ابتلائے عام اور موجودہ عرف کو دیکھتے ہوئے عدم جواز کا فتوی دینا بغیر کسی شرعی نصوص اور ضرورت کے عوام کو تنگی اور حرج میں ڈالنا ہے جو مقاصد شریعت کے متصادم ہے، حالانکہ اصول فقہ کی رو سے اور متقدمین اور بعض متاخرین کے فتوی سے اس کے جواز کی تصریح گذر چکی ہے، ہاں صرف مچھلی کا ٹھیکہ درست نہیں ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ تالاب وغیرہ کو صرف ٹھیکہ پر لے لینے سے نہ مچھلیوں کا مالک ہوگا، نہ اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی، اس کے مملوک اور بیع کی تفصیل جواب (۳) کے تحت آرہی ہے۔

۲- تالاب کو ٹھیکہ پر دینا چونکہ جائز ہے، اس لئے اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان شخص کا اس کو خریدنا جائز ہے۔

۳- اگر حوض یا تالاب میں مالک نے از خود مچھلیاں خرید کر یا پال کر چھوڑی ہوں، یا مچھلیوں کے آنے کی کوئی خاص تدبیر کی ہو، یا خود سے آنے کے بعد اس کے روک لینے کا انتظام کیا ہو تو ان سب صورتوں میں مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا اور اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے لئے شکار کرنا جائز نہ ہوگا، لیکن خود مالک یا ٹھیکہ دار کے لئے شکار کرنے سے پہلے تالاب کی مچھلیوں کو بیچنا غیر مقدور التسلیم ہونے کی بنا پر درست نہ ہوگا اگرچہ اس کی مملوک ہے، ہاں اگر وہ بالکل چھوٹے گڑھے یا برتن میں ہو کہ بآسانی ہاتھ ڈال کر پکڑ سکیں تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ مملوک ہونے کے ساتھ وہ قابل تسلیم بھی ہے، اور اگر قدرتی طور پر از خود مچھلیاں پیدا ہو گئیں یا آ گئے جمع کرنے کا کوئی خاص اہتمام کیا اور نہ روکنے کا، اور تالاب بھی اس مقصد کے لئے نہیں بنایا تھا تو محض تالاب کے مالک ہونے سے مچھلیوں کا مالک نہیں ہوگا اور ٹھیکہ پر تالاب لینے سے اس کی ملکیت شکار کرنے سے پہلے ثابت نہ ہوگی، لہٰذا اس صورت میں مچھلیوں کے شکار کرنے سے قبل خرید و فروخت مطلقاً ناجائز ہوگی، چاہے تالاب سے بآسانی پکڑ سکیں یا حیلہ اور تدبیر کی ضرورت پڑے۔

۴- جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے، اور وہ اس میں باقاعدہ مچھلی پالنے کے بعد شکار کرنے سے پہلے اگر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ تمام مچھلیوں کو بیچنا چاہے تاکہ وہ دوسرا آدمی ایک خاص مدت میں اس حوض یا تالاب کی مچھلیاں نکال کر فروخت کرے اور تالاب مالک کے حوالہ کر دے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ مچھلیاں غیر مقدور التسلیم ہیں، اگرچہ وہ مالک ہے، لہٰذا ایسے شخص کو چاہئے کہ تالاب کو ٹھیکہ پر دے دے تاکہ وہ متعین مدت میں تالاب سے مچھلیاں نکال کر تالاب کو مالک کے حوالہ کر دے، صرف مچھلی کو نہ بیچے۔

☆☆☆

مچھلی کی خرید وفروخت

مولانا محمد عزیز اختر قاسمی ☆

زیر بحث مسئلہ مچھلی کی خرید وفروخت ہے جو ندی نالوں اور تالابوں میں ہوتے ہوئے فروخت کی جارہی ہے اور پورا معاشرہ اس قسم کی مچھلیاں بازاروں سے پوری فراخی کے ساتھ خرید کر استعمال کر رہا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس قسم کی بیع شریعت کی نگاہ میں درست ہے کہ نہیں اس کے متعلق پوری تفصیل کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولاً شرائط صحت بیع کی فقہاء کرام نے جو تفصیل ذکر فرمائی ہیں وہ سب سامنے رکھا جائے اور حقیقت بیع بھی مد نظر ہو۔

شرائط کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شامی نے مختلف قسم کی شرطوں کی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ بیع کیلئے چار قسم کی شرطوں کا متحقق ہونا ضروری ہے شرائط انعقاد، شرط نفاذ، شرط صحت اور شرط لزوم، پھر شرط انعقاد کی چند قسموں میں سے مملوک اور مقدور التسلیم ہونا بھی ہے، ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے تو بیع کا انعقاد نہ ہوگا۔

مسئلہ زیر بحث میں مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ مچھلیوں کی نشو ونما کے لئے اس کو بطور خود کسی نے تالاب میں رکھا ہو تو اب اس مچھلی کا اور اس کے انڈے بچے کا وہی شخص مالک ہوگا جس نے تالاب وغیرہ میں باقاعدہ ڈال کر پرورش کیا ہے، دوسری مملوک ہونے کی یہ ہے کہ مچھلی تو اس نے ڈالی نہیں، بلکہ از خود مچھلیاں تالاب وغیرہ میں

☆ مدرسہ اسلامیہ محمود العلوم ۔

آگئیں، لیکن مچھلیوں کے تالاب میں آنے والی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کے لئے اس نے کوئی حیلہ و تدبیر کیا ہو، وہ کسی طرح واپس نہ جاسکیں تو اب اس تالاب میں آنے والی مچھلیوں کا وہی شخص مالک قرار دیا جائے گا جس نے یہ تدبیر کیا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مچھلی کا شکار کرکے اپنے خاص برتن میں محفوظ کرلے۔

اور اگر کوئی تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت کا ہو اور وہ شخص اس میں مچھلی باقاعدہ پرورش نہ کر رہا ہو، بلکہ مچھلیاں از خود آگئی ہوں، لیکن اس شخص نے واپس جانے والی جانے کے راستہ کو مسدود نہ کیا ہو، یا وہ تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت کا نہ ہو، اور نہ اس کو اجارہ کی شرطوں کے ساتھ اجارہ پر لیا ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ شخص جو اس کی بیع کرنا چاہتا ہے مالک ہی نہیں ہوگا، خواہ وہ تالاب اس کی ذاتی ملک ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تالاب وغیرہ میں از خود آنے والی مچھلیوں کی مثال مال مباح کی سی ہے جس نے اول اس پر قبضہ کرلیا وہی اس کا مالک قرار دیا جائے گا جیسا کہ "ہدایہ" میں یہ عبارت درج ہے: "إذا فرخ طير في أرض رجل فهو لمن أخذه" (ہدایہ ج ۳)۔

تو مچھلی کے مالک ہونے کی یہ مذکورہ صورتیں ہوئیں، مقدور التسلیم ہونا بھی ضروری ہے، اکابر امت نے مچھلی کے مقدور التسلیم ہونے کی دو صورتوں کا ذکر کیا ہے، ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مچھلی کا شکار کرکے اس کو کسی برتن وغیرہ میں محفوظ کرلیا ہو، جیسے کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ ماہی گیر وغیرہ مچھلی کا شکار کرکے اس کو کسی برتن وغیرہ میں محفوظ کر لیتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مچھلی کا شکار کرکے کسی برتن میں تو نہ رکھا، لیکن کسی چھوٹے سے حوض میں رکھا ہو کہ اس حوض سے بآسانی مچھلی کا بغیر کسی حیلہ و تدبیر کے پکڑنا بالکل آسان و سہل ہو گیا تو ایسی مچھلیوں کے بارے میں یہ جانتے ہے کہ یہ مچھلی مقدور التسلیم ہے اور اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا (ہلال و حرام، ص ۲۶۰۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۶/ ۱۰۹)۔

اگر بیچنے مچھلی کی خرید و فروخت کے تالاب وغیرہ ہی کو کوئی شخص بندوبست کرالے یا

ٹھیکہ پر لے لے جو اجارہ کی ایک صورت بنتی ہے تو اس کے متعلق فقہاء کرام کی عمومی رائے یہی ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہوگی، کیونکہ تالاب وغیرہ کا کرایہ پر دینا لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ "درمختار" کی عبارت سے سمجھ میں آرہا ہے، عبارت اس طرح ہے: "اعلم أن في مصر بركة كبركة الفهادة تجتمع فيها الأسماك، هل تجوز إجارتها لصيد السمك منها، نقل في البحر عن الإيضاح عدم جوازها" (ردالمحتار ۹؍ ۱۴)۔

لیکن وہیں حضرت امام ابو یوسفؒ کی یہ رائے درج ہے کہ اس کا اجارہ پر دینا لینا درست ہے، چنانچہ فقہ و فتاویٰ کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوزناؒ نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں یہ استفتاء بھیجا کہ سرزمین عراق میں کچھ تالاب ایسے ہیں کہ ان میں مچھلیاں ہوتی ہیں تو کیا اس کو اجارہ پر دیا جا سکتا ہے، تو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے اجازت دیدی کہ اجارہ پر دے سکتے ہو (ردالمحتار ۹؍ ۱۴، بحرالرائق ۷؍ ۳، فتح القدیر ۹؍ ۲۹)۔

اس زمانہ میں عام فقہاء کی رائے کے مقابلہ میں حضرت امام ابو یوسفؒ کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے، جس کی چند وجہیں میری سمجھ میں آرہی ہیں ایک تو اسی وجہ سے جو اوپر عمر فاروقؓ کا اثر نقل کیا گیا کہ بہر حال وہ قیاس کے مقابلہ ترجیح ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ یہ شکل اجارہ کی حد میں داخل بھی ہے، پھر اس اجارہ کو غلط قرار دینے کی کوئی وجہ معقول سمجھ میں نہیں آرہی ہے، بلکہ اس کے اجارہ صحیح ہونے کی جہت واضح ہے کیونکہ عقد اجارہ باعتبار شریعت اسی کا نام ہے کہ کسی شخص کو کسی شئی کی منفعت کا کسی عوض کے مقابلہ میں مالک بنا دیا جائے اور منفعت یہی نہیں ہے کہ غیر مستقل بالذات شئی کو نفع قرار دیا جائے، بلکہ منفعت ہر شئی کی وہی شئی کہلائے گی جو اس سے مقصود ہو (بحرالرائق ۷؍ ۲۹۸)، نیز اس وجہ سے بھی اس قسم کے بندوبستی کو جائز قرار دینا چاہئے کہ اس طرح تالاب وغیرہ کو بندوبست کرنا عرف میں عام ہے اور عرف سے ثابت شدہ شئی نص سے ثابت شدہ شئی کی طرح ہوتی ہے "الثابت بالعرف كالثابت بالنص" (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۲؍ ۱۱۳)۔ اسی وجہ سے زندگی کے روز مرہ کے افعال اور باہمی معاملات و معاہدات کے فیصلے میں

عرف کو اہم مقام حاصل ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے فرمایا کہ "جعلوا ذلک أصلاً" (الاشباہ ۱۵۰)۔

لہذا جب مچھلی کے ساتھ بھی لوگوں کا یہی تعامل ہو گیا ہے تو مچھلی کی بیع یا اجارۂ تالاب وغیرہ کو استحساناً جائز قرار دیا جانا چاہیے، نیز مارکیٹ میں جو مچھلیاں آتی ہیں وہ عموماً اسی طریقہ سے آتی ہے، اگر اس قسم کے معاملہ کو ناجائز قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مچھلی کا استعمال کرنا ہی حرام ہو جائے گا تو گویا کہ امت مشقت و حرج میں مبتلا ہو جائے گی، اور گویا اس قسم کے معاملہ نے شرعی ضرورت نہیں تو کم از کم حاجت شرعی کا درجہ تو اختیار کر ہی لیا ہے، اس لئے جہاں شریعت نے حاجت کی بناء پر دوسرے معاملہ میں تخفیف کی ہے، وہیں مچھلی کی بیع اور اجارۂ تالاب کے معاملہ میں بھی تخفیف کرنا لازم و ضروری معلوم ہوتا ہے، اس لئے تالاب میں موجود مچھلیوں کی فروختگی گرچہ درست نہ ہو، لیکن اس کا اجارہ (ٹھیکہ) پر لینا درست ہوگا۔

۳- ذاتی تالاب کی مچھلیوں کا شرعی حکم:

وہ تالاب جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت کا ہو اور اس نے اس میں باقاعدہ مچھلی ڈال کر پرورش کیا ہے اور اب وہ شخص ان مچھلیوں کو شکار کرنے سے قبل فروخت کرتا ہے تو اس قسم کی مچھلیوں کا حکم قدرے تفصیل طلب ہے، وہ یہ کہ وہ تالاب جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے اور اس نے مچھلیوں کو پکڑ کر باضابطہ پرورش کیا ہے تو ایسے شخص کی ملکیت تو ثابت ہوگی، اب اگر اس کو بغیر کسی حیلے کے آسانی کے ساتھ پکڑنا اور قبضہ میں لینا ممکن ہو، ایسی مچھلیوں کو بغیر شکار کئے ہوئے فروخت کرے، بلا کراہت جائز ہوگا، اور اگر آسانی سے بغیر کسی حیلے کے پکڑنا ممکن نہ ہو تو ایسی بیع درست نہ ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۴/۱۰۸، فتح القدیر ۶/۴۹، حاشیہ ۱/۱۰۲، البحر الرائق ۶/۳۰ الخ)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں صاحب تالاب مچھلیوں کا مالک تو ضرور ہوگا،

لیکن انہیں فروخت کرنا انہیں صورتوں میں جائز ہوگا جو دو صورتیں مقدوراً لتسلیم ہونے کی ذکر کی گئی ہیں، اگر مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی ایسی صورت ہو جس میں آسانی کے ساتھ اسے مشتری کے حوالے کرنا ممکن نہ ہو تو بیع درست نہ ہوگی۔

ایسی مچھلیوں کی بیع کی درستگی کے لئے اجارہ تالاب کی صورت اور اس کا حیلہ اختیار کیا جانا اچھا ہے۔ جیسا کہ بعض فقہاء کرام نے کنویں وغیرہ کو کرایہ پر لے کر جانوروں کو پانی پلانے کی اجازت دی ہے (دیکھئے المبسوط ۱۶/ ۳۳۔ ابو رفاعہ)۔

۲- بارش وسیلاب کے ذریعہ آئی ہوئی مچھلیوں کا حکم:

متقدمین اکابر نے اپنی اپنی تالیفات وتصنیفات میں یہ جزئیہ درج ذیل ذکر فرمایا ہے، جس چیز کا حاصل یہ ہے کہ کسی نے اس مقصد سے تالاب کھدوایا کہ اس میں باقاعدہ مچھلی کی پرورش کرے گا، اور اس میں بارش یا سیلاب وغیرہ کے ذریعہ بہت سی مچھلیاں آگئیں تو یہ مچھلی ایسے شخص کی مملوک شمار کی جائے گی، جیسے کسی شخص نے پرندوں کو پھنسانے کے لئے ایک جال کسی جگہ لگا دیا تو جو پرندہ اس میں پھنسے گا وہ اسی شخص کی ملک ہوگا، اور اگر یہ تالاب اس مقصد کے لئے نہیں بنوایا گیا، بلکہ دوسرے کسی مقصد سے تالاب بنوایا اور مچھلیاں از خود اس میں آگئیں تو یہ مچھلیاں اس شخص کی ملکیت نہ ہوں گی، بلکہ جو شخص بھی اس کو پکڑے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ اور بلا اجازت صاحب تالاب اس کا شکار کرنا بھی جائز ہوگا، محض تالاب کا کسی کی ملکیت میں ہونا مچھلیوں کے مالک بننے کے لئے کافی نہیں ہے، جیسے کوئی پرندہ کسی شخص کی مملوکہ زمین میں انڈا بچہ دیدے تو صرف مالک زمین ہونے کی وجہ سے اس پرندہ کا انڈا بچہ اس شخص کا مملوک نہیں ہوگا، بلکہ جو شخص اس کو اٹھائے گا وہی اس کا مالک ہوگا، "إذا أفرخ في أرض رجل فهو لمن أخذه، وكذا إذا باض فيها الخ" (البحر الرائق ۸/ ۸۳، ہندیہ ج ۲)۔

اس لئے ضروری ہوگا کہ تالاب وغیرہ میں از خود آئی ہوئی مچھلیوں کے واپس نہ جانے

کی کوئی تدبیر بھی کی گئی ہو تو ایسی صورت میں صاحب تالاب ان مچھلیوں کا مالک ہوگا۔

اب ان مچھلیوں کو فروخت کرنا ایسی صورت میں جائز و درست ہوگا کہ جب ان کو مشتری کے حوالہ کرنا بلا کسی حیلے کے آسانی سے ممکن ہو اگر بلا کسی حیلہ کے حوالہ کرنا آسان نہ ہو تو ایسی صورت میں فروختگی درست نہ ہوگی (تفصیل کے لئے دیکھئے شامی [illegible])۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر جوابات

بیع سمک کے چند مسائل

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی ☆

۱-عرف وعام ہو جانے کے بعد اس قسم کی بیع کی بعض شکلوں میں جواز کی گنجائش ہے، پھلوں کی فصل کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے، حالانکہ اکثر صورتیں فصل کی بیع کی اصولاً ناجائز ہیں، مگر عرف عام کی بنیاد پر حضرت تھانویؒ نے "شامی" کے حوالے سے بشروط بعض شکلوں کے جواز کا فتوی دیا ہے، اس میں ایک اہم شرط "مؤدی الی المنازعۃ" نہ ہونا ہے۔

۲- بیع ثانی کی تو مسلمان کے لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے، یعنی مچھلیاں پکڑنے والے سے پہلے تو کسی غیر مسلم نے مچھلیاں خریدیں پھر اس سے کسی مسلمان نے خرید لیں تو "درمختار" میں مذکور ایک جزئیہ سے اس کا جواز نکلتا ہے (وھو ھذا: بخلاف البیع الفاسد، فإنہ لا یطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ) (درمختار برحاشیہ ردالمحتار ۴/۱۳۰ طبع دیوبند)۔

پھل آنے سے قبل کی بیع کا حکم" امداد الفتاوی" میں یہ لکھا ہے: پہلا عقد غیر مسلموں نے کیا تو بیع ثانی کے بعد مسلمان کے لئے استعمال جائز ہے (۳/۹۵)، لیکن اگر پہلی بیع (پھل آنے سے قبل کی بیع) کے متبایعین مسلمان ہوں تو پھر ان سے کسی مسلمان کا خریدنا جائز نہیں (ایضاً ملخصاً)۔

۳-شخصی ملکیت والا حوض اگر ایسا ہے کہ اس سے بغیر شکار کے مچھلیاں پکڑنا دشوار نہیں

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

بغیر شکار کئے مچھلی کی خرید وفروخت

مولانا محمد عبید اللہ اسعدی ☆

ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی خرید وفروخت ناجائز ہے اس میں مختلف قسم کی خرابیاں پائی جاتی ہیں جن میں سب سے اہم یہ ہے کہ یہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں، پانی کے اندر سے نکالنے سے پہلے یہ کسی کی ملک ومملوک نہیں ہوتیں، اور تمام فقہاء اس قسم کی خرید وفروخت کی حرمت پر متفق ہیں (بدائع ۵/۱۴۸، ۱۴۹، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۵۸، ۳۸۸)۔

۲- جو لوگ حکومت وپنچایتوں وغیرہ سے ندی ونالوں کی مچھلیوں کا معاملہ کرتے ہیں خرید وفروخت یا ٹھیکیداری کے عنوان سے، اور اس کے بعد وہ مچھلیاں نکال کر اور شکار کے بعد ان کو فروخت کرتے ہیں تو ان کی یہ فروخت اور ان سے خریدنا اور کھانا جائز ہے، اس لئے کہ ٹھیکہ دار اور حکومت کے درمیان معاملہ تو درست نہیں، اس لئے کہ مچھلیاں ملک سرکار نہیں تو اس ٹھیکیداری اور معاملہ کی وجہ سے مچھلیاں ٹھیکیدار کی ملک نہیں ہیں۔

بلکہ مچھلیاں اس معاملہ کے باوجود حسب اصل وحسب سابق مباح الاصل رہیں جو شخص بھی ان کا شکار کرکے ان کو قبضہ میں کرے وہ مالک ہے، لہٰذا اس کا کھانا، بیچنا اور اس سے خریدنا سب درست ہے، امام ابویوسفؒ نے ”کتاب الخراج“ میں یہی فرمایا ہے، اسی کو فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے (تقریر الرافعی مع الشامی ۵/۱۳۹ والفتاوی ۳/۵۰) اور امام ابویوسف فرماتے ہیں: ”لا یجوز بیع السمک فی الماء لأنہ غرر وھو الذی یصیدہ“ (الخراج ص ۸۷)۔

☆ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ وسکریٹری برائے سمینار ورکن اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

۳- حوض و تالاب میں پائی جانے والی مچھلیاں جو کہ باقاعدہ پالی گئی ہیں۔ ان کی خرید و فروخت ان کو نکالے بغیر منع ہے، اس صورت میں مچھلیاں اگر چہ مالک حوض و تالاب کی ملک و مملوک ہوتی ہیں، مگر کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً مبیع کی جہالت کہ کچھ پتہ نہیں کہ کتنی مچھلیاں پانی کے اندر ہیں اور سود و نفع کا ہو رہا ہے یا نقصان کا، اور اسی طرح ایک خرابی یہ ہے کہ یہ مچھلیاں مقدور التسلیم نہیں ہیں، بیچنے والے کی ملک تو ہیں، مگر اس حال میں نہیں کہ وہ بے تکلف خریدنے والے کو دے سکے، یا خریدنے والا اس کو حاصل کر سکے، بلکہ خریدنے والے کو خریدنے کے بعد اچھی خاصی زحمت و محنت برداشت کرنی پڑتی ہے، ان دونوں خرابیوں کی وجہ سے معاملہ پر بطلان و فساد کا حکم لگتا ہے، اور ظاہر ہے کہ بیع باطل و فاسد دونوں ہی منع ہیں اگر چہ دونوں کے درمیان فرق کیا جاتا ہے (البدائع ۵/ ۱۴۳ و ۱۴۸، ۱۵۱، الشامی ۵/ ۶۰، امداد الفتاوی ۳/ ۳۷، احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۰)۔

یہ حکم نجی و عوامی تالاب دونوں کا ہے۔

۴- بارش کے پانی کی وجہ سے جو مچھلیاں حوض و تالاب میں آجاتی ہیں۔ خواہ تالاب نجی و ذاتی ملکیت کا ہو یا عوامی و سرکاری، ان مچھلیوں کا فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ اگر تالاب کے اندر مچھلیوں کو لانے اور روکنے کی کوئی صحت و تدبیر اختیار نہیں کی گئی تو مچھلیاں مملوک نہیں بلکہ مباح الاصل ہیں اور اس صورت میں حکم و تفصیل وہ ہے جو کہ جواب اول کے تحت مسطور ہے، یعنی تالاب کی فروخت اور اس کا ٹھیکہ درست نہیں، مگر اس سے مچھلیاں نکال کر بیچنا اور خریدنا و کھانا سب درست ہے۔

اور اگر تالاب کے اندر مچھلیوں کو لانے اور آنے کے بعد روکنے کا نظم بنایا جائے تو مچھلیاں مملوک تو ہو جائیں گی، مگر سوال و جواب (۳) کی خرابیاں پائی جائیں گی اور وہی حکم ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں مچھلیاں مجہول المقدار اور غیر مقدور التسلیم ہیں۔

بارش سے تالاب کے اندر آنے والی مچھلیوں کے مملوک ہونے نہ ہونے کی صورت

وتفصیل عموماً فقہاء نے ذکر کی ہے، "کتاب الخراج" میں بھی کچھ تذکرہ ہے (شامی ۵/۶۰-۶۱، فتح القدیر ۶/۶۹-۷، کتاب الخراج ص ۸۷، مبسوط السرخسی ۱۳/۱۱-۱۲)۔

خلاصہ یہ کہ جو مچھلیاں مملوک نہیں، یعنی ندی ونالے کی مچھلیاں اور تالاب میں آنے والی، جبکہ ان کو روکا نہ جائے، تو سرکار یا مالکان تالاب کی طرف سے ان کی فروخت اور ان سے خرید، بصورت ٹھیکہ درست نہیں ہے، اور ان مچھلیوں کو پکڑ کر اور شکار کر کے بیچا جائے، خواہ مالکان بیچیں یا خریدنے وٹھیکہ لینے والے تو درست ہیں، اس لئے کہ یہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں جو شکار کرے وہ ان کا مالک ہے، اس لئے یہ صورت تو حکما ہوں گے۔

اہم معاملہ تالاب وحوض کی مملوک مچھلیوں کا ہے کہ مملوک ہونے کے باوجود ان کی خرید وفروخت منع ہے، اور یہ ممانعت اسی لئے ہے کہ پہلے معاملہ، یعنی براہ راست خریدار پر موقوف نہیں، بلکہ اس سے آگے بھی اس کا اثر ہوگا، "بدائع" کی تصریح تو بطلان کو بتاتی ہے، اس لئے کہ اس میں عدم انعقاد اور عدم صحت وفساد کا تذکرہ کیا گیا ہے (البدائع ۵/۲۱۳، ۱۴۸، ۱۵۶)۔

اور امام ابو یوسف وامام محمد وغیرہ بغیر تفصیل کے "لا یجوز" کا لفظ فرماتے ہیں، جیسے کہ "ہدایہ" وغیرہ میں بھی آتا ہے (ہدایہ مع الفتح ۶/۶۹-۷، کتاب الخراج ص ۸۷، ایضاح مع الصغیر ص ۳۲۸)۔

بلکہ "مبسوط" میں آیا ہے: "وإذا باع سمكا محظوراً في أجمة فإن البيع باطل لا يجوز" (کتاب المبسوط ۵/۹۳)، ظاہر ہے کہ بیع کے باطل ہونے کی صورت میں مبیع (فروخت کردہ مال) تملک کا اور پھر ٹھیکہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا، مالک وتالاب سے خریدنے والا خود مالک نہیں بنا اور نہ بن سکتا ہے تو دوسرے کی طرف کسی طرح ملکیت منتقل نہیں ہوگی، بیع باطل ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی (شامی ۵/۴۹)۔

شامی وغیرہ کے یہاں فساد کی تعبیر وتصریح آئی ہے اور بیوع فاسدہ کے ساتھ ہی اس کا ذکر ملتا ہے (شامی ۵/۶۰، الفقہ الاسلامی ۴/۱۷۸-۱۷۹)۔

"احسن الفتاوی" میں بھی اس کو اختیار کیا گیا ہے، اور صاحب "فتح القدیر" نے فساد کو

کی ترجیح دی ہے، اس لئے کہ مالیت اور ملکیت دونوں پائی جارہی ہے تو بطلان کے حکم کا کوئی محل نہیں ہے، یہ بحث انھوں نے عبد آبق (بھاگے ہوئے غلام) کی خرید وفروخت کے تحت کی ہے، اگرچہ ظاہر الروایہ اور اکثر علماء مذہب کا رجحان بطلان کا ہے مگر ایک جماعت فساد کی قائل ہے (فتح القدیر ۶/۵۹-۶۰) بیع باطل وفاسد کی تعریف بھی صاحب "فتح القدیر" کی تائید کرتی ہے (شامی ۵/۴۹)۔

بہرحال فاسد مانا جائے تو بھی مسئلہ اہم ہے، اس لئے کہ بیع فاسد اگرچہ قبضہ کے بعد ملکیت کا فائدہ دیتی ہے مگر خریدنے والے کو کسی طرح کا تصرف منع ہے، اگر بیچ ڈالے تو گناہ کا کام کیا، توبہ کرے، اور اس سے جس نے خریدا اس سے وہ طے شدہ قیمت کے بجائے صرف بازار کی قیمت لینے کا حق رکھتا ہے، اور مزید کچھ خرابیاں و پابندیاں بھی لازم آتی ہیں (شامی ۵/۸۸-۹۸)۔

مفتی نظام الدین صاحب نے جو گنجائش لکھی ہے وہ خرابی سے خالی نہیں ہے اور حضرت تھانوی فرماتے ہیں بیع فاسد بتصریح فقہاء ربوا یعنی معاملہ سود میں داخل ہے (امداد الفتاوی ۳/۹۳)۔

اور یہ فساد شرط کی وجہ سے نہیں ہے کہ تعارف کی بنا پر اس میں گنجائش ہو۔ جب کہ فقہاء نے متعارف شروط فاسدہ کے حق میں ذکر کیا ہے (شامی ۵/۸۵) بلکہ صلب عقد اور نفس معاملہ کی نوعیت میں فساد ہے، اور اس صورت میں یہ گنجائش نہیں ہو سکتی، بیع کا فساد صرف شرط لگانے پر موقوف نہیں، بلکہ دوسری وجوہ کی بنا پر بھی ہوتا ہے (شامی ۵/۴۹، ۵۰، ۶۰ وما بعدہ، فتح القدیر ۶/۴۲، ۴۳ وغیرہ)۔

البتہ قابل غور پہلو یہ ہے کہ غرر یا جہالت، اس میں کچھ وسعت بھی ہے جس کا مبنی یہ ہے کہ باعث نزاع نہ بنے، لوگ اس کو گوارا کر رہے ہوں اور اس سے صرف نظر کر رہے ہوں۔ جب کسی چیز کا تعارف وتعامل ہو جاتا ہے تو یہ بات پیدا ہو جاتی ہے، یہاں بھی صورت ہے۔

رواج عام ہو چکا ہے، پھر جہالت اور غیر مقدور التسلیم ہونے کا معاملہ بھی یہ ہے کہ خرید وفروخت کرنے والے بالکل اندھیرے میں نہیں ہوتے، معاملہ کے متعلق خود ان کو بصیرت ہوتی ہے، یا اصحاب بصیرت سے مدد لے کر وہ مچھلی کی مقدار کا ایک اندازہ قائم کرتے ہیں جو بڑی حد تک صحیح ہوتا ہے، جیسے کہ باغ کے پھل کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس میں بھی قطعی تعیین نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے۔

اور غیر مقدور التسلیم ہونے کا معاملہ یہ ہے کہ تالاب کی مچھلیاں بہر حال ایک محدود دائرے کے اندر ہوتی ہیں ان کا معاملہ بھاگے ہوئے غلام، اور فضا مملوک پرندے کا نہیں ہوتا۔ کہ ان کو ہاتھ وقبضہ میں لانا اتنا آسان نہیں جتنا کہ تالاب کی مچھلیوں پر قبضہ حاصل کرلینا اور ان کو حاصل کرنا۔

مزید یہ کہ بعض حضرات کے یہاں اس خرید وفروخت کی گنجائش رہی ہے جن میں عمر بن عبد العزیز، ابن ابی لیلی کا نام آتا ہے، ابن حزم کا مذہب بھی یہی ہے، اگر چہ ان کے دلائل فراہم نہیں ہیں، یعنی محقق طور پر ان کا علم دشوار ہے، ابن حزم نے جو کچھ دلیل دی ہے وہ کچھ قوی نہیں ہے، "اعلاء السنن" میں اس کا جواب دیا گیا ہے (الخراج ص ۷۸، مبسوط السرخسی ۱۳ر ۱۱ و ۱۳، المغنی ۴ر ۱۰۳، المحلی ۸ر ۳۸۸-۳۹۲، اعلاء السنن ۱۴ر ۹۱، ۹۲)۔

ان حضرات کے مذاہب کی بنیاد پر تو نہیں، ہاں تعامل اور مذکورہ بالا تفصیل کی بنا پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اور ان مذاہب کو مؤید بنایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

بیع کے چند مسائل کے جوابات

مولانا عبدالرحمن پالنپوری

۱- سرکاری تالاب، ندی نالے اور نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں، ان میں مچھلیاں چھوڑی نہ گئی ہوں، بلکہ سیلاب کی آمد و رفت کے ساتھ مچھلیاں آتی اور جاتی ہوں تو ان مچھلیوں کی خرید و فروخت بغیر ان مچھلیوں کے نکالے ہوئے شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ شرعاً یہ مچھلیاں مملوک ہی نہیں ہیں (ردالمحتار، ۵، ۶۰-۶۶)۔

عرف عام کی وجہ سے جواز کا فتوی دینا مناسب سمجھ میں نہیں آتا، کیونکہ اس طرح کے معاملات عرف میں عام اسی زمانہ میں نہیں ہوئے، بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے ایسا عرف معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ "ردالمحتار" میں ہے: "فانما لة كثير الوقوع ويكثر السوال عنها" لیکن آج تک کسی نے بھی عرف کی وجہ سے جواز کا فتوی نہیں دیا۔

۲- مذکورہ بالا صورت میں مچھلیاں مملوک ہی نہیں ہیں، لہذا ان کی خرید و فروخت شرعاً باطل ہے، لیکن اس صورت میں مچھلیاں مباح الاصل ہیں جو شکار کرے گا وہ شرعاً مالک ہو جائے گا، لہذا مچھلیاں شکار کر لینے کے بعد دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور دوسروں کے لئے خریدنا شرعاً جائز ہوگا، جیسا کہ خودرو گھاس کا حکم ہے کہ جو کاٹ لے گا وہ شرعاً مالک ہو جائے گا۔

۳- حوض یا تالاب اگر ابتداء ہی سے مچھلیاں پکڑنے کے لئے تیار کیا گیا ہو، یا اس میں مچھلیاں خود مالک نے چھوڑی ہوں یا نہر وغیرہ سے مچھلیاں تالاب میں آگئیں اور تالاب کے مالک نے پانی کا راستہ بند کر کے مچھلیاں تالاب میں محبوس کر لیں تو یہ مچھلیاں اس کی مملوک ہیں، مگر

غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع فاسد ہے، البتہ اگر تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدون تکلیف وحیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہوں اور مچھلیوں کی مقدار بھی معلوم ہو تو بیع درست ہے (احسن الفتاوی ۶/ ۴۸۰)۔

۴- حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو، عوامی ملکیت کا، اگر یہ حوض وتالاب شروع ہی سے مچھلی کے لئے تیار کئے گئے ہیں تو یہ مچھلیاں شرعاً مملوک نہیں ہیں اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے، اور حوض یا تالاب کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے، "لأن الإجارة واقعة على استهلاک العین" (رد المحتار مصری ۵/ ۶۱)۔

☆☆☆

ٹھیکہ پر لئے گئے تالاب کی مچھلیاں خریدنا

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

حضرات فقہاء نے خصوصاً فقہاء احناف نے قرآن وحدیث کی روشنی میں جو اصول اور قواعد احکام مقرر کئے اور ان پر مسائل آمدہ کا استخراج کیا، ان میں بیع کے مسائل میں چند چیزیں خاص طور سے ان کے پیش نظر ہیں۔

۱- بیع اس طرح کی نہ ہو جس سے آئندہ باہم تنازعات پیدا ہوں، جہاں تک ممکن ہو سکے ایسے راستوں کو بند کر دیا جائے۔

۲- بیع میں غرر اور دھوکہ کسی طرح کا نہ ہو جس کی وجہ سے مشتری کو نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔

۳- ربا اور رشوت جیسی مہلک چیزیں مسلمان کی بیع میں داخل ہونے نہ پائیں، لیکن بعض ایسے ناگزیر حالات بعض وقت پیش ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ان اصول وقواعد میں سہولت پیدا کرنا پڑتی ہے، کیونکہ انسان وہاں بے بس نظر آتا ہے، یہ چیز خواہ عام عرف وعادت کی وجہ سے ہو یا حکومت کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ہو، یا حکومت تو مسلمانوں کی ہو، لیکن نظام حکومت فاسقوں اور ایسے کارندوں کے قبضہ میں ہو جو اسلام پر عمل پیرا نہ ہوں، اس وقت بلوی کے عام ہونے کی وجہ سے کوئی راستہ اس سے مفر کا نظر نہ آتا ہو تو بعلت مجبوری ان اصول کے مقابلہ میں دوسرے اصول سے کام لے کر آسانیاں پیدا کی جاتی ہیں، اس کی صدہا مثالیں فقہ کی کتابوں میں

☆ دار العلوم وقف دیوبند۔

موجود ہیں: "الضرورات تبیح المحظورات" "المشقة تجلب التیسیر" "الضرر العام یزال وغیرھا" پس تالاب کی مچھلیوں وغیرہ میں عام اصول فقہ تو ممانعت پر دلالت کرتے ہیں، جیسے عام طور پر کتب فقہ میں مذکور ہے کہ بعض صورتوں میں ملکیت نہیں اور بعض صورتوں میں مبیع مجہول ہے اور بعض صورتوں میں مقدور التسلیم نہیں، اور یہ سب صورتیں وہ ہیں جو دلائل اور اصول شریعت کے مطابق عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں: "کما بین فی کتب الفقه" لیکن حالات وزمانہ اور تغیرات نظام عالم مجبور کر رہے ہیں کہ ان دلائل واصول کے مقابلہ میں دوسرے ان دلائل کی روشنی میں غور کیا جائے جو اس بگڑے ہوئے نظام خصوصاً کافرانہ نظام میں مسلمانوں کو ارتکاب حرام اور مکروہات سے بچالیں، اگرچہ ان دلائل میں کچھ ضعف بھی ہو مگر وہ مستند اور معتبر شریعت میں تسلیم کئے گئے ہوں، جیسے "الضرورات تبیح المحظورات" یا "المشقة تجلب التیسیر" وغیرہ۔

نیز ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں بہت سے مقامات پر ان سے کام لیا گیا ہے، جیسے امام اعظمؒ درس دینی اور امامت وغیرہ پر اجرت کو حرام قرار دیتے ہیں، مگر بعد کے آنے والے علماء کبار نے دیکھا کہ اگر اس پر عمل قائم رکھا گیا تو دین کی بقاء اور اشاعت کا کام فیل ہوجائے گا، لہذا انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے بیان کردہ مسئلہ کو اور دلائل کو قوی ہونے کے باوجود چھوڑ کر دوسرے دلائل کی روشنی میں اس کے جواز کا فتوی دیا اور تمام عالم اسلامی میں اسی پر عمل ہوا اور آج تک ہورہا ہے، ایسے ہی "استصناع" ہے کہ مبیع مجہول اور معدوم ہے، مگر ضرورت اور عرف کی وجہ سے اس کے جواز کا فتوی دیا گیا۔

اب ہم آج کل کے عرف وعادت اور زمانہ کے بدلے ہوئے حالات میں دیکھتے ہیں کہ تالابوں، نہروں، ندیوں کی مچھلی کے ٹھیکے جو دیے جاتے ہیں گو وہ چند وجوہ سے جائز نہیں ہیں، مگر دنیا میں یہی طریقہ اپنا لیا گیا ہے، لینے والا خوشی سے لیتا ہے اور دینے والا خوشی سے دیتا ہے اس میں عام عرف یہی ہے، اب اگر ہم عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں جیسے ہماری کتب فقہ میں عام

طور سے یہی درج ہے اور ہمارے سلف صالحین کے عام طور سے فتاوی بھی یہی بتاتے ہیں تو ٹھیکہ دینے والا بھی گنہگار اور ٹھیکہ لینے والا بھی اور دونوں ایسے عمل کے مرتکب ہورہے ہیں جو بیع کے بعض جگہ باطل ہونے اور بعض جگہ فاسد ہونے یا مکروہ ہونے پر منتج ہے اور یہ ابتلاء عام ہے، اس کے خلاف میں مشقت ہے، لہذا اگر ہم مندرجہ ذیل دلائل کی بناء پر جواز کا فتوی دیں تو شریعت سے انحراف لازم نہیں آئے گا، بلکہ شریعت کے حدود میں ہی شریعت کے دلائل سے ہی جواز ثابت ہوگا پس جواز کا فتوی دینا چاہئے۔

بہر حال اگر ٹھیکہ ناجائز بھی مانا جائے تب بھی بیچنے والے سے خریدنا تو جائز ہے، کیونکہ وہ مال مباح الاصل کو بیچ رہا ہے، اگر خرابی ہوگی تو ٹھیکہ لینے میں ہوگی بیچنے اور خریدنے میں نہ ہوگی۔

وہ تالاب جو کاشتکار اپنی زمین میں بناتا ہے (خواہ وہ کرایہ کی ہو یا ذاتی) اور اس میں مچھلی پالن کرتا ہے وہ مچھلیاں اس کی ملک میں داخل ہیں، یہ تالاب چاروں طرف سے بند ہوتے ہیں ان میں دوسری مچھلیوں کے آنے کا راستہ نہیں ہوتا، نہ ان مچھلیوں کے جانے کا راستہ ہوتا ہے، یہ مچھلیاں جو چھوٹی ڈالی جاتی ہیں اس میں بڑھ جاتی ہیں ان کی بیع درست ہے، میرے نزدیک یہ مقدور التسلیم بھی ہیں، لیکن جو لوگ عادی ہوتے ہیں وہ مچھلی ہاتھ سے پکڑ لیتے ہیں، میں خود بنگال اور آسام کے ان طلبہ کو جو میرے ساتھ پڑھتے تھے دیکھا کہ وہ تالاب یا نہر سے جس وقت پانی ذرا کم ہوتا تھا ہاتھ سے مچھلیاں پکڑ لیتے تھے باہر ایک طالب علم کھڑا رہتا اور وہ طالب علم جو پانی میں ہوتے اس کی طرف پھینک دیتے وہ اٹھالیتا تھا۔

بارش وغیرہ کسی طریقہ سے جو مچھلیاں کسی کے ذاتی تالاب میں آگئیں تو اگر وہ تالاب اسی کام کے لئے اس نے بنایا ہے تو اس کی ملک میں داخل ہوجائیں گی اور اگر اس کام کے لئے نہیں بنایا ہے یا گڑھے وغیرہ ہیں اس میں آگئیں تو یہ اس کی ملک میں داخل نہیں ہوں گی، یہ مباح الاصل ہیں، البتہ اگر اس کا راستہ بند کردیا کہ اب اس میں اور نہ آسکتی ہیں اور نہ یہ جاسکتی ہیں تب

بھی اس کی ملک میں داخل ہو جائیں گی، اس کا مسئلہ پہلے تفصیل سے گذر چکا کہ فقہاء کی تصریحات کے مطابق ان کی بیع مقدور التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگی، مگر عموم بلوی اور ضرورت زمانہ کو دیکھتے ہوئے ان تمام صورتوں میں جو نمبر (۴) میں درج ہیں بیع کے جواز کا فتوی ان ہی دلائل کی روشنی میں دیا جاتا چاہئے جو پہلے مذکور ہو چکے۔

رہا بازار، ہاٹ، سڑکوں اور جنگلات کے درختوں کا مسئلہ تو اس کا ٹھیکہ درست ہے، اس لئے کہ سرکار تو اس زمین کی اجرت لیتی ہے جس پر بازار لگتی ہے اور وہ زمین چونکہ سرکار کی ہے اس لئے اس کو ٹھیکہ پر دینا جائز اور اس سے منفعت حاصل کرنا درست ہے، اسی طرح جو جنگل میں یا سڑکوں کے کنارے درخت اگتے ہیں وہ اپنے اتصال کی وجہ سے اسی کی ملک ہیں جس کی زمین ملک ہے، جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اسی کی ملک ہیں تو اس کی جلاون کا یا کاٹنے کا ٹھیکہ دینا جائز ہے۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی بیع کے چند مسائل

مولانا شمس پیرزادہ

۱- ندی، نالوں کی مچھلیوں کی خرید وفروخت:

سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کے سلسلہ میں حکومت معاوضہ حاصل کر کے جو معاملہ کرتی ہے وہ درحقیقت بیع وشراء کا معاملہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ عوامی ملکیت سے استفادہ کا جو حق کسی شخص یا سوسائٹی کو دیتی ہے اس کے بالمقابل اس سے معاوضہ (Compensation) وصول کرتی ہے تاکہ انتظامی امور وغیرہ کے مصارف بھی پورے ہوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف سے مفاد عامہ کے لئے کچھ عطیہ (Contribution) بھی ہو، یہ موجودہ عرف کے مطابق ہے اور حالات بھی اسی کے متقاضی ہیں اس لئے یہ معاملہ کرنا بالکل درست ہوگا۔

سڑکوں کے کنارے سرکار کی طرف سے لگائے گئے درخت یا سرکاری زمین میں پیدا ہونے والے خودرو درختوں کے نیلام وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۲- ٹھیکے دار کا اس طرح حاصل کردہ مچھلیوں کو بیچنا اور کسی مسلمان کا اسے خریدنا:

جب ٹھیکہ جائز ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا تو مچھلیوں کی بیع وشراء کے ناجائز ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اور اگر بالفرض بیع ناجائز ہے تو خریدنے والے پر ایسے امور کی تحقیق کی کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جب کہ موجودہ دور میں کاروبار اور تجارت ایک پیچیدہ اور اجمالی

عمل ہے، ہمیں کرید نے اور فقہی موشگافیاں کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ "یسّروا ولا تعسّروا" (آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو)۔

۳-شکار سے پہلے مچھلیاں فروخت کرنا:

ذاتی ملکیت کے حوض یا تالاب کی مچھلیاں شکار کرنے سے پہلے فروخت کی جاتی ہیں وہ معدوم چیز کی بیع نہیں ہے، بلکہ تالاب میں موجود مچھلیوں کی بیع ہے، جن کی تعداد یا مقدار کا اندازہ لگایا جاتا ہے، تخمینہ کی بیع کی بعض صورتیں جو ضرورت کے اعتبار سے ہیں جائز ہیں، مثلاً درختوں پر پھلوں کی بیع جن کی تعداد ٹھیک سے معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح "بیع جزاف" (اندازہ سے مال کی بیع) جس کے بارے میں صاحب "فتح الباری" نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت:

"لقد رأیت الناس فی عهد رسول اللهﷺ یبتاعون جزافا یعنی الطعام"

(میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ غذائی اشیاء تخمینہ سے خریدتے تھے) کی تشریح میں لکھا ہے کہ:۔

"وفی هذا الحدیث جواز بیع الصبرة جزافا سواء علم البائع قدرها أم لم یعلم" (فتح الباری ۴/۴۷۷)۔

(اس حدیث میں جواز ہے تخمینہ کی بنیاد پر مال کے ڈھیر کی بیع کا، خواہ بائع کو اس کی مقدار معلوم ہو یا نہ ہو)۔

اور "فقہ السنۃ" میں ہے:

"الجزاف: هو الذی لا یعلم قدره علی التفصیل۔ وهذا النوع من البیع کان متعارفا علیه۔ بین الصحابة علی عهد رسول اللهﷺ فقد کان المتبایعان یعقدان العقد علی سلعة مشاهدة لا یعلم مقدارها الا بالحزر والتخمین من

الغبن، ونقل المعرفة الذين يعهد فيهم صحة التقدير، فقلما يخطئون فيه، ولو قدر أن ثمة غررا فإنه يكون يسيرا يتسامح فيه عادة لقلته" (فقہ السنۃ سید سابق ۱۲۹/۳)۔

(جزاف وہ چیز ہے جس کی مقدار تفصیلی طور پر معلوم نہ ہو، اور اس کی بیع عہد رسالت میں صحابہ کے درمیان متعارف بھی تھی، چنانچہ بائع اور مشتری ایسے مال کا سودا کرتے تھے جو دیکھا تو جا سکتا تھا لیکن اس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی تھی بجز اس کے کہ تجربہ کار اور ایسے جاننے والے لوگوں کے ذریعہ جو صحیح اندازہ لگانے میں ماہر تھے اندازہ اور تخمینہ لگایا جاتا تھا، اس میں غلطی بہت کم ہوتی تھی، اور اگر اس میں غرر ہوتا بھی تھا تو تھوڑا، جس کو عموماً نظر انداز کیا جاتا ہے)۔

"قال ابن عمر: كانوا يتبايعون الطعام جزافا بأعلى السوق، فنهاهم الرسول ﷺ أن يبيعوه حتى ينقلوه"

(ابن عمر کہتے ہیں کہ لوگ غلہ بازار کے بالائی حصہ میں اندازے سے لین دین کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں منع کیا کہ جب تک اسے دوسری جگہ منتقل نہ کر دیں فروخت نہ کریں)۔

"فالرسول أقرهم على بيع الجزاف، ونهى عن البيع قبل النقل فقط"

(تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں تخمینہ کی بیع پر تو برقرار رکھا اور صرف اس بات سے منع فرمایا کہ مال کی منتقلی سے پہلے اس کو (پھر) نہ بیچیں)۔

"قال ابن قدامة: يجوز بيع الصبرة جزافا لا نعلم فيه خلافا، إذا جهل البائع والمشتري قدرها"

(ابن قدامہ کہتے ہیں: ڈھیر لگے ہوئے مال کی بیع تخمینہ لگا کر جائز ہے، اس میں کسی اختلاف کا ہمیں علم نہیں، جبکہ بائع اور مشتری کو اس کی مقدار معلوم نہ ہو)۔

کہا جا سکتا ہے کہ مال کا ڈھیر ایک مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے جبکہ تالاب کی مچھلیاں

مشاہدہ میں نہیں آتیں، لیکن اس فرق کے باوجود دونوں کی بنیاد تخمینہ ہی ہے اور تالاب کی مچھلیوں کے سلسلہ میں ضرورت اس بات کی داعی ہے کہ تخمینہ کی بنیاد پر ان کی بیع کا معاملہ کسی کے ساتھ کیا جائے اور موجودہ زمانہ کا عرف بھی یہی ہے، اگر اس کو جائز نہیں قرار دیا گیا تو تالاب کی مچھلیوں کی فروخت کی کوئی عملی شکل غالباً نکالی نہیں جا سکے گی، اس لئے رفع حرج کے لئے اسے جائز قرار دینا ہوگا۔

۴- بارش کی وجہ سے تالابوں میں آنے والی مچھلیاں:

عوامی ملکیت کے تالاب وغیرہ میں بارش وغیرہ کی وجہ سے جو مچھلیاں آگئی ہوں ان کو ٹھیکہ پر دینا جائز ہوگا، جیسا کہ سوال نمبر ا کے جواب میں بیان فرمایا گیا، یہ درحقیقت بیع نہیں، بلکہ عوامی ملکیت کے لئے Contribution یا استفادہ کا معاوضہ Compensation ہے۔

رہا نجی ملکیت میں بارش وغیرہ کی وجہ آئی ہوئی مچھلیوں کو فروخت کرنا یا ٹھیکہ پر دینا تو یہ بھی جائز ہوگا، کیونکہ مچھلیاں نجی ملکیت کے تالاب میں آجانے کے بعد اس شخص کی ملک قرار پائیں جو تالاب کا مالک ہے۔

☆☆☆

تالاب و حوض کی مچھلیوں کی فروختگی کا حکم

مفتی عبداللہ مظاہری☆

حوض، نہر، تالاب وغیرہ کے سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں جدا جدا ہیں۔

مچھلی پر ثبوت ملکیت اور اس کے بعد بیع کا جواز و عدم جواز۔ اب مچھلی پر ملکیت کا ثبوت متعدد طریقے سے ہوتا ہے، مثلاً از خود مچھلی پکڑ کر اس میں ڈال دیا یا ضابطہ اس کے بچوں کو چھوڑا تو ان صورتوں میں مچھلی پر ثبوت ملکیت ہو جاتی ہے، یا از خود مچھلی تو نہیں چھوڑی، لیکن سیلاب وغیرہ کے پانی و بارش کی وجہ سے آ گئی تو اس کی دو صورتیں ہیں: اگر تالاب پہلے سے مچھلی کے لئے تیار کیا گیا ہے تو مچھلی بھی صاحب تالاب کی ہوگی اور اگر پہلے سے مہیا نہیں کیا ہے تو مچھلی صاحب تالاب کی مملوک نہیں ہوگی، بلکہ جو اس کو پکڑ لے اس کی وہ مچھلی مملوک ہوگی جیسا کہ علامہ ابن الھمام نے لکھا ہے، (دیکھئے: فتح القدیر ۶؍۴۹)۔

اسی طرح تالاب کا کوئی سرا کسی نہر وغیرہ سے ملا ہوا ہو جس سے ہو کر مچھلی آیا جایا کرتی ہو، تو اس صورت میں مچھلی پر ثبوت ملکیت کے لئے تالاب کے منہ کو بند کرنا ضروری ہوگا اور اگر تالاب کے منہ کو بند کر دیا ہے تو مچھلی اس کی ملکیت شمار ہوگی، لیکن اس میں احتمال یہ ہے کہ اگر یہ بند مالک تالاب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص لگا دے تو بند لگانے والا مالک ہوگا، یا مالک تالاب اس کا مالک ہوگا، اس سلسلے میں حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: "اگر پہلے سے وہ تالاب مچھلی

☆ دارالعلوم ہانسوٹ گجرات۔

کے لئے تیار کی گئی تھی تو مالک تالاب ہی مالک ہوگا، بند لگانے والا نہیں ہوگا، لیکن اگر پہلے سے اس مقصد کے لئے نہیں تھی تو مقتضاء قواعد کی رو سے بند لگانے والا مالک ہوگا اور مالک تالاب پر جمع کرنا نہیں ہوگا، تاہم بند لگانے والے پر فوراً مچھلی خالی کرنا ضروری ہوگا، تاکہ اس کی ملکیت مشغول نہ ہو، لیکن اگر ایسی صورت میں دونوں کا اختلاف ہو جائے اور صاحب تالاب کہے کہ میں نے مچھلی کے لئے ہی تیار کیا ہوں تو اس کے قول کا اعتبار کر کے اسی کی مچھلی تسلیم کی جائے گی

(امداد الفتاوی ۳ر ۳۶۰)۔

مچھلی پر ملکیت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی تفصیل کے بعد دیکھنا ہے کہ کن صورتوں میں مچھلیوں پر ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو بغیر کسی حیلہ مثلاً جال کانٹا وغیرہ ڈالے ہوئے مچھلی نکال لی تو اس کو فروخت کرنا جائز و درست ہے، اس لئے کہ یہ مملوک بھی ہے اور مقدور التسلیم بھی ہے، لہذا بیع کے عدم جواز کا کوئی سوال نہیں، لیکن مشتری کو خیار رویت حاصل ہوگا، پانی کے اوپر سے دیکھ لینا کافی نہیں ہوگا۔

اور اگر تالاب اور حوض اتنا بڑا ہے کہ بغیر کسی حیلہ کے مچھلی نہیں نکال سکتے تو ایسی صورت میں بغیر نکالے ہوئے مچھلی کا فروخت کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ اگرچہ مملوک ہے مقدور التسلیم نہیں، چنانچہ حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے: "قال لا تبایعوا السمک فی الماء فإنه غرر" یعنی مچھلی کو پانی میں رہتے ہوئے فروخت مت کرو اس لئے کہ یہ غرر اور دھوکہ کا باعث ہے، اس کا مطلب یہی ہے، جبکہ بڑے حوض یا تالاب میں مچھلی ہو جو بغیر حیلہ کے نہیں نکل سکتی ہو۔

چنانچہ اس تفصیل سے جمیع سوالات کے جوابات ہو گئے کہ اگر بڑے تالاب میں مچھلی ہو جو بغیر حیلہ کے مچھلیوں کا نکالنا غیر مقدور التسلیم ہو اگرچہ اس کی بیع و شراء عام ہو جائے، جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مقدر بیع کے لئے فی الحال بیع کا مقدور التسلیم ہونا شرط ہے، اگر معجوز التسلیم ہو تو عقد منعقد نہیں ہوگا (دیکھئے: بدائع ۵ر ۱۴۷)۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر عرف و عادت میں اس قسم کے عقود کا جواز ہوتا رہے تو پھر

کوئی بھی غیر مقدور التسلیم چیزوں کا عدم جواز باقی نہیں رہے گا، اس لئے عرف ہوتے ہوئے عدم جواز ہی کی بات کہی جائے گی، اب ٹھیکے دار کا اس قسم کی مچھلیوں کو بیچنا اور مسلمانوں کو جانتے ہوئے خریدنا کیا حکم رکھتا ہے، یہ ایک سوال ہے جس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ وہ تمام صورتیں جس میں مچھلیاں مملوک تو ہوں، البتہ غیر مقدور التسلیم ہوں ان کی بیع کرنا بیع فاسد ہے، چنانچہ ٹھیکیدار کا اس طریقہ سے کسی تالاب والے سے مچھلی خریدنا فاسد بیع کرنا ہے، اس پر ضروری ہے کہ بیع کو فسخ کردے، لیکن اگر اس نے بیع کو رد نہیں کیا، بلکہ مچھلی نکال کر بازاروں میں فروخت کردیا تو ایسی صورت میں بغیر علم کے اس کو خریدنا بلا کراہت جائز ہے، اس لئے کہ فساد بیع کا حکم ٹھیکیدار تک ہی محصور تھا، جب اس نے غیروں کے ہاتھ فروخت کردیا تو وہ حکم زائل ہو گیا اور غیر کی ملکیت ثابت ہو گئی اور اس کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز اور حلال ہو گیا، تاہم ٹھیکیدار کے لئے وہ کمائی حلال و پاکیزہ نہیں ہوگی، اور اگر فساد بیع کا علم ہوتے ہوئے خریدتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے لئے خریدنا مکروہ ہے، اس سے احتراز کرنا ضروری ہوگا، البتہ حضرت علامہ شامی نے مطلقاً بیع کو مکروہ قرار دیا ہے اور دلیل یہ پیش فرمائی ہے کہ چونکہ ٹھیکیدار کو یہ چیز ناجائز طریقہ سے حاصل ہوئی ہے، اب اگر کوئی خریدتا ہے تو گویا جس چیز کا فسخ واجب و ضروری تھا اس سے اعراض کرنا لازم آئے گا، لہذا اشتراء فی نفسہ مکروہ ہوگی (شامی [illegible])۔

لیکن حضرت علامہ کی بات اگرچہ محقق ضرور ہے، لیکن انسانوں کے ابتلاء کا بھی خطرہ ہے، کیونکہ فاسد عقود بہت لوگ کرتے ہیں اور خریدنے والے خریدتے رہتے ہیں جس میں عالم و جاہل سب برابر ہے، تو ایسی صورت میں بھی سب کے لئے مکروہ بیع کا کرنے والا لازم آئے گا، لیکن اگر اس کو وجہ علم پر محمول کرلیں گے تو بہت سے لوگ اس سے نکل جائیں گے، بندہ کی یہی رائے ہے۔

نوٹ: جاننا چاہئے کہ علامہ شامی کے کراہت کا مطلب صرف شراء مکروہ ہے، مذکورہ اشیاء بلکہ اشیاء بھی حلال و جائز ہوں گی قال الشامی: ان نفس الشراء مکروہ۔

اور وہ جگہ محصور تھی جس میں مچھلیاں، دوسروں کے ہاتھ بیچا ہے تو دوسروں کے لئے خریدنا ایسا ہی ہے کہ جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو پھر اس نے فروخت کر دی تو مشتری کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی، بلکہ وہ چیز بطور امانت ہوگی اور یہ بیع از روئے شرع باطل کہلائے گی (۴/۱۹۰)۔

☆☆☆

پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت

مفتی عبدالرحمن صاحب ☆

۱و۲- یہ صحیح ہے کہ ندی نالے اور نہریں کسی شخص کی ملک نہیں ہیں، بلکہ سرکار کی ملک ہیں، لیکن ان میں موجود مچھلیاں سرکار کی ملک نہیں ہیں، اگر کوئی شخص کسی ندی، نالے یا نہر میں سے مچھلی پکڑ لے تو وہ ان کا مالک ہو جائے گا، اگرچہ اس کا یہ فعل خلاف قانون ہو، تاہم شرعاً وہ ان کا مالک ہو جائے گا، جن لوگوں نے ٹھیکہ لیا ہے انہوں نے رقم دے کر قانونی اجازت مچھلی کے شکار کرنے کی حاصل کی ہے جس کی وجہ سے قانوناً ایک خاص رقبے ایک خاص مدت کے لئے شکار کرنا ان کے لئے جائز ہو گیا ہے، لہذا جو مچھلی وہ پکڑیں گے ان کے وہ مالک ہوں گے اور شکار کرنے کے بعد ان کو ان مچھلیوں کا فروخت کرنا درست ہوگا، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ندی، نالے نہر کی مچھلیاں کسی کی ملک نہیں ہیں تو ان کی بیع کا بھی کسی کو حق نہیں ہے بلکہ وہ مباح الاصل ہے، جو بھی پکڑے گا وہی ان کا مالک ہوگا اور مالک ہونے کے بعد ان کا فروخت کرنا یا استعمال میں لانا درست ہوگا۔

۳- جو تالاب یا حوض کسی کی ذاتی ملکیت ہے اور اس نے مچھلی پالنے کے لئے ہی اس کو تیار کیا ہے تو جو مچھلیاں اس میں پالی گئی ہیں وہ بھی اسی کی ملکیت ہیں اور جو پانی کے ساتھ اس میں آگئی ہیں وہ بھی اسی کی ملکیت ہیں جس کا وہ حوض یا تالاب ہے، اگر وہ حوض یا تالاب چھوٹا ہے کہ بغیر حیلہ کے مچھلیاں اس سے پکڑی جاسکتی ہیں تو ایسے حوض یا تالاب کی مچھلیوں کا بغیر

☆ مفتی مدرسہ مینہ ... ۔

شکار کے فروخت کردینا درست ہے۔ اور اگر تالاب بڑا ہے کہ بغیر حیلہ کے مچھلیوں کا شکار نہیں ہو سکتا تو شکار کے بغیر ان کا فروخت کرنا ممنوع ہے۔

۴- اگر کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہے لیکن اس کو مچھلی پالنے کے لئے تیار بھی نہیں کیا ہے اور بارش کی رو کے ساتھ جو مچھلیاں اس میں آگئیں ہیں ان کے روکنے کا بھی کوئی انتظام نہیں کیا ہے تو اس صورت میں وہ مچھلیاں صاحب حوض کی ملک نہ ہوں گی اور ان کو فروخت کرنا اور ٹھیکہ پر دینا بھی درست نہ ہوگا۔ جو شخص بھی ان کو پکڑ لے گا وہی ان کا مالک ہوگا۔

اسی طرح جو تالاب عوام کی ملک ہے شخصی اور نجی نہیں ہے، اس میں بھی سب کا حق ہے، ہر شخص اس میں سے شکار کر سکتا ہے۔

"ولا يجوز بيع السمك في الماء. بيع السمك في البحر أو النهر لا يجوز، فإن كانت له حظيرة فدخلها السمك، فإما أن يكون أعدها لذلك أولا، فإن كان أعدها فما دخلها ملكه وليس لأحد أن يأخذه ثم إن كان يؤخذ بغير حيلة اصطياد جاز؛ لأنه مملوك مقدور التسليم مثل السمكة في جب وإن لم يكن يؤخذ إلا بحيلة لا يجوز بيعه لعدم القدرة على التسليم عقب البيع......" (فتح القدیر ۷/۱۹۱)۔

☆☆☆

پانی میں ہوتے ہوئے مچھلی کی خرید و فروخت

مفتی احمد حسن جے پور

مچھلی کی خرید و فروخت، سڑکوں کے کنارے لگائے ہوئے درختوں کی اور خود رو پودوں کی سرکاری فروختگی، نیلامی یا بازار کی نیلامی۔ بیع سمک کے سلسلے میں شرعی احکام و ہدایات اور فقہاء کرام کی صراحتیں۔

رسول اللہ ﷺ کے رہنما ارشادات اور فقہاء کرام کی روایات سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں:

الف۔ غرر خفا اور دھوکہ کی بیع ممنوع ہے۔

ب۔ نامعلوم و مجہول شی کی بیع بھی منع ہے۔

ج۔ جب مبیع کی تسلیم و حوالگی کی قدرت نہ ہو تو ایسی بیع بھی صحیح نہیں ہے۔

د۔ جہاں بائع کی ملکیت شی مبیع پر تام و کامل نہ ہو اس بیع کی بھی اجازت نہیں۔

ھ۔ صحت و تکمیل بیع کے لئے قبضہ ضروری شرط ہے۔

ندیوں، چشموں، نہروں اور پوکھروں میں پائی جانے والی، پیدا ہونے والی اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر آتی جاتی رہنے والی مچھلیاں گورنمنٹ کی ملکیت میں داخل ہیں، وہ مچھلیوں کی افزائش نسل، ان کی بقاء و حفاظت اور پیدائش کا فکر چلاتی ہے، مخصوص وقت تک شکار کرنے پر مچھلی پکڑنے پر پابندی لگا رہتی ندی یا نہر سے مچھلی بندی ہی اب میں اگر تیار کرکے چھوٹی مچھلیاں پکڑ کر کسی گڈھے یا بندھ میں پالی جاتی ہیں، مچھلیوں کے واسطے ایک مستقل

ڈپارٹمنٹ بنایا ہوا ہوتا ہے، جس میں بڑی تعداد میں اسٹاف ہوتا ہے، یہ تمام تدابیر ونظم اور تحفظ مالکانہ طور پر ہی کیا جاتا ہے، اندریں حالات گورنمنٹ کی مالکانہ حیثیت پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ندیوں، بندوں، تالابوں وغیرہ اور ان میں پائی جانے والی مچھلیوں کی مالک ہوتی ہے، اسے ان کی فروختگی نیلامی اور ٹھیکہ دینے کا حق بھی حاصل ہے جسے عملاً اپنایا بھی جاتا ہے، سرکاری ذمہ دار ٹھیکہ پر دی جانے والی ندی، تالوں، تالابوں، بندوں کو دیکھ کر مچھلیوں کے ہونے کا اور ان کی مقدار کا اندازہ کرتے ہیں۔ تا کہ قیمت یا ٹھیکہ کی رقم طے کی جاسکے۔

اسی طرح، بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہی مچھلیوں کا خریدار یا ٹھیکہ لینے والا ان علاقوں کا سروے کرتا ہے، مچھلیوں کی نقل وحرکت سے بھی ان مقامات پر کھانے کی اشیاء ڈال کر مچھلیوں کے جمع ہو جانے سے اور پھر اپنی مخصوص بصیرت سے مچھلیوں کی قسمیں جانتا اور ان کی مقدار کا یقین حاصل کرتا اور پھر خریداری یا ٹھیکہ لینے کیطرف قدم بڑھاتا ہے، ان حالات میں مبیع کے نامعلوم یا مجہول ہونے کی صورت باقی نہیں رہا کرتی ہے مبیع کے ایک ایک جز کا جاننا بیع کیلئے ضروری بھی نہیں ہے، شئی مبیع کی اسی قدر معلومات کافی بھی ہوتی ہے، اس کے بعد ہی وہ قیمت یا رقم بتا کر ٹھیکہ اپنے نام کرالیتا ہے، اس کے بعد مقام ٹھیکہ کی حفاظت کرتا ہے، جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں مچھلیوں کے چلے جانے کی راہیں بند کر کے قبض واحراز کی شکل پیدا کرتا ہے، بعد ازاں مدت ٹھیکہ میں مچھلیاں پکڑی اور فروخت کی جاتی ہیں، نظر بریں حالات فروختگی وٹھیکہ کی یہ صورت پھر مچھلیوں کو شمار کر کے فروخت کرنا اور مسلمانوں کا انہیں خریدنا جائز وصحیح ہے۔

"لو سد مقام الدخول حتى صار بحيث لا يقدر على الخروج فقد صار أخذا له بمنزلة مالو وقع في شبكة فيجوز بيعه" (عینی)۔

بڑی ندی، یا نہر سے کسی بندہ وتالاب کا تعلق ہو وہاں سے آنے والی مچھلیاں بندہ وتالاب میں آکر جمع ہوتی رہیں تو اس بندہ وتالاب کو ایک حظیرۂ کبیرہ کی حیثیت دی جائے گی اور اس کی مچھلیاں قبضہ واحراز ہی کی شکل میں مانی جائیں گی، بندوں تالابوں کا بنایا جانا پانی جمع

کرنے کے لئے تو ہوتا ہی ہے، ایک مقصد ارادی یا ضمنی یہ بھی ہوتا ہے کہ یہاں مچھلیاں آکر جمع ہوں تو انہیں فروخت و نیلام کیا جائے، اس قسم کے بندوں، تالابوں کی مچھلیوں کا فروخت کرنا، ٹھیکہ دینا، ٹھیکیدار کا شکار کرکے بیچنا اور مسلمانوں کا خریدنا جائز و صحیح ہوگا۔

"جاز بيعه، لأنه مملوك مقدور التسليم مثل السمكة في جب" (فتح القدیر ملخصاً)

اگر بندوں، تالابوں کا مقصد و غرض مچھلیوں کا جمع کرنا ارادی ہو اور نہ ضمنی ہو تو اس صورت میں قبض و احراز بھی نہ ہوگا اور ایسی مچھلیوں کا فروخت کرنا، ٹھیکہ دینا، ٹھیکہ لینا، خریدنا جائز و درست نہ ہوگا

"وإن لم يكن أعد لذلك لا يملك ما يدخل فيها فلا يجوز بيعه لعدم الملك" (فتح القدير)

وہ بندھا اور وہ تالاب و گڈھے جو خاص شخص، خاص برادری یا خاص پنچایت کی ملک ہوں ان میں پائے جانے والی مچھلیوں کا شکار کرنا پھر فروخت کرنا بھی (مالک سے شرعی معاملہ کئے بغیر) جائز و صحیح نہیں، اور ایسی فروخت ہونے والی مچھلی کا مسلمان کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں۔

بندوں، تالابوں میں جمع ہو جانے والی وہ مچھلیاں جن کے ندی و نہر سے آنے والے راستوں کو روک کر مچھلیوں کے واپس چلے جانے والے راستوں کو مسدود نہ کیا گیا ہو، ایسے بندوں، تالابوں کی مچھلیاں بھی قبض و احراز میں شامل و داخل نہ کی جائیں گی اور ان کی فروخت اور مسلمانوں کا انہیں خریدنا بھی جائز نہ ہوگا۔ سڑکوں کے کنارے سرکاری لگائے ہوئے درخت یا سرکاری زمین و پہاڑوں پر پائے جانے والے سرکار کے لگائے ہوئے یا خودرو درختوں اور ان سے حاصل ہونے والے اجزاء کی فروختگی و نیلامی پر بھی وہی فقہی فتاوی فیصلہ کن ہوں گے جنہیں مچھلی کے سلسلہ میں اوپر بتایا گیا ہے۔ ان درختوں کا معاملہ تو مچھلیوں سے بھی زیادہ واضح ہے، ان پر

سرکار کی ملکیت تو یقینی ہے ہی اور خریدار وٹھیکہ دار انہیں چشم خود دیکھ کر معلومات ویقین بھی حاصل کر لیتا ہے، پیڑ درخت اور ان سے حاصل ہونے والے اجزاء موجود ہوں اور مقدور التسلیم بھی ہوں تو ان کی بیع وٹھیکہ اور فروختگی وخریداری کے جواز میں بھی شک نہیں کیا جائے گا۔

نوٹ: بازار کے سرکاری نیلامی کا معاملہ بھی بیع سمک کے ذیل میں درج شدہ روایات کی روشنی میں طے کر کے لایا جاسکے گا۔

☆☆☆

سرکاری تالاب کی مچھلیاں بغیر شکار کے خرید و فروخت کرنا

مولانا محمد زید مظاہری ندوی ☆

جواب نمبر ا - سرکاری تالاب، ندیوں اور تالاوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع عرف و رواج کے مطابق قطعی ناجائز ہے، لیکن مچھلیوں کے مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے نہیں (جیسا کہ سائل نے سوال میں ذکر کیا ہے)، بلکہ عدم جواز کی اصل علت مچھلیوں کا غیر مملوک ہونا ہے، بالفرض اگر مبیع کی جہالت مرتفع بھی ہو جائے اور وہ مقدور التسلیم بھی ہو تب بھی غیر مملوک ہونے کی وجہ سے اس کی بیع درست نہ ہوگی، دیکھئے: (بدائع الصنائع ۵؍۱۳۶)۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ بیع کی صحت کے واسطے مبیع کا مملوک ہونا ضروری ہے، لہذا ایسی اشیاء جو مباح الاصل ہونے کی وجہ سے کسی خاص شخص کی ملک نہ ہوں ان کی بیع اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک کہ وہ بائع کی ملکیت میں نہ آ جائیں، اور مباح الاصل اشیاء کا ملک ہونا یہ موقوف ہے قبضہ و احراز پر، لہذا جب تک مچھلیوں کا احراز و قبضہ نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی بیع درست نہ ہوگی، اور پکڑنے کے بعد جو بھی اس پر قابض و مالک ہوگا اس کا بیچنا درست ہوگا۔

صورت مسئولہ میں احراز و قبضہ اور ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیع باطل ہے جس کا وجود و عدم برابر ہے۔

محقق تھانوی ایسی مچھلیوں کی بیع کی بابت فرماتے ہیں کہ "یہ دراصل بالکل حرام ہے، ایسی بیع بالکل درست نہیں محض باطل ہے" دیکھئے: (صفائی معاملات ۲۰)۔

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

جنگل میں پائی جانے والی لکڑیاں، خودرو گھاس وغیرہ سب کا یہی حکم ہے، البتہ سرکار نے جو درخت خود لگائے ہیں، سرکار کی اجازت کے بغیر ان کو کاٹنا درست نہیں، کیونکہ وہ سرکاری ملک ہیں، جیسے کہ مچھلیوں کو خود پالنے سے وہ اس کی ملک ہوتی ہیں۔

سرکاری تالاب و نہروں سے پکڑی ہوئی مچھلیوں کو خریدنا:

جواب نمبر ۲- چونکہ یہ بیع باطل ہے جس کا وجود و عدم برابر ہے، ملک نہ ہونے کی وجہ سے بیع کا انعقاد ہی نہیں ہوتا، اس لئے بیع کے بعد بھی نہ ٹھیکیدار اس کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہی ٹھیکیدار کو اس حالت میں مچھلیوں کا فروخت کرنا درست ہے، جو بھی ان مچھلیوں کو پکڑے گا وہی اس کا مالک ہوگا، اس کے لئے اس کا بیچنا، کھانا، پینا درست ہوگا۔ ٹھیکیدار بھی پکڑ کر فروخت کرے گا تو اس کے لئے بھی جائز ہوگا، اور دوسروں کے لئے اس سے خریدنا بھی درست ہوگا، لیکن یہ جواز بیع کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ پکڑنے کے بعد اب وہ اس کا مالک بن گیا۔

البتہ وہ ٹھیکیدار اس میں سے پکڑ کر جو فروخت کرے گا، چونکہ پکڑنے سے اس کی ملک میں داخل ہوگئی یہ بیع درست ہوگی، لیکن اگر کسی غیر نے مچھلیاں پکڑ لیں اور ٹھیکیدار نے اس سے چھین کر فروخت کیں تو نہ ان کا بیچنا درست ہے اور نہ اس کا خریدنا درست ہے جس کو حال معلوم ہو (ایضا)۔

ذاتی اور شخصی تالاب کی مچھلیوں کی خرید و فروخت:

فقہاء کی تصریح کے مطابق انعقاد بیع کے واسطے جس طرح مبیع کا مملوک ہونا شرط ہے اسی طرح بیع کی صحت کے واسطے مبیع کا معلوم و مقبوض اور مقدور التسلیم ہونا بھی شرط ہے، مبیع کے غیر مملوک ہونے سے جس طرح بیع باطل ہوتی ہے اسی طرح مبیع کے مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے سے صحیح قول کے مطابق بیع فاسد ہوتی ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۷، فتح القدیر ۶/ ۱۴۳)۔ اس سلسلہ میں بعض صریح نصوص (احادیث مرفوعہ) بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی میں

موجود مچھلی کی بیع جائز نہیں، چنانچہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرفوع حدیث میں آیا ہے: "لا تشتروا السمک فی الماء فانه غرور" (فتح الباری ۴/۴۱۸) (پانی میں موجود مچھلی کو مت خریدو کیونکہ اس میں غرر (دھوکہ) ہے)، نیز حضرت عمران بن حصینؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے (عمدۃ القاری ۹/۳۵۷)۔

چونکہ پانی میں مچھلی کی بیع کا عدم جواز منصوص ہے، اس لئے نص صریح کے ہوتے ہوئے نہ تو اس میں قیاس کی گنجائش ہوسکتی ہے اور نہ ہی عموم بلوی وعرف عام کا سہارا لے کر نص میں تخصیص کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ نص کی تخصیص نہیں، بلکہ اس سے نص کا ترک لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں، علامہ شامیؒ نے "رسم المفتی" میں اس کی تصریح فرمائی ہے، دیکھئے: (رسم المفتی/۹۹)۔

اور یہ ایک ایسا اجماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اب اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، دیکھئے: (موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی ۱/۱۷۷)۔

البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے کہ ان دونوں حضرات نے بڑے تالاب کے پانی میں بھی مچھلی کی بیع کو جائز قرار دیا ہے (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ/۳۰۰)، طبری کی تصریح کے مطابق ابن سیرینؒ کے نزدیک بھی بیع غرر جائز ہے (دیکھئے: فتح الباری ۴/۴۱۸)، لیکن ان حضرات کے قول کی نہ تو کہیں تفصیلات ملتی ہیں، نہ اس کے حدود وشرائط اور نہ ہی ماخذ ومستدلات، نیز یہ قول نصوص صریحہ اور اصول فقہیہ کے بھی خلاف ہے، اس لئے یہ قول مردود نا قابل اعتبار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں سے کسی نے اس قول کو نہیں اختیار کیا، بلکہ لائق اعتنا نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

علامہ عینیؒ نے امام رافعی ونووی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اگر پانی تھوڑا صاف شفاف ہو جس سے مچھلیاں نظر آتی ہوں اور ان کا پکڑنا آسان ہو تو قدرت علی التسلیم کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہے، لیکن اگر پانی زیادہ ہو یا ایسا ہو کہ مچھلیاں باہر سے نظر نہ آتی ہوں تو پھر اس کا عدم جواز

متفق علیہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، دیکھئے: (عمدۃ القاری ۱۰/۵۲)۔

خلاصۂ بحث:

حاصل کلام یہ کہ زیر بحث مسئلہ میں پانی کے اندر پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع (جو دو بائع کی ملک میں نہ ہوں تو) بیع فاسد اور ناجائز ہے، کیونکہ یہ مبیع مجہول ہونے کے ساتھ ساتھ غیر مرئی، غیر مقبوض، غیر مقدور التسلیم ہے اور ان امور سے ایک علت بھی بیع کو فاسد کر دیتی ہے، چہ جائیکہ کئی علتیں مجتمع ہو جائیں، جو معاملہ کو فاسد کرنے والی ہوں، اس لئے یہ بیع درست نہیں۔ ڈالی تالاب وحوض کی مچھلیوں کو بھی شکار سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، لیکن اس کے باوجود اگر کسی نے ایسی بیع کی ہے تو وہ بیع باطل نہیں، بلکہ فاسد ہوگی، اور اس پر بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے، جس کے احکام حسب ذیل ہیں:

۱- بیع فاسد میں مشتری قبضہ کے بعد مبیع کا مالک ہو جاتا ہے، لیکن یہ ملک خبیث ہوتی ہے۔

۲- اس بیع کو ختم کرکے دوبارہ صحیح طریقہ سے بیع کرنا ضروری ہے۔

۳- مشتری کے لئے قبل قبض اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

۴- اور بعد القبض دیگر تصرفات مثلاً ہبہ اور بیع تو جائز ہے، لیکن خود اس کو کھانا جائز نہیں۔

۵- البتہ دوسروں کے لئے اس سے خرید کر کھانا جائز ہے، نیز اس کا ہبہ بھی جائز ہے۔

۶- لیکن چونکہ ملک ذریعہ خبیث ہوئی ہے، اس لئے عام لوگوں کو بھی جانتے ہوئے اس کا خریدنا کراہت سے خالی نہیں، بیع فاسد کے یہ احکام کتب فقہ: "شامی و بحر الرائق" وغیرہ میں مذکور ہیں، دیکھئے: (درمختار مع شامی ۷/۲۸۲، ۲۸۳، ۳۰۳)۔

محقق تھانوی فرماتے ہیں:

''بیع فاسد سے شئی مبیعہ میں جو حرمت وخباثت آتی ہے وہ صرف مشتری اول کے لئے ہے، اس کو واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کرے، اور جو شخص اس مشتری سے آئندہ خرید لے یا مشتری اس کو بطور ہدیہ دے اس کو حلال ہے، اور بیع باطل سے جو حرمت آتی ہے وہ بھی زائل نہیں ہوتی''۔ دیکھئے: (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۶/ ۷۶، شامی ۴/ ۱۳۰)۔

ذاتی تالاب میں ازخود آجانے والی مچھلی کا حکم:

مچھلی کا مالک ہونا اور اس کی بیع کا جائز ہونا دونوں مسئلے علیحدہ علیحدہ ہیں، دونوں میں کوئی تلازم نہیں، ملک کا مدار تو مچھلی کے اخذ و احراز پر ہے، خواہ وہ احراز حقیقتاً ہو یا حکماً اور بیع کی صحت کا مدار مقدور التسلیم ہونے پر ہے، دیکھئے: (رد المحتار ۴/ ۵۰، فتح القدیر)۔

لہذا اگر کسی شخص نے مچھلیاں پکڑ کر اپنے تالاب میں ڈالی ہیں تو پکڑنے کی وجہ سے وہ اس کی مملوک ہیں، باہر نکالنے کے بعد ان کا فروخت کرنا درست ہے۔

اور اگر بارش وغیرہ کی وجہ سے ازخود مچھلیاں ذاتی تالاب میں آگئیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ اس نے اسی مقصد کے لئے، یعنی مچھلی پالنے ہی کے لئے اس تالاب کو تیار کیا ہے، تب بھی وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہو جائے گا، اور اگر اس مقصد کے لئے تالاب تو نہیں بنایا، لیکن مچھلیاں آجانے کے بعد ان کے روکنے اور مچھلیوں کے باہر جانے کی کوئی تدابیر اختیار کی، مثلاً بند لگا دیا تب بھی وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک ہوگا، اور اخیر کی یہ دو صورتیں احراز حکمی کی ہیں، دیکھئے: (تبیین الحقائق ۴/ ۴۵، مجموعہ رسائل ابن عابدین [illegible])۔

لیکن اگر اس شخص نے تالاب کو نہ تو مچھلی پالنے کے لئے تیار کیا ہے اور مچھلیوں کے آجانے کے بعد نہ ہی اس نے ایسی کوئی تدابیر اختیار کی جس سے کہ وہ محفوظ ہو جائیں، باہر نہ جا سکیں، یعنی بند وغیرہ نہیں لگایا تو ایسی صورت میں وہ شخص ان مچھلیوں کا مالک نہ ہوگا گو تالاب اسی کا ہے، کیونکہ اسباب ملک احراز حقیقتاً یا حکماً نہیں پایا گیا، یہ ساری تفصیلات فقہاء نے کتب فقہ میں

تحریر فرمائی ہے، دیکھئے: (شامی ۴؍۷۰، فتح المعین ۲؍۵۹۹)۔

پھر جن صورتوں میں تالاب کا مالک مچھلیوں کا مالک ہوگا، مچھلیوں کو باہر نکالنے کے بعد ان کی بیع بھی کرسکتا ہے، پانی کے اندر مچھلیوں کی بیع نہیں کرسکتا جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی، اور جن صورتوں میں تالاب کا مالک مچھلیوں کا مالک نہیں ہوتا ان صورتوں میں مالک کا ان مچھلیوں کو کسی طرح بھی فروخت کرنا درست نہیں، البتہ نکالنے کے بعد جب وہ مالک بن گیا تو اب درست ہوگا، لیکن اس سے مچھلی پکڑنے کا سب کو اختیار ہے، اور جو بھی اس سے مچھلی پکڑے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔

اور تالاب کو ٹھیکہ پر دینا تاکہ مچھلیوں کو پکڑ کر فروخت کرتا رہے یہ شکل بھی ناجائز ہے، کیوں کہ مچھلیوں کا اجارہ تو ہوتا نہیں۔ اجارہ میں تو وہ عین واپس ہوتا ہے اور یہاں مچھلیاں واپس نہ ہوں گی، اس لئے اجارہ کہنا ہی درست نہیں، علامہ شامی نے بھی اسی بناء پر اس کو ناجائز قرار دیا ہے (فتح المعین ۲؍۵۹۹)۔ اور اگر یہ مچھلیوں کی بیع ہے تو پانی کے اندر مچھلیوں کی بیع کا عدم جواز متفق علیہ ہے کما مر۔ اور تالاب کا اجارہ بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ مقصود تو مچھلیوں کی خرید وفروخت ہے جس کو عرف کی اصطلاح میں ٹھیکہ کہتے ہیں اور حقیقت اس کی بیع ہے، الغرض کسی طرح ٹھیکہ والی مروج صورت کا جواز سمجھ میں نہیں آتا، البتہ اگر واقعی کوئی شخص صرف تالاب کو اجارہ پر اپنی مچھلیاں پالنے کی غرض سے لے تو یہ جائز ہوگا، لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔

☆☆☆

مچھلی کی خرید وفروخت

مفتی انور علی اعظمی *

۱- سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر ان کے نکالے ہوئے ممنوع ہے، اس لئے کہ سرکاری تالاب یا ندی نالے کی مچھلیاں بارش اور سیلاب کے ساتھ آتی اور جاتی رہتی ہیں، لہذا شکار سے پہلے وہ کسی کی ملک نہیں، اس لئے ان کی بیع ایک غیر مملوک کی بیع ہے، اور غیر مملوک کی بیع شرعی اصول کے لحاظ سے قطعی باطل ہے۔

عرف کی وجہ سے اس مسئلہ میں کوئی تبدیلی نہیں آسکے گی، اس لئے کہ اولاً تو اس عرف کے صحیح ہونے میں شبہ ہے، بلکہ زیادہ رجحان اس بات کا ہے کہ یہ عرف، عرف فاسد ہے۔

دوسرے یہ کہ عرف مذکور متعدد نصوص کے متعارض ہے، مثلاً:

۱- "لا تبع ما ليس عندك" (نصب الرایۃ ۴/ ۳۲)۔

۲- عن ابن عمر وابن مسعود قالا: "لا تشتروا السمك في الماء فإنه غرر"۔

۳- عن أبي هريرة: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الغرر وبيع الحصاة" (ترمذی ۳/ ... باب ما جاء في كراهية بيع الغرر، بيع السمك ايضاً) لہذا اس قاعدہ اور نصوص کے متعارض عرف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

۴- مذکورہ بالا صورت معاملہ کے شرعاً ناجائز ہونے کے باوجود ٹھیکیدار کا اس طرح

---

* [illegible]

حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان شخص کا پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلیاں خریدنا جائز ہے۔

اس لئے کہ ندی نالے اور غیر شخصی تالاب کی مچھلیاں شکار سے پہلے کسی شخص یا سرکار کی ملک نہیں ہیں، بلکہ مباح الاصل ہیں، لہذا سرکار کی بیع ٹھیکیدار کے ہاتھ تو کالعدم ہے، لیکن شکار کے بعد وہ ان مچھلیوں کا مالک ہوگا اور اسے بیچنے کا اختیار حاصل ہوگا، اور جب اس کا بیچنا درست ہے تو مسلمان کا باوجود صورت حال جاننے کے خریدنا بھی ہے (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۴/۲۲۸، امداد الفتاویٰ ۳/۳۰۸-۳۰۹، وفی الشامی (۷/۱۳۴): "فلانه لو صاد بعد ملکه")۔

۳- جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے ایسے حوض یا تالاب کی پالی ہوئی مچھلیوں کو شکار سے پہلے بیچنے کا حکم کیا ہوگا؟ اس میں تفصیل یہ ہے:

اگر نجی حوض یا تالاب جس میں مچھلیاں پالی گئیں اتنا چھوٹا ہے کہ مچھلیاں بغیر حیلہ کے پکڑی جاسکتی ہیں تو شکار سے قبل ان کی بیع درست ہے، جیسا کہ فتح القدیر (۶/۴۹) پر اس کی تفصیل موجود ہے (مغنی مع الشرح الکبیر ج ۴ ص ۲۷۰)۔

اور اگر نجی حوض یا تالاب اتنا بڑا ہے کہ بغیر حیلہ کے مچھلیوں کا شکار ممکن نہیں ہے تو اس صورت میں مذکورہ حوض یا تالاب کے مچھلیوں کی بیع فاسد ہے، اس لئے کہ مچھلیوں کی مقدار مجہول بھی ہے اور مچھلیاں غیر مقدور التسلیم بھی ہیں (فتح القدیر ۶/۴۹)۔

۴- عوامی ملکیت کے حوض یا تالاب کی جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آگئی ہیں وہ کسی کی ملک نہیں ہیں، بلکہ مباح الاصل ہیں، لہذا ان کی بیع قبل الاصطیاد باطل ہے۔

نجی زمرہ کے حوض یا تالاب میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آجائیں ان کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ مچھلیوں کے آنے کے بعد حوض اور تالاب کا مالک ان کو روکنے کے لئے کوئی بندوبست کرے، اس صورت میں ان کا مالک ہو جائے گا، اب حوض چھوٹا

پانی میں مچھلی کی بیع

مولانا منظور احمد قاسمی ☆

آج کے اس دور میں خرید و فروخت کی جہاں بہت سی نت نئی صورتیں اور جدید طریقے کار وجود میں آئے ہیں، وہیں تالاب میں مچھلیوں کی خرید و فروخت کا معاملہ بھی بکثرت رواج پاگیا ہے، اس میں بعض صورتیں اگر شرعاً درست ہیں تو زیادہ تر صورتیں غیر شرعی ہیں، اس لئے خرید و فروخت کے سلسلہ میں دو باتیں ضروری طور پر سمجھ لینی چاہئے، اول یہ کہ جو بھی کوئی چیز فروخت کرے تو وہ چیز فروخت کرنے والے کی ملکیت میں ہو، دوسری یہ کہ وہ چیز مقدور التسلیم ہو یعنی اس کی حوالگی و سپردگی بآسانی ممکن ہو، چنانچہ وہ چیز اگر ملکیت میں نہ ہو یا ملکیت میں تو ہو لیکن غیر مقدور التسلیم ہو تو اس کی بیع درست نہیں ہے، مچھلیوں کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں بھی یہی تفصیل ہے۔

سوالوں کے جوابات ترتیب وار ذیل میں ہیں:

۱- سوال میں مذکورہ صورت کہ ایسی ندیوں، نہروں اور نالوں کے خاص حصے جسے سرکار کسی کو ایک معین مدت کے لئے معاوضہ کے طور پر دے دیتی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس خاص حصے سے حاصل ہونے والی مچھلیوں کی اسی خاص حصے میں پرورش بھی ہوئی ہو، بلکہ سیلاب کی آمد و رفت کے ساتھ آتی و جاتی رہتی ہیں، تو یہ ظاہر بات ہے کہ معاوضہ کے طور پر اس خاص حصے کو لینے والے کی ملکیت میں یہ مچھلیاں نہیں ہیں، کیونکہ ملک کے لئے قبضہ یا احراز شرط ہے،

☆ جامعہ شیخ الاسلام [illegible]

جبکہ دونوں یہاں مفقود ہیں، اس لئے ایسی مچھلیوں کی بیع وشراء بغیر ان مچھلیوں کو نکالے ہوئے باطل ہے۔ "(والسمک قبل الصید) أی لم یجز بیعہ لکونہ باع ما لا یملکہ فیکون باطلا" (البحر الرائق ۶/۷۳)، اور یہ حقیقت ہے کہ ملکیت ہی بیع وفروخت کی بنیادی شئی ہے، غیر مملوک شئی کو بیچنا کوئی بیچنا ہی نہیں ہوا، اس لئے غیر مملوک کی بیع باطل ہوتی ہے اور اس میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے، جب عدم ملک کی وجہ سے یہ صورت اصلاً بیع کی ہوئی ہی نہیں تو گویا یہ صورت موجودہ عرف میں عام ہوگئی ہے، اس صورت کے جواز کا فتویٰ دینا درست نہیں ہے، نیز ایسی صورت کا عرف بھی صحیح نہیں ہوگا، بلکہ فاسد ہوگا، اور عرف فاسد پر کسی مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی۔

۲- اور چونکہ مذکورہ بالا صورت بیع شرعاً باطل ہے، اس لئے اس طرح سے حاصل کی ہوئی مچھلیاں بیچنا یا کسی مسلمان کو پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلیوں کو خریدنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع باطل ہے اور "الباطل لا یفید ملک التصرف" (ہدایہ ۳/۴۳)۔

البتہ اگر ٹھیکیدار ان مچھلیوں کے سلسلہ میں قبضہ یا احراز کی کوئی صورت اختیار کرلیتا ہے اور پھر ان مچھلیوں کو نکال کر بیع کرتا ہے تو درست ہے، کیونکہ اب وہ مچھلیاں اس کی ملک ہیں اور مقدور التسلیم بھی۔

۳- جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہے اور وہ اس میں باقاعدہ مچھلی پکڑ کر یا خرید کر پرورش کرتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ مچھلیاں اس شخص کی ملکیت میں ہیں، لیکن اگر حوض وتالاب بڑا ہو کہ بغیر کسی تدبیر وحیلہ کے مچھلیاں شکار نہ کی جاسکتی ہوں تو ایسے حوض وتالاب کی مچھلیوں کو شکار کرنے سے پہلے فروخت کرنا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے اور اگر حوض وتالاب اتنا چھوٹا ہو (مثلاً گڑھا وغیرہ) کہ اس میں سے جب چاہیں بلا تکلف اور بغیر کسی حیلہ وتدبیر کے مچھلیاں پکڑ لیں تو ان مچھلیوں کی بیع پانی میں بھی درست ہے، کیونکہ ایسی صورت میں یہ مچھلیاں غیر مقدور التسلیم نہیں ہیں۔

"إذا كان في حظيرة إذا كان لا يؤخذ إلا بصيد لكونه غير مقدور

التسليم، فيكون فاسدا و معناه إذا أخذه ثم ألقاه فيها ولو كان يؤخذ بغير حيلة جاز" (البحرالرائق)۔

۴- اگر کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا اس میں اگر مچھلیاں پالے بغیر بارش کی وجہ سے از خود پیدا ہوگئی ہوں یا کسی ندی یا سمندر سے از خود آگئی ہوں، تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ مذکورہ تالاب جس سے کوئی ندی متصل ہوگئی ہے، تالاب میں مچھلی آجانے کے بعد مدخل بند کر کے تالاب سے مچھلی نہ جانے کا انتظام کر دیا گیا ہے یا یہ کہ مدخل تو بند نہیں کیا گیا ہے یا کہ مدخل تو بند نہیں کیا گیا، لیکن وہ تالاب اسی غرض سے بنایا گیا ہے اور وہ اسی مقصد کے لئے مہیا ہے تو ان دونوں صورتوں میں تالاب میں رک جانے والی مچھلیاں مالک حوض کی ملک میں ہوں گی، اگر حوض میں بارش کی وجہ سے مچھلیاں پیدا ہوگئی ہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں: اگر یہ حوض اسی غرض ومقصد کے لئے مہیا نہیں ہے، تو یہ مچھلیاں صاحب حوض کی ملکیت میں نہیں ہوں گی، خواہ وہ حوض ایسا ہی کیوں نہ ہو کہ اس کی مچھلیاں بلا تکلیف اور بغیر کسی حیلے کے ہاتھ سے پکڑی جاسکیں۔

"فإن كانت له حظيرة فدخل السمک، فإما أن يكون أعدها لذلک أولا، فإن كان أعدها لذلک لا يملک ما يدخل فيها الخ، فإن اجتمع بغير صنعة لم يملكه سواء أمكنه أخذه من غير حيلة أولا" (فتح القدیر ۶؍۳۹)۔

لہٰذا جن صورتوں میں کوئی مچھلیوں کا مالک نہیں ہوتا ہے اور پھر مچھلیوں کی بیع کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہے، اور جن صورتوں میں مچھلیوں کا مالک ہو جاتا ہے تو اس میں وہی تفصیل مدنظر رہے گی کہ اگر وہ مچھلیوں کو بغیر اصطیاد کے ہاتھ سے پکڑنے پر قادر ہے تو ان کی بیع پانی میں درست ہے ورنہ نہیں۔

☆☆☆

غیر مقدور التسلیم مچھلی کی خرید و فروخت

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی☆

ہندوستان میں مچھلیوں کی خرید و فروخت کی بعض شکلیں تو وہ ہیں جن میں مچھلی کسی کی مملوک نہیں ہوتی اور بعض صورتیں وہ ہیں جن میں مچھلی مملوک تو ہوتی ہے، لیکن مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہوتی ہے، وہ صورتیں جن میں مچھلی کسی اور شخص کی ملک ہو، دوسرے کو اس کا بیچنا درست نہیں ہے، اسی طرح وہ ندی، نالے تالاب جو کسی کی ملکیت نہیں ہیں، بلکہ وہ سرکاری ہیں اور سرکار نے اسے کسی کو ٹھیکہ پر نہیں دیا ہے، یا ملکیت تو کسی کی ہے، مگر وہ مچھلیاں پالنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، بلکہ مچھلیاں اس میں از خود آگئی ہوں، اور مالک نے اس کو محفوظ رکھنے کے لئے کچھ نہیں کیا ہو، ان تمام صورتوں میں مچھلی کی بیع شکار کے پہلے غیر مملوک ہونے کی وجہ سے باطل ہے، ''ہدایہ'' میں ہے:

''ولا یجوز بیع السمک قبل الاصطیاد، لأنہ باع ما لا یملکہ'' (ہدایہ ج [illegible] الفاسد)۔

''شامی'' میں ہے:

''إنہ إذا دخل السمک فی حظیرۃ، فإما أن یعدھا لذلک أولا، وفی الثانی لا یملکہ، فلا یجوز بیعہ لعدم الملک'' (شامی ص ۱۰۹)۔

اسی طرح وہ ندی اور نالے، اور نہریں اور تالاب جو سرکاری ہیں اور سرکار نے اس میں

☆ [illegible]

مچھلی پالن کے لئے کوئی اہتمام نہ کیا ہو، بلکہ سیلاب کی آمد و رفت کے ساتھ یہ مچھلیاں آتی جاتی رہتی ہوں، ایسے ندی نالے وغیرہ مباح الاصل ہیں اور ان سے مچھلیاں نکال کر جو تجار بازار میں لاتے ہیں اس کی خرید و فروخت درست ہے، اور اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ یہ مچھلیاں شکار کے پہلے کسی کی ملکیت نہیں ہیں، اس لئے ایسے ندی نالوں کی مچھلیوں کی بیع بغیر شکار کئے ہوئے غیر مملوک ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

وہ ندی نالے، جو سرکاری ہیں اور سرکار نے اسے کسی کو ٹھیکہ پر دے دیا ہے، اور ٹھیکہ لینے والے اس میں مچھلیوں کے زیرے ڈالے ہوں، یا کم از کم اس کی گھیرا بندی کی ہو کہ مچھلیاں اس حصہ کی آراضی سے باہر نہ جاسکیں، اس صورت میں یہ بیع باطل نہیں ہوگی، کیونکہ اس حصہ اور تالاب میں موجود مچھلیاں ٹھیکہ پر لینے والے کی مملوک ہیں۔ "شامی" میں ہے:

"وإن لم یعدھا لذلک لکنہ أخذہ وأرسلہ فیھا ملکہ" (شامی ۴/۱۰۹)۔

غیر مقدور التسلیم مچھلی کی بیع:

جن صورتوں میں مچھلیوں کی ملکیت ثابت ہے، اس صورت میں بھی بغیر شکار کئے ہوئے مچھلیوں کی بیع مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہوا کرتی ہے، اس لئے شرائط کے ملحوظ نہ ہونے کی وجہ سے ایسی بیع قضاءً فاسد ہے، البتہ دیانۃً درست ہے، کیونکہ مبیع مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے جو فساد آتا ہے وہ شریعت کے کسی حق کی بناء پر نہیں، بلکہ اختلاف اور مفضی إلی النزاع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، چونکہ عرفاً و عادۃً مچھلیوں کی بیع بغیر شکار کئے ہوئے اختلاف اور نزاع کا سبب نہیں بنتا، اس لئے علت فساد کے رفع کی وجہ سے، یہ بیع دیانۃً درست ہوگی، (دیکھئے: فیض الباری)۔

لہذا اگر کسی نے اپنی ذاتی ملکیت یا ٹھیکہ پر لئے ہوئے ندی نالے یا تالاب میں مچھلیاں پالیں تو وہ اس کی ملک ہیں، اب اگر اس نے اس تالاب وغیرہ کی مچھلیوں کو بغیر شکار

کئے کسی کے ہاتھ بیچ دیا تو یہ بیع مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے کے باوجود دیانۃً درست ہے، کیونکہ یہ "مفضی إلی النزاع" نہیں ہے، پھر مچھلی خریدنے والے نے جب اسے شکار کرکے یا قبضہ میں لاکر فروخت کیا تو فروختگی کا یہ عمل ہر اعتبار سے درست ہے اور مسلمانوں کا خریدنا جائز اور اس کا استعمال کرنا حلال ہے۔

ایسے حوض یا تالاب جو نجی ملکیت کے ہوں، یا عوامی ملکیت کے، اس کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا، بایں طور کہ اس مدت میں ٹھیکہ لینے والے ہی کو اختیار ہو کہ وہ اس تالاب کی مچھلیوں کا شکار کرکے فائدہ اٹھائے، اجارہ کی ایک شکل ہے، گویا زمین کے حصہ کا مالک نے ایک مقررہ مدت کیلئے اجارہ پر دے دیا ہے، کہ وہ اس میں مچھلیاں مارے اور فروخت کرے، اب اگر ٹھیکہ پر لینے والے نے اس حوض یا تالاب سے مچھلیاں شکار کرکے فروخت کیں تو یہ فروختگی درست ہوگی۔

☆☆☆

تالاب کی مچھلیوں سے متعلق بیع وشراء کے چند اہم مسائل

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی ☆

۱- مذکورہ صورت یقیناً شریعت میں ممنوع ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کی صراحت آ چکی ہے، لیکن مذکورہ صورت "مبیع کے مجہول یا غیر مقدور التسلیم" کی وجہ سے اس وقت ممنوع ہے جبکہ یہ صورت مفضی الی النزاع ہو، لہذا اگر مبیع جہالت اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے مفضی الی النزاع نہ ہو اس کے جواز سے مانع کوئی چیز نہیں بن سکتی، چنانچہ ایک مدت دراز سے ہندوپاک، نیپال اور بنگلہ دیش اور دوسرے ملکوں میں اس طرح کے عقود بکثرت عمل میں آ رہے ہیں، لیکن کبھی کوئی نزاعی صورت سننے میں نہیں آئی، اور مزید بات یہ کہ یہ معاملہ روز افزوں اور رو بہ ترقی ہے، اس لئے اس وقت کے حالات کے مطابق باوجودیکہ صورت "بیع فاسد" کی ہے جائز اور درست ہے۔

اور فقہی اصولوں سے بھی اس مسئلہ کا جواز فراہم ہوتا ہے، چنانچہ اصول یہاں پر یہ ہے کہ جو اشیاء میں التجار کسی خاص چلن کے ساتھ فروغ پا گئے ہوں وہ مشروط کا درجہ و مقام حاصل کر لیتی ہیں۔ "قواعد الفقہ" میں ہے:

"المعروف بین التجار کالمشروط بینہم"۔

(یعنی جو چیزیں تاجروں کے لین دین میں معروف ہو جائیں وہ مشروط بھی جائیں گی)، لیکن اس کا اعتبار بھی اس وقت ہوگا جبکہ یہ نص سے متصادم نہ ہوں، ورنہ مردود قرار

☆ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

دیا جائے گا۔

غرض کہ ہم اس بارے میں صاف طور پر یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں اگرچہ بیع فاسد کے وجوہ پائے جا رہے ہیں، لیکن چونکہ وجوہ فساد جس علت پر مبنی ہیں وہ علت چونکہ پائی نہیں جا رہی ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں حضرات اہل علم اور اہل فتاویٰ کو جائز ہونے کا حکم پر رائے کرنا چاہئے۔

۲- مذکورہ بالا صورت جائز ہے، لیکن انہی شرطوں کے ساتھ جس کا ذکر ہم تفصیلاً کر چکے ہیں، لہذا اگلی صورت بھی جائز ہوئی، اور مشتری ثانی کے لئے اس کی خرید بالکل درست اور جائز ہے، اور اگر ہم مذکورہ صورت کو ناجائز کی فہرست میں درج کریں تو بھی بعد کے مشتری کے لئے خریدنے میں کوئی عدم جواز کا پہلو نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں شریعت نے حکم فساد اس لئے جاری کیا ہے کہ متعاقدین میں سے کسی کا یا دونوں کا نقصان نہ ہو، اب اگر جہالت یا غیر مقدور التسلیم کی صورت میں فساد آ رہی ہے تو نفس بیع میں نہیں، بلکہ وصف میں آیا ہے اور وہ تعین مقدار جہالت ہے، پھر یہ کہ قبضہ کے بعد جو صورت نزاع کی تھی وہ نہیں رہی، تو اب بعد والے مشتری کے لئے ایسی اشیاء کی خرید میں عند الشرع کوئی مانع نہیں۔

۳،۴- سوال نمبر ۳ اور سوال نمبر ۴ میں خاصا فرق نہیں ہے، اس لئے دونوں سوالوں کا حل مشترک طور پر یہ ہے کہ جہاں تک باہر سے پانی کی رو میں آنے والی مچھلیاں ہیں وہ جب تالاب میں آ پہنچیں تو وہ صاحب تالاب کی ملکیت میں شمار ہوں گی (دیکھئے: امداد الفتاوی ۳/۳۰۹، صورت جب ہے کہ باہر جانے کا طریقہ بند ہو چکا ہو، لیکن جو پیدا ہوئی تو وہاں کی ملک نہیں الا یہ کہ شکار کرے، چونکہ اس سے بیع نہیں دیکھئے حوالہ بالا)۔

باقی شقوں کا جواب وہی ہے جو نمبر ۱ اور نمبر ۲ کے تحت ہم بیان کر چکے ہیں، یعنی چونکہ ابتلاء عام ہو چکا ہے اور چونکہ نزاع کی صورت بھی جو جہالت یا غیر مقدور التسلیم کے نتیجے میں پیدا ہو سکتی تھی وہ بھی نہیں، لہذا ایسے تالاب یا حوض کی مچھلیاں نکال کر ایک خاص مدت میں فروخت

کرے، جبکہ مچھلیاں شکار کرنے سے قبل ہی خرید لی گئیں ہیں، اسی طرح ٹھیکہ لینے ہی والے کو یہ اختیار ہو کہ متعینہ مدت میں ٹھیکہ دار ہی حوض وتالاب کی مچھلیوں کا شکار کرکے فائدہ اٹھائے، مذکورہ ہر دو صورت جائز ہے، جو اخیر کے دو سوالوں میں مذکور ہیں۔

☆☆☆

ب- یہ حوض یا تالاب اگر اتنا چھوٹا ہو کہ راستہ بند کرنے کے بعد مچھلیاں نہ نکل سکیں اور بغیر حیلہ کے پکڑی جاسکیں تو بارش کی وجہ سے اس میں آئی مچھلیوں کو مجموعی طور پر فروخت کرنا اور تالاب ٹھیکہ پر دینا درست ہے (خلاصہ شامی ۴/۱۰۹، فتاویٰ عالمگیری ۳/۳)۔

☆☆☆

مچھلی کی بیع سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا عبد اللطیف پالنپوری

۱- آج کل عام طور پر سرکاری نہروں اور ندی نالوں کو ٹھیکے پر دینے کا جو رواج ہے کہ ٹھیکے پر لینے والا سرکار کو متعین رقم دے کر نہر اور ندی نالوں کے مخصوص حصے سے مچھلیاں نکال کر بیچتا ہے یا خود استعمال کرتا ہے یہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

"لم تجز إجارة بركة ليصاد منها السمك" (درمختار) "لأن الإجارة واقعة على استهلاك العين، وسيأتي التصريح بأنه لا يصح إجارة المراعي، وهذا كذلك، ولهذا جزم المقدسي بعدم الصحة" (رد المحتار مع الدر المختار [illegible])۔

۳- ذاتی ملکیت کے حوض یا تالاب میں کوئی شخص مچھلیاں پالے اور وہ حوض یا تالاب بڑا ہو اور شکار کرنے سے پہلے حوض و تالاب کی تمام مچھلیاں دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ مچھلیاں اگرچہ اس کی ملک ہیں مگر غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع فاسد ہے، البتہ اگر حوض و تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدون تکلیف و حیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جا سکتی ہوں اور مچھلیوں کی مقدار بھی معلوم ہو تو بیع درست ہے۔

"وفسد بيع سمك لم يصد ...... أو صيد ثم ألقي في مكان لا يؤخذ منه إلا بحيلة للعجز عن تسليمه، وإن أخذ بدونها صح" (درمختار [illegible] [illegible])۔

مذکورہ بالا صورت معاملہ (جو جواب نمبر (۱) میں ہے) شرعاً ناجائز ہونے کے باوجود اگر ٹھیکے دار اس نہر اور ندی میں سے مچھلیاں شکار کرکے دوسرے کے ہاتھ بیچے گا یا کوئی مسلمان ایسی مچھلی کو خریدے گا تو یہ بیچنا اور خریدنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ مچھلیاں مباح الاصل ہیں اور ٹھیکے دار شکار کرنے کی وجہ سے ان کا مالک ہوگیا اور اپنی مملوک چیز کا بیچنا جبکہ مقدور التسلیم ہو جائز ہے۔

۳- جو حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا، اگر وہ بارش کے پانی سے بھر جائے اور مچھلیاں ان میں خود بخود پیدا ہو جائیں، یا ادھر ادھر سے جمع ہو جائیں تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ آیا اس تالاب اور حوض کو پہلے سے اس کام کے لئے تیار کر رکھا تھا یا نہیں؟ اگر اسی کام کے لئے تیار کر رکھا تھا تو یہ مچھلیاں مالک کی ملکیت میں داخل ہو جائیں گی، لیکن ان کی بیع کے صحیح ہونے کے لئے مقدور التسلیم ہونا شرط رہے گا۔

اور اگر اس تالاب اور حوض کو اسی کام کے لئے تیار نہیں کیا تھا تو یہ مچھلیاں مالک کی مملوک نہیں ہوں گی اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: (شامی ۴/۱۰۶)۔

البتہ ٹھیکہ پر دینا بہرصورت جائز ہوگا، جیسا کہ پہلے جواب گذر چکا۔

☆☆☆

بیع کے چند مسائل

مولانا ابراہیم بڑودوی ☆

۱- سرکاری تالاب یا ندی نالوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی بیع و شراء بغیر ان مچھلیوں کے نکالے ہوئے موجودہ عرف کو دیکھتے ہوئے آج کے حالات میں عرف کا اعتبار غیر منصوص علیہ مسائل میں ہوتا ہے، جیسا کہ مشہور اصول "الاشباہ" کے اندر ہے: "العرف غیر معتبر في المنصوص عليه" اور یہ بھی عام قاعدہ ہے کہ انسان کو اپنا شخصی ملکیت کی چیز یعنی اپنی ملک کے تالاب یا ندی کی مچھلیاں بیچ سکتا ہے، مذکورہ سوال میں جبکہ سرکار نے اس کو تالاب یا ندی کا مالک نہ بنایا ہو اور پھر بیچے تو اس میں مبیع شئ معلوم نہیں ہوتی، دوسری بات یہ کہ حدیث میں غیر مقبوضہ کو بیع سے روکا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "لما روی أن النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض" ورنہ یہ بیع مقتضی عقد کے فساد کو ثابت کرتی ہے۔

عرف سے پہلے شکار پر قیاس کرتے ہوئے مچھلی کی خرید و فروخت کو جائز قرار دینے میں دو محظور و ممنوع لازم آتے ہیں وہ باقی رہتے ہیں، ایک بیع کا مجہول ہونا، دوسرا غیر مقدور التسلیم ہونا۔

مذکورہ مسئلہ میں بیع منصوص کے اندر جواز کی صورت نکالی جائے تو بھی اس بات سے خلاف ہوگا، چونکہ وارد ہے مشہور قاعدہ: "إنما العروج يعتبر في موضع لا نص فيه" ذكره الزيلعي في جنايات الإحرام" (مجموعہ رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۱۳)۔

☆ جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ۔

جب مذکورہ صورت میں جواز کی گنجائش کی نفی معلوم ہوئی تو ٹھیکے دار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کے ہاتھ بیچنا یا کسی مسلمان شخص کا پوری صورت حال جانتے ہوئے اس مچھلی کو خریدنا جائز نہیں ہے۔

۳- اگر مچھلی کا شکار کے بغیر نکالنا ممکن نہ ہو تو بیع منعقد نہ ہوگی اور اگر مچھلیوں کا شکار کئے بغیر نکالنا ممکن ہو تو مچھلیوں کو شکار کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، جیسا کہ "أحکام المعاملات المالیہ فی المذهب الحنفی" میں ہے: "یشترط لانعقاد البیع أن یکون المعقود علیه مقدور التسلیم عند العقد، فإن کان معجوز التسلیم عنه لا ینعقد، وإن کان مملوکاً له" عقد کے وقت معجوز التسلیم ہونے کی صورت میں اپنی ملکیت میں ہونے کے باوجود جائز نہیں، چنانچہ مذکورہ اصول پر ایک تفریع بیان کی:

"وعلی هذا فلا ینعقد بیع السمک التی أخذها ثم ألقاها فی حظیرة سواء استطاع الخروج عنها أو لا بعد إن کان لا یمکنه أخذها بدون الاصطیاد، وإن کان یمکنه أخذها من غیر اصطیاد یجوز بلا خلاف، لأنه مقدور التسلیم عند البیع" (ص ۴۰)۔

۴- جو حوض یا تالاب ذاتی ملکیت کا یا عوامی ملکیت کا کہ جس میں مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آگئیں، انہیں کسی کے ہاتھ فروخت کرنا یا ٹھیکہ پر دینا یہ معاملہ مبیع پر ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے جو بیع وشراء کی بنیادی شرط ہے "أن یکون مملوکا فی نفسه" درست نہیں ہے۔

"لا ینعقد البیع فی الحطب والحشیش والصیود التی فی البواری والطیر فی الهواء والسمک الذی فی الماء (ای قبل صیدها) شکار کرنے سے پہلے یہ صورت معاملہ ناجائز ہے (احکام المعاملات المالیہ ۹۷)۔

دیگر یہ کہ بیع کے نفاذ کی شرط ملکیت یا ولایت کا ہونا ہے اور وہ یہاں مفقود ہے۔

مبیع میں بائع کے علاوہ کوئی حق بھی نہیں ہونا چاہئے، مذکورہ صورت معاملہ میں حوالی ہے "یشترط لانعقاد البیع شرطان، الملک والولایۃ والثانی أن لا یکون فی المبیع حق لغیر البائع" (ص۱۸۵)۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلیوں کی بیع کا مسئلہ

مولانا ابراہیم بارڈولی ☆

اس مسئلہ میں "بیع قبل القبض" کی صورت پیش آتی ہے، کہ کسی چیز کو ہمارے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی اس کو فروخت کردیا جاتا ہے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کا صاف فرمان ہے، جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ہے:

"واما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فہو الطعام ان یباع حتی یقبض، قال ابن عباس: ولا احسب کل شیئ الا مثلہ" (متفق علیہ مشکوۃ شریف)۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جس چیز کو منع فرمایا ہے وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضہ میں لانے سے قبل فروخت کرنا منع ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس بارہ میں ہر چیز غلہ کے مانند ہے)۔

صاحب "مظاہر حق" فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے، اسی طرح کسی بھی چیز کو قبل القبض بیچنا جائز نہیں (مظاہر حق ۳/۹۶)۔

حاصل یہ کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو اپنے قبضہ میں لے اس کے بعد اسے فروخت کرے، کیونکہ اشیاء منقولہ کی "بیع قبل القبض" جائز نہیں؟

☆ مدرسہ [illegible]

لہذا فقہاء کرام نے تالاب میں مچھلیوں کی بیع کے سلسلے میں خوب وضاحت سے کام لیا ہے، کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا، اگر گہرائی سے دیکھا جائے اس مسئلہ مندرجہ ذیل امور پیش نظر رہیں:

۱- اگر یہ تالاب شروع سے مچھلی کے لئے تیار نہیں کیا گیا، یا مالک نے خود اس میں مچھلیاں نہیں چھوڑیں تو یہ مچھلیاں تالاب کے مالک کی نہیں، اور غیر مملوک کی بیع باطل؟

۲- اور اگر ابتداہی سے تالاب مچھلیوں کے لئے تیار کیا گیا ہو، یا اس میں مچھلیاں خود مالک نے چھوڑی ہوں یا نہر وغیرہ سے مچھلی تالاب میں آگئیں اور تالاب کے مالک نے پانی کا راستہ بند کر کے مچھلی تالاب میں محبوس کرلیں تو یہ مچھلیاں اس کی مملوک رہیں، مگر غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے قبل القبض ان کی بیع فاسد ہے۔

۳- اور اگر تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدون تکلیف وحیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جا سکتی ہوں اور مچھلیوں کی مقدار بھی معلوم ہو تو بیع درست ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

"نظام الفتاوی" میں اس طرح کا ایک سوال مذکور ہے جس کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے:

سوال: آجکل لوگ تالاب کا ٹھیکہ مچھلی پالنے کے لئے لیتے ہیں، پھر ان مچھلیوں کو اندازہ کر کے جال وغیرہ سے تالاب کے اندر ہی پکڑنے سے قبل فروخت کرتے ہیں، کیا اس طرح مچھلیوں کی بیع جائز ہے؟

جواب:

"اگر تالاب اس قسم کا ہے کہ اس میں مچھلیاں محفوظ ہیں، نہ خود باہر نہیں نکلتیں تو مچھلی پالنے والے کے لئے اس کو ٹھیکہ پر دینا درست ہے، اور جو مچھلیاں اس میں پالی جائیں گی وہ مملوک ہو جائیں گی، البتہ بغیر پکڑے ہوئے مقبوض نہ ہوں گی، اس لئے خود پکڑ کر یا اپنے اجیر یا ملازم سے پکڑوا کر فروخت کرنا بھی جائز ہوگا، البتہ بغیر پکڑے ور قبضہ میں لائے فروخت کرنا

"بیع مالم یقبض" ہوکر بیع فاسد ہوگی اور مملوک رہنے کی وجہ سے بیع باطل نہیں ہوگی، اور بیع فاسد ہونے کا ثمرہ یہ ہوگا کہ مالک کے قبضہ میں آنے بغیر فروخت ہو جائے اور مشتری پھر اس کو فروخت کردے اور مالک کو اعتراض نہیں تھا بلکہ اجازت تھی تو یہ دوسری بیع جو ہوگی صحیح اور "سمک مبیع لهذا البیع" کا استعمال کرنا درست رہے گا۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جس نالہ کو کسی شخص نے سرکار وغیرہ سے ٹھیکہ پر لیا اور یہ نہر، نالہ وغیرہ شروع ہی سے مچھلی وغیرہ کے لئے تیار نہیں کیا گیا، یا مالک نے یا سرکار نے اس میں مچھلیاں نہیں چھوڑیں تو یہ مچھلیاں مالک یا سرکار کی ملک نہیں اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے۔

لہذا خلاصہ کلام کہ ایسی صورت سے شکار کردہ مچھلیوں کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا، یا کسی مسلمان کو پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلی کو خریدنا جائز نہیں (مستفاد من شامی واحسن الفتاوی)۔

اور جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملک ہو اور وہ شخص اس میں باقاعدہ مچھلی پالے اور اس حوض یا تالاب کی تمام مچھلیوں شکار کرنے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کو فروخت کردیتا ہو اور وہ دوسرا شخص ایک خاص مدت میں اس حوض یا تالاب کی مچھلیاں نکال کر فروخت کرے تو شرعاً یہ صورت معاملہ "بیع مالم یقبض" بیع فاسد ہوگی اور مملوک رہنے کی وجہ سے بیع باطل نہیں رہے گی اور بیع فاسد ہونے کا ثمرہ یہ رہے گا کہ مالک کے قبضہ میں آنے بغیر فروخت ہو جائے اور مشتری پھر اس کو فروخت کرے اور مالک کو اعتراض نہ ہو بلکہ مالک کی طرف سے اجازت ہو تو یہ دوسری بیع جو ہوئی اور اس مچھلی کا استعمال درست ہوگا (مستفاد من نظام الفتاوی)۔

اور اگر کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا اس میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آگئی ہیں انہیں کسی کے ہاتھ فروخت کرنا یا اس حوض و تالاب کو کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا اس طور پر کہ اس مدت میں ٹھیکہ پر لینے والے کو اختیار رہے کہ وہ اس تالاب کی مچھلیاں شکار کرے استعمال کرے، فائدہ اٹھائے تو اس صورت حال کا شرعی

حکم یہ ہے کہ اس تالاب کے مالک نے یا ٹھیکہ پر لینے والے نے پانی کا راستہ بند کرکے مچھلیاں تالاب میں محبوس کرلیں تو یہ مچھلیاں اس کی مملوک ہیں مگر غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع فاسد ہے۔

اور اگر تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدون تکلیف وحیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہوں اور مچھلی کی مقدار بھی معلوم ہو تو اس کی بیع درست ہے (ہندیہ، تاتارخانیہ، احسن الفتاوی)۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت

مولانا خلیل احمد قاسمی ☆

مچھلیوں کی بیع کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ ملکیت اور مقدور التسلیم ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے ہی واضح ہوسکتا ہے، بازاروں میں بکنے والی مچھلیاں عرف وعادت کے اعتبار سے بحیثیت مقدور التسلیم وملکیت کئی طرح کی ہیں (۱) کسی شخص نے مچھلیوں کو پکڑ کر تالاب، ندی، نالے میں بغرض افزائش ڈال دیا ہو تو وہ شخص شرعاً ان مچھلیوں کا مالک ہوگا، اب اگر ان ندیوں، نالوں، تالاب سے مچھلیوں کو پکڑ کر کسی چھوٹے برتن میں یا ایسے گڑھے میں ڈال دیا ہو جن سے پکڑ کر مشتری کو دینے میں کوئی دقت نہ ہوتی ہو تو ایسی صورت میں ان کی خرید وفروخت شرعاً جائز ہے چونکہ ملکیت اور مقدور التسلیم کا ہونا پایا گیا، دوسروں کے لئے خریدنا بھی بلا کراہت درست ہے، صاحب ''ہدایہ'' نے اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مچھلیوں کی بیع قبل الاصطیاد بربنائے عدم ملکیت جائز نہیں ہے:

"ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد لأنہ باع ما لا یملکہ"

مسئلہ اگرچہ عدم جواز کا ہے مگر علت سے یہ حکم مترشح ہوتا ہے کہ اگر ملکیت اور مقدور التسلیم ہو تو بلاشبہ درست ہے، اسی طرح دوسرا مسئلہ یہ ذکر کیا کہ اگر مچھلیوں کو پکڑنے کے بعد ایسی جگہ چھوڑ دی کہ اس سے دوبارہ پکڑنے کے لئے اصطیاد کی ضرورت ہو تو یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ملکیت تو ہے، لیکن مقدور التسلیم ہے اور یہ بھی علت عدم جواز ہے۔

☆ مدرسہ اسلامیہ لطیفیہ سردار شہر راجستھان۔

۳۔ قدرتی طور پر مچھلیاں آگئی ہوں اور اس نے کسی طرح کی کوئی تدبیر نہیں کی یعنی نہ ان کی اور نہ رو کنے کی تدبیر کی ہے تو ایسی صورت میں جب تک ان کو پکڑ نہ لے مالک نہیں بنے گا، اور ان کی بیع بھی جائز نہیں ہے، اور اسی تیسری صورت کو قیاس کیا گیا دوسرے مسئلہ پر وہ یہ ہے کہ اگر کسی کی زمین میں پرندہ بچہ دیدے تو زمین والے ان بچوں کا محض اس کی زمین ہونے کی وجہ سے مالک نہ ہوگا جب تک اس کو پکڑ نہ لے، اسی طریقے سے یہ مسئلہ ہے، یعنی محض اس کی زمین میں قدرتی طور پر مچھلیوں کے جمع ہونے کی وجہ سے ملکیت میں نہیں آئے گی (دیکھئے: ہدایہ ۳: ۶۹)۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ سوالنامہ میں مچھلی کی بیع کی جس نوعیت کو ذکر کیا گیا ہے اس میں جواز اور عدم جواز کے حکم کا مدار دو چیزوں پر ہے (۱) ملکیت (۲) مقدور التسلیم، لہذا سوال نمبر (۱) کا جواب یہ ہے کہ ذکر کردہ ملکیتوں میں سے کوئی بھی ملکیت پائی جائے اور مقدور التسلیم ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں، البتہ موجودہ حالات وعرف میں نوعیت فتوی کے عنوان میں آرہی ہے۔

۲۔ صورت بالا ابتداء اگرچہ جائز نہیں ہے لیکن مآلاً درست ہے اس لئے کہ شکار کرنے کے بعد مذکورہ ملکیت کی تینوں صورتوں کی روشنی میں جو فساد تھا وہ ختم ہوگیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر اصل مالکان جن سے ندیوں، نالوں اور تالاب کو ٹھیکیداروں نے لیا ہے وہ مالکان شرعاً مالک نہ ہوں تو اس صورت میں ٹھیکیدار شکار کرنے کی وجہ سے خود مالک ہو جائیں گے، اگرچہ یہ مسئلہ الگ ہے کہ ایسی صورت میں چونکہ وہ مچھلیوں کے مالک نہیں ہیں تو ٹھیکیداروں کے ہاتھ میں فروخت کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اور اس کے عوض جو روپے وہ وصول کریں گے وہ جائز نہیں ہوں گے، اور ٹھیکیدار جب خود مالک ہو گئے تو بازار والے ان کی مچھلیوں کو خریدنا بھی درست ہے۔

۳۔ یہ صورت مچھلیوں کے غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اس لئے

کہ وقت البیع وہ مچھلیاں غیر مقبوض ہیں اور عدم جواز کا حکم عام کتب فقہ کی معروف عبارت کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔

۳- حوض، یا تالاب جو نجی ملکیت کا ہو اس میں اگر خود بخود مچھلیاں جمع ہو جائیں، یعنی ان کو حوض یا ندی نالے میں نہ ڈالا گیا ہو، بلکہ از خود آگئی ہیں تو ان کو حوض یا ندی یا تالاب کے مالکان کا عام فقہی عبارت کی روشنی میں فروخت کرنا، یا ٹھیکہ پر دینا روپے پیسے کے بدلے میں جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ایسی مچھلیوں کی ملکیت پکڑنے کے بعد ہی ہوگی، جیسا کہ ماقبل کی تمہیدی عبارت میں اس کو واضح کیا گیا ہے حوالہ جات یہ ہیں: (فقہی مسائل ۱/ ۲۳۱، ہدایہ ۳/ ۸۸، شامی ۴/ ۱۰۹، در مختار ۴/ ۳۸، در مختار ۴/ ۳۹، امداد الفتاوی ۳/ ۴۹ - ۵۰، بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۷، فتح القدیر امداد ۳/ ۴۹)۔

موجودہ حالات میں فتوی:

آج کل اس مشینری وسائنسی دور میں جب کہ نئے نئے آلات ووسائل ایجاد ہو گئے ہیں جنکا پہلے وجود نہیں تھا، اس لئے آج کے حالات کے اعتبار سے مسائل میں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، موجودہ دور میں مچھلیوں کو تالاب میں ہوتے ہوئے بھی دیکھا جا سکتا ہے اور ان کا اندازہ وتخمینہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں کون کون سی مچھلی کتنی مقدار کی ہے، کتنی ہے کہاں کہاں ہے، چونکہ ایسے مشینری آلات ایجاد ہو گئے ہیں کہ آغاز سال سے ہی مچھلیوں کی مقدار کا بخوبی اندازہ لگالیا جاتا ہے، اور معمولی محنت ومشقت سے ان کو پکڑا بھی جا سکتا ہے، چونکہ مچھلیوں کے پکڑنے کے آلات بھی نئے نئے ایجاد ہو گئے ہیں جو پہلے نہیں تھے، اس لئے اس وقت ایسی مچھلیوں کی بیع کے اندر دونوں طرح کی خرابیاں، یعنی مجہول ہونا اور غیر مقدور التسلیم ہونا ختم ہو گئی ہیں، لہذا صورت مروجہ کو یا تو کرایہ داری کے معاملہ پر محمول کیا جائے یا ابتداء اگرچہ صحیح نہیں ہے، لیکن انتہاء صحیح کہا جائے، یا تخمینہ کا اعتبار کر کے ابتداء صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے اور جواز کا فتوی دیا جائے۔

جواب بابت مچھلیوں کی بیع

مولانا عبدالقیوم صاحب ☆

وہ ندی نالے اور تالاب جو حکومت کی ملکیت ہیں اس وجہ سے حکومت نے ان تالابوں اور ندی نالوں کو مچھلیوں کے لئے بنایا ہے، یا کہ حکومت برسات کے بعد مچھلیوں کے روکنے کا بندوبست کر دیتی ہے، تا کہ مچھلیاں باہر نہ نکل جاویں تالاب کے مخرج کو بند کرنے کے ذریعہ یا کہ مخرج پر باریک جالیاں لگانے کے ذریعہ تا کہ مچھلیاں نکل نہ سکیں۔

حکومت انہیں مخصوص افراد یا کسی سوسائٹی کو ٹھیکے پر دیتی ہے، تا کہ وہ لوگ اس مدت متعینہ میں تالاب کی مچھلیاں نکالیں اور فائدہ حاصل کریں۔

مذکورہ معاملہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ یہ معاملہ شریعت کی نظر میں کیا حیثیت رکھتا ہے، اگر اس کی حیثیت طے ہو جاوے تو حکم کا استخراج آسان ہو جائے۔

یہ معاملہ بیع ہے یا اجارہ ہے

(۱) بیع میں چند شرائط ہیں (۱) اول یہ کہ بائع مبیع کا مالک ہو، دوم مبیع مجہول نہ ہو اور مشتری مبیع کو دیکھ لے، تیسرے یہ کہ بائع مبیع مشتری کو حوالہ کر دے۔

تالاب میں جو مچھلیاں بیچی جا رہی ہیں ان میں صرف ایک شرط پائی جا رہی ہے، دو شرطیں مفقود ہیں کہ حکومت ان مچھلیوں کی مالک تو ہے، لیکن مبیع مجہول ہے، اور ٹھیکیدار نے ان کو دیکھا نہیں ہے اور جہالت مفضی الی النزاع ہو سکتی ہے، مثلاً ٹھیکہ دس ہزار روپیہ کا تھا اور جو مچھلیاں

☆ مدرسہ فیض التبلیغ بے پور۔

تالاب میں سے نہیں نکلی ہیں وہ صرف ۳ہزار کی قیمت کی ہیں، نیز مبیع غیر مقدور التسلیم ہے کہ بائع مبیع کو سونپنے پر قادر نہیں ہے۔

یہ بات واضح رہے جب مذکورہ معاملہ بیع وشراء ہے تو ٹھیکے دار کو شرعاً اجازت نہیں ہے کہ وہ تالاب میں باہر سے لاکر مچھلیاں ڈالے اور ان کی افزائش کرے، اس لئے کہ معاملہ تالاب میں موجود مچھلیوں پر ہوا ہے، چنانچہ جب اس نے تالاب سے مچھلیاں نکالیں تو وہ مثلاً ثمن کے مقابلہ میں بہت قلیل تھیں، یا بہت چھوٹی تھیں، یا اچھی نسل کی نہیں تھیں، "لہذہ والجہالۃ تفضی الی النزاع" دوسری شکل یہ ہے کہ معاملہ معاملہ اجارہ ہو، یعنی کہ حکومت اپنا مملوک ٹھیکیدار کو اجارہ پر دے رہی تو سوال یہ ہے کہ تالاب کے اجرت پر دینے کے کیا معنی ہیں؟ یعنی تالاب کی کونسی چیز کو اجرت پر دیا جارہا ہے، اگر کہا جائے کہ تالاب میں جو مچھلیاں انہیں اجرت پر دیا جارہا ہے۔

اور اجارہ کی تعریف یہ ہے کہ مستاجر اجرت معینہ کے بنا متعین مدت میں شئی مستاجرہ کے منافع کا مالک بن جاتا ہے، یعنی مدت معینہ میں اسکے منافع حاصل کر سکتا ہے، ایسا کوئی نفع جس میں شئی مستاجرہ کا عین ضائع ہو جاوے اور ہلاک ہو جائے جائز نہیں ہے، یہ اجارہ فاسدہ ہے، لہذا صورت مذکورہ میں مچھلیوں کا اجارہ انکے عین کے استہلاک پر اجارہ فاسدہ ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

مذکورہ مروجہ ٹھیکے میں اجارہ کی ایک شکل ہے جس پر بناء کرتے ہوئے یہ ٹھیکہ صحیح ہو سکتا ہے:

وہ یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے مذکورہ ٹھیکے کو اس طرح پر اجارہ کا معاملہ مانا جاوے کہ یہ اجارہ اجرت معلومہ کے بدلے معین مدت میں تالاب کے پانی سے فائدہ حاصل کرنے کا اجارہ ہو، بایں طور پر کہ وہ ٹھیکیدار تالاب میں مچھلیاں لاکر ڈالے اور انکی پرورش کرے، پھر انہیں نکال کر فائدہ حاصل کرے، کھائے فروخت کرے وغیرہ۔

صورت مذکورہ میں جو مچھلیاں اس نے خود ڈالی ہیں اور ان کی افزائش کا نظم کیا ہے ان کا

تو وہ مالک بن گئے اور جو مچھلیاں تالاب میں پہلے سے موجود تھیں جو انہیں پکڑنے کا اور قبضہ کرنے کا تو ان کا بھی مالک ہو جائے گا، اب اس کے لئے تالاب کی دونوں مچھلیوں کو پکڑ کر بیچنا جائز ہے۔

واضح رہے کہ اگر ٹھیکیدار اس نے پورے تالاب کی مچھلیاں دوسرے کسی کو تالاب کی میں بیچ دیں تو سودا جائز ہوگا، ہاں پھر نکال کر فروخت کرے۔

اور اس معاملہ کی نوعیت یہی ہوتی ہے کہ ٹھیکیدار بازار سے بچے لاکر ڈالتا ہے، ان کی افزائش کرتا ہے، وہ پھر نکال کر بیچتا اور فائدہ حاصل کرتا ہے، اس طرح پر اگر محمول کرلیا جائے تو مذکورہ ٹھیکے جائز ہیں۔

☆☆☆

مچھلی کی بیع سے متعلق سوالوں کے جوابات

مولانا عبدالقیوم پالنپوری قاسمی ☆

۱- نجی تالاب یا سرکاری تالاب و نہر وندی کی مچھلیوں کی خرید و فروخت بغیر ان مچھلیوں کے نکالے ہوئے ''عدم ملک'' یا غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اسی طرح اس کو ٹھیکہ پر دینا بھی ناجائز ہے، عرف کی بنا پر موجودہ حالات میں بھی جواز کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ مسئلہ موجودہ دور ہی کا پیدا شدہ نہیں ہے، بلکہ بہت پہلے سے اس کا رواج اور اس کے متعلق سوالات ہوتے رہے ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ بھی لکھتے ہیں: ''والمسألة كثيرة الوقوع ويكثر السؤال عنها'' (ردالمحتار ۷/ ۱۰۸) لیکن کسی نے بھی عرف کی بنا پر اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

۲- سرکاری تالاب اور نہر وندی یا نجی ملکیت کے تالاب و حوض میں پائی جانے والی مچھلیاں بعض صورتوں میں تالاب وغیرہ کے مالکوں کی مملوک ہوتی ہیں، اور بعض صورتوں میں ان کی ملک میں نہیں آتی ہیں، جیسا کہ مفصلاً فقہائے کرام نے بیان کیا ہے (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۰۳)۔

مچھلیاں تالاب وغیرہ کے مالکوں کی مملوک ہوں یا نہ ہوں، دونوں صورتوں میں ان کو نکالے بغیر خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مملوک نہ ہوں تو انکی بیع باطل ہے (لعدم الملک) اور مملوک ہونے کی صورت میں غیر مقدور التسلیم ہونے کی بنا پر انکی بیع فاسد ہے۔

جن صورتوں میں مچھلیاں مالک تالاب کی ملک نہیں ہیں ان مچھلیوں کی بیع یا تالاب کو

☆ خادم تدریس وافتاء، جامعہ نذیریہ کاکوسی، شمالی گجرات۔

ٹھیکہ پر دینا صحیح نہیں ہے، لیکن مشتری یا ٹھیکیدار مچھلیوں کو پکڑنے کی وجہ سے مالک ہو جائے گا، اس لئے کہ ان مچھلیوں میں سب کا اباحۃً اشتراک ہے، جو ان کو پکڑنے والا ان کا مالک ہو جائے گا، پس مشتری یا ٹھیکیدار کا انکو پکڑ کر بیچنا اور اس سے دوسرے مسلمانوں کو خریدنا درست ہے، جیسا کہ خود رو گھاس کے بارے میں علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: "والمراعي أي الكلاء أما بطلان بيعها لعدم الملك (الدر المختار) (قوله لعدم الملك) لاشتراك الناس فيه اشتراك إباحة لا ملك. ولأنه لا يحصل للمشتري فيه فائدة؛ لأنه يمكنه بدون بيع" (رد المحتار مع الدر المختار: ۷/ ۱۵۲)۔

ان تینوں صورتوں میں مچھلیاں مملوک ہیں اس صورت میں ان کی بیع بغیر نکالے فاسد ہے، البتہ بیع واجب الرد ہے، لیکن اس مشتری یا ٹھیکیدار نے مچھلیاں پکڑ کر دوسرے کو فروخت کی تو اس دوسرے شخص کو اس سے خریدنا درست ہے، اور خرید کردہ ہونے کے باوجود بیع اس کے لئے حلال و طیب ہے، اور اس دوسرے شخص (مشتری ثانی) سے اور لوگوں کو خریدنا مکروہ بھی نہیں ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: رد المحتار ۷/ ۳۰۰)۔

۳- نجی تالاب یا حوض کی پلی ہوئی مچھلیاں جن کو بغیر حیلہ کے پکڑنا ممکن نہ ہو اس کو بغیر نکالے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، در مختار میں ہے: "وفسد بيع سمك لم يصد... أو صيد ثم ألقي في مكان لا يؤخذ منه إلا بحيلة للتعذر عن التسليم، وإن أخذ بدونها صح وله خيار الرؤية" (رد المحتار مع الدر المختار: ۷/ ۱۳-۱۴)۔

۴- جو حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو یا سرکاری ملکیت کا جس میں پالے بغیر مچھلیاں از خود آگئی ہوں، انہیں شکار کئے بغیر کسی کے ہاتھ فروخت کرنا یا خاص مدت کے لئے اس کو ٹھیکہ پر دینا جائز نہیں ہے (دیکھئے: در مختار ۷/ ۱۴)۔

☆☆☆

چوتھا باب

اقتباسات

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت کا مسئلہ

مولانا نعیم اختر قاسمی

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت میں بنیادی طور پر "غرر" کی بحث اٹھائی جاتی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غرر کی حقیقت جان لی جائے اور اس کا معیار متعین کرلیا جائے۔

غرر کی حقیقت:

لغت میں غرر ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کا ظاہر باطن کے مغایر ہو، چنانچہ قاضی عیاض مالکی اس کی تعریف کرتے ہیں:

"هو ما له ظاهر محبوب و باطن مكروه، ولذلك سمى الدنيا متاع الغرور"

(غرر وہ ہے جس کا ظاہر پسندیدہ اور باطن ناپسندیدہ ہو، اسی لئے دنیا کو متاع الغرور کہا جاتا ہے)۔

پھر علامہ ابن رشد قرطبی (م: ۵۹۵ھ) غرر کی تقسیم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ومن هذا الباب بيع الجوز واللوز والباقلا في قشره، أجازه مالك ومنعه الشافعي، والسبب في اختلافهم هل الغرر من المؤثر في البيوع أم ليس من المؤثر، ذلك أنهم اتفقوا أن الغرر ينقسم بهذين القسمين، وأن غير المؤثر هو اليسير أو الذي تدعو إليه الضرورة أو ما جمع الأمرين" (بداية

المجتہد ۲/۱۵۵)۔

اخروٹ، بادام اور لوبیا کی بیع اپنے چھلکے کے اندر اسی بات سے متعلق ہے، امام مالک نے اسے جائز قرار دیا اور امام شافعی نے ممنوع، وجہ اختلاف یہ ہے کہ یہ غرر بیع کے اندر موثر ہے یا نہیں، کیونکہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ غرر کی بھی دو قسمیں ہیں اور قلیل غرر وہ ہے جو معمولی ہو، یا جس کی ضرورت متقاضی ہو، یا دونوں ہی وجہیں اس میں پائی جائیں)۔

اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"وبالجملة فالفقهاء متفقون على أن الغرر الكثير في المبيعات لا يجوز وأن القليل يجوز" (بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۵)۔

(خلاصہ یہ کہ فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ بیوع کے اندر غرر کثیر جائز نہیں اور غرر قلیل جائز ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیع کے اندر غرر یسیر سے احتراز بہت ہی دشوار اور نا قابل عمل امر ہے اور اس سے بیع کا سد باب لازم آتا ہے، اس لئے تھوڑا غرر جواز بیع کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔

اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ غرر فاحش اور غرر یسیر کے درمیان حد فاصل کیا ہے تو اس سلسلے میں فقہاء نے کوئی تحدید نہیں بیان کی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے، بلکہ اس کو لوگوں کے عرف اور ان کے تعامل پر چھوڑ دیا ہے، چنانچہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز ایک علاقے کے لوگوں کے حق میں قلیل ہو اور دوسرے علاقے کے لوگوں کے حق میں کثیر، اور ایک زمانہ میں ایک غرر کثیر رہا ہو، پھر دوسرے زمانہ میں لوگوں نے اتنے سے غرر سے چشم پوشی کر کے اسے غرر یسیر کے زمرہ میں شامل کر لیا ہو، چنانچہ صاحب "مصادر الحق" تحریر فرماتے ہیں:

"الغرر الكثير والغرر اليسير والغرر المتوسط والغرر الذي تدعو إليه الضرورة تختلف في تطبيقاتها في بيئة عن بيئة وفي عصر على عصر، بل

تختلف الأنظار أيضا فى البيئة الواحدة والعصر الواحد" (مصادر الحق ۱/۵۰، الجزء الثالث)۔

(غرر کثیر، غرر یسیر، غرر متوسط اور وہ غرر جس کی ضرورت متقاضی ہو انکا انطباق ماحول اور زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے، بلکہ ایک ہی ماحول اور زمانہ میں لوگوں کی رائیں مختلف ہوسکتی ہیں)۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ تالاب کے اندر مچھلیوں کی خرید وفروخت کے غرر کو غرر یسیر میں شمار کیا جائے، کیونکہ ممانعت غرر کی اصل وجہ نزاعی کیفیت سے بچنا ہے اور فی زمانہ اس کے اندر کسی قسم کا نزاع واقع نہیں ہوتا، البتہ چونکہ مچھلیاں اس وقت غیر مقدور التسلیم ہوتی ہیں، اس لئے اس ناحیہ سے ان کی بیع درست نہ ہوگی اور پھر غرر کو یسیر ماننے کا کچھ فائدہ بھی حاصل نہ ہوگا۔

ذاتی ملکیت کے تالاب کی مچھلیوں کو شکار سے قبل بیچنا:

حوض یا تالاب اگر کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہو اور وہ اس میں باقاعدہ مچھلیوں کی افزائش کرتا ہو تو دیکھا جائے گا کہ تالاب یا حوض چھوٹا ہے یا بڑا، اگر بڑا ہو تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع درست نہیں اور اگر چھوٹا ہو تو امام مالک کے علاوہ بقیہ ائمہ اس شرط کے ساتھ درست قرار دیتے ہیں کہ بلا حیلہ پکڑی جاسکتی ہوں اور حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں خیار رؤیت حاصل ہوگا، ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"اگر پانی چاروں طرف سے گھرا ہوا ہو، جیسے کہ تالاب کا پانی تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ منجملہ اس میں مچھلی کی بیع کو درست قرار دیتے ہیں، بشرطیکہ بلا حیلہ اسے پکڑنا ممکن ہو، لیکن حنفیہ کے نزدیک خیار رؤیت بھی حاصل ہوگا، جبکہ امام مالکؒ نے تالاب اور حوض کے اندر مچھلی کی بیع کو مطلقاً ممنوع کہا ہے" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۲۳۱)۔

ازخود آنے والی مچھلیوں کی خرید وفروخت:

اگر کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو، یا عوامی ملکیت کا، اس میں جو مچھلیاں بارش وغیرہ کی وجہ سے ازخود آگئی ہوں، تو وہ صاحب حوض یا تالاب کی ملکیت نہیں مانی جائے گی، بلکہ جو شکار کرے گا اسی کی مانی جائے گی، البتہ اگر مچھلیوں کے آنے کے بعد تالاب کے مالک نے واپس نہ جانے کے لئے کوئی حیلہ تیار کرلیا ہو تو اب وہ اسی کی ملکیت میں مانی جائے گی، اس کو اس مشہور فقہی جزئیہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کسی کی زمین میں پرندے نے انڈا یا بچہ دیا تو وہ اس کا مالک نہ ہوگا، کیونکہ احراز نہیں پایا جارہا ہے ([illegible])۔

تالاب کو مچھلیوں کے شکار کے لئے ٹھیکہ پر دینا:

تالاب یا حوض کو مچھلی کے شکار کرنے کے لئے دینا یا اجارہ پر دینا ہے، اور اجارہ میں عین شئی سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا، بلکہ اس کی منفعت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، چنانچہ اسی لئے چراگاہ کی گھاس کا اجارہ پر دینا اور دودھ پینے کے لئے جانور کو اجارہ پر دینا درست نہیں ہے، اسی طرح تالاب یا حوض کو مچھلی کے شکار کے لئے ٹھیکہ پر دینا بھی درست نہ ہوگا۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت

مولانا محمد نعیم رشیدی

موجودہ حالات:

موجودہ دور میں تالابوں اور نہروں میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کا معاملہ جس کثرت سے ہونے لگا ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ جگہ اور ہر ملک میں اس طرح کی خرید وفروخت کا معاملہ عام ہو چکا ہے۔ لہذا اہل علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ کی نوعیت پر غور کریں۔

لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ عرف ورواج اور لوگوں کے تعامل کا اسی وقت اعتبار ہوگا جب کہ اس پر عمل کرنے سے نص کا ترک لازم نہ آئے، اگر نص کو چھوڑنا لازم آرہا ہو تو پھر ایسا عرف عرف فاسد ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، جب یہ ثابت ہو جائے کہ عرف پر عمل کرنے سے کسی نص یا اصول شریعت کا ترک لازم نہ آتا ہو تو پھر اس عرف کو سامنے رکھتے ہوئے مسئلہ پر از سر نو غور کرنے کی گنجائش ہوگی۔

زیر بحث مسئلہ میں اگر حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح کے معاملات کو جائز قرار دیں تو کیا کسی نص کے خلاف لازم آئے گا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لئے پہلے یہ طے کرنا پڑے گا کہ تالابوں میں مچھلی کی بیع کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے یا منصوص، یعنی اس کی ممانعت کسی صحابی سے منقول ہے، یا حضور اکرم ﷺ سے صراحۃ ممانعت وارد ہوئی ہے؟ یہ اس لئے ضروری کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے تو اس کے خلاف عرف کا اعتبار نہیں ہوگا،

جیسا کہ معلوم ہوا، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ صحابی سے منقول ہے تو یہ اصول کا مسئلہ ہے کہ صحابہ کے جن اقوال میں قیاس کو دخل ہے، ایسے اقوال پر قیاس کو ترجیح دی جا سکتی ہے، البتہ اس میں کلام کی گنجائش ہوگی۔

پانی میں مچھلی کی بیع کی ممانعت کے سلسلہ میں عام طور پر "مسند احمد" کی اس روایت کا تذکرہ ملتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے پانی میں مچھلی کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے، چنانچہ "مسند احمد" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت مذکور ہے:

"عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ: لا تشتروا السمک فی الماء، فانه غرر" (مسند احمد بتخریج احمد شاکر ۱/۳۸۸)۔

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پانی میں مچھلی کی خرید و فروخت نہ کرو اس لئے کہ یہ غرر ہے)۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی سند سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو مرفوعاً ذکر کیا ہے (بیہقی ۵/۳۴۰، مجمع الزوائد ۴/۸۰)، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ولاحمد حدیث ابن مسعود رفعه "لا تشتروا السمک فی الماء، فانه غرر" (فتح الباری ۴/۳۵۷)۔

(مسند احمد میں حضرت عبداللہ مسعودؓ کی مرفوعاً یہ روایت ہے: پانی میں مچھلی کو مت فروخت کرو اس لئے کہ یہ غرر ہے)۔

محدثین کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع، اکثر محدثین کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں مسیب بن رافع اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان ارسال ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے

۱- دیکھئے: سنن کبریٰ ۵/۳۴۰، تلخیص الحبیر ۳/۷، مجمع الزوائد ۴/۸۰۔

فقہاء کی تحریرات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو موقوف کا درجہ دیا ہے، چنانچہ علامہ شیرازی شافعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ان النبی ﷺ نہی عن بیع الغرر، ولہذا قال ابن مسعودؓ: لا تشتروا السمک فی الماء، فإنہ غرر" (المہذب مع المجموع ۹؍ ۲۸۳)۔

(نبی ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، اسی وجہ سے حضرت ابن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا: "پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت نہ کرو اس لئے کہ یہ غرر ہے)۔

ممانعت کی علت:

اس سلسلہ میں بھی فقہاء کے مختلف اقوال ملتے ہیں، علامہ زرقانی مالکیؒ نے "شرح موطا" میں بعض اقوال نقل کئے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ علت بائع اور مشتری کے مابین تنازع اور جھگڑے سے روکنا ہے، علامہ ماذریؒ فرماتے ہیں کہ علت یہ ہے کہ اس میں بائع مبیع کی سپردگی اور حوالگی سے عاجز ہوتا ہے (دیکھئے: شرح زرقانی ۳؍ ۳۱۳، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: عون المعبود ۹؍ ۲۳۱، سبل السلام ۳؍ ۸۰۷)۔

جب اتنی بات معلوم ہوگئی کہ غرر کبھی مقدور التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے، کبھی مجہول یا معدوم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، تو اب اس بات میں غور کرنا ہے کہ مچھلی کی ممانعت میں غرر کی علت کیا ہے، اس بارے میں تمام مکتبۂ فکر کے فقہاء متفق نظر آتے ہیں کہ اگر مچھلی اس کی ملکیت میں ہے تو ممانعت کی علت مقدور التسلیم نہ ہونے کی بنیاد پر ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"فإن أخذه ثم ألقاه فی حظیرة کبیرة فعدم جوازه لکونه غیر مقدور التسلیم" (البحر الرائق ۶؍ ۷۳)۔

(اگر مچھلیوں کو پکڑ کر بڑے تالاب میں ڈال دیا تو اب عدم جواز کی وجہ غیر مقدور التسلیم ہوتا ہے)۔

مقدور التسلیم کا مفہوم:

مقدور التسلیم کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو مشتری کے حوالہ اور سپرد کرنے پر قادر ہو اور مشتری کے لئے مبیع پر قبضہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ بیع کے صحیح ہونے کے لئے بالکل بیع کے فوراً بعد ہی حوالگی عمل میں آجائے، اور یہاں پر یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ فقہاء نے بیع میں مقدور التسلیم ہونے کو اس لئے شرط قرار دیا ہے تاکہ امکانی دھوکہ کا سد باب ہو جائے، اس کے بعد فقہاء کی ان عبارات پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے جس میں مچھلی کی بیع کو غیر مقدور التسلیم ہونے کی بنیاد پر ناجائز قرار دیا ہے۔

فقہاء کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے زمانے میں مچھلی کی خرید و فروخت جو ہوتی تھی اس کی صورت حال یہ ہوتی کہ مثلاً کوئی شخص مچھلیوں کو پکڑ کر کسی بڑے تالاب میں محفوظ کر لیا لیکن جب فروخت کرنے کی خاطر مچھلیوں کو نکالنا چاہتا تو اپنی مرضی کے موافق جس وقت چاہے مچھلیوں کو حاصل نہیں کر سکتا تھا، اور یقینی طور پر قبضہ کا وقت بھی متعین نہیں کیا جا سکتا تھا، ایسی صورت حال کے پیش نظر غیر مقدور التسلیم کہہ کر ناجائز قرار دیں تو درست تھا، جیسا کہ فقہاء نے کہا، بلکہ بعض فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلیوں کو حاصل کرنے میں اچھا خاصا وقفہ بھی لگتا تھا، جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے۔

"وإن كانت كبيرة ويطاول المدة فيه لم يجز بيعه للعجز عن تسليمه والجهل بوقت إمكان التسليم" (المغنی ۴/۱۴۲)۔

(اگر پانی زیادہ اور مچھلیوں کو حاصل کرنے میں مدت طویل ہو تو بیع جائز نہیں، اس لئے کہ سپردگی سے عاجز ہے اور حوالگی کے امکانی وقت سے ناواقف ہے)۔

ماحصل اس پوری تحریر کا یہ ہے کہ مچھلی کی خرید و فروخت کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، منصوص نہیں اور آج مچھلی کی اس طرح خرید فروخت کا معاملہ عرف عام کی حد تک پہنچ چکا ہے، اور نیز مقدور التسلیم ہو، خواہ کسی بھی حیثیت سے ہو پایا جا رہا ہے، لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر

تالابوں اور نہروں وغیرہ میں مچھلیوں کی جو خرید وفروخت ہو رہی ہے اس میں جواز کا فتویٰ ہونا چاہئے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد مختصر طور پر سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

جوابات:

۱-عرف ورواج کی وجہ سے اس مسئلہ میں جواز کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے، فقہاء نے غیر مقدور التسلیم اور مجہول المبیع کی بنیاد پر ناجائز قرار دیا ہے، لیکن موجودہ حالات میں مچھلیوں کا مقدور التسلیم ہونا یا مبیع کا مجہول نہ ہونا اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔

۲- اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس معاملہ کو ناجائز کہا جائے تو ایسی صورت میں اوپر کی تفصیلات سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ بیع بیع فاسدہ ہے اور فاسد کا حکم یہ ہے کہ جب مشتری مبیع پر قبضہ کرلے گا تو اس پر اس کی ملکیت ثابت ہو جائے گی اور ملکیت کے تمام تصرفات کا وہ مالک ہو جائے گا، لہذا ٹھیکیدار اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسروں کو فروخت کر سکتا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کا اس سے خریدنا بھی جائز ہوگا، اگر اس معاملہ کو جائز کہا جائے تو ایسی صورت میں مطلقاً خرید وفروخت کرنا درست ہوگا۔

۳- اس سوال کا حاصل بھی وہی ہے جو پہلے سوال کا ہے کہ تالاب میں شکار کرنے سے پہلے خرید وفروخت کرنا کیسا ہے، اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ موجودہ دور میں کوئی شرعی موانع نہیں پائے جارہے ہیں، لہذا اس طرح کے معاملات جائز ہوں گے۔

۴- تالاب میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کے لئے مچھلیوں کا ملکیت میں ہونا ضروری ہے اور مچھلیوں کے مالک بننے کی تین صورتیں ہیں جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، لہذا کوئی حوض یا تالاب نجی ملکیت کا ہو، یا عوامی ملکیت کا جو مچھلیاں پالے بغیر از خود آگئی ہیں اس میں فروخت کرنا اس وقت درست ہے، جبکہ مچھلیاں لانے یا آنے کے بعد واپس نہ جانے کی تدبیر اختیار کی گئی ہو،

تا کہ ملکیت متحقق ہو جائے، ورنہ ایسی مچھلیاں فروخت کرنا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہاں پر ملکیت نہیں ہے۔

لیکن ایک خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا اجارہ کی صورت ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے، صحیح قول تو اس میں ناجائز ہونے کا ہے (شامی، ۶/۱۱۰)۔

لیکن اس کے خلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں آپؓ نے اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ صاحب "نہر" نے امام ابو یوسف سے یہ روایت شامی نے بھی نقل کی ہے:

"عن أبي يوسف في كتاب الخراج عن أبي الزناد قال: كتبت إلى عمر بن الخطاب في بحيرة يجمع فيها سمك بأرض العراق أنؤجرها؟ فكتب إلي أن افعلوا، وما في الإيضاح بالقواعد الفقهية أليق" (ردالمحتار ۶/۱۱۰)۔

(کتاب الخراج میں امام ابو یوسف سے ابو الزناد کی سند سے یہ روایت مروی ہے کہ ابو الزناد نے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن خطاب کو سرزمین عراق میں واقع ایک چھوٹے تالاب کے بارے میں لکھا جس میں مچھلیاں جمع ہوتی تھیں کہ کیا ہم اس کو اجارہ پر دے سکتے ہیں، تو حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ تم لوگ یہ معاملہ کر سکتے ہو، اور ایضاح میں جو عدم جواز لکھا ہے وہ فقہی قواعد کے زیادہ مناسب ہے)۔

موجودہ حالات کے پیش نظر اس روایت کو اختیار کرتے ہوئے اس کے جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے، لیکن اس میں علامہ شامی کو اعتراض ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہاں پر اجارہ میں عین شئی، یعنی مچھلیاں ہلاک ہو رہی ہیں اور اجرت میں یہ صورت درست نہیں ہے، شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں:

"لكن قوله غير بعيد الخ فيه نظر، لأن الإجارة واقعة على استهلاك العين"

لیکن علامہ رملی کا قول بعید نہیں ہے، اس میں اعتراض ہے، اس لئے کہ اجارہ عین شئ کے ختم ہونے پر واقع ہو رہا ہے (اور یہ درست نہیں ہے)۔

یہاں پر اگرچہ مقصود مچھلیوں کو حاصل کرنا ہے، لیکن اجرت تالاب کی ہو رہی تا کہ اس سے فائدہ اٹھا سکے، لہذا اگر تالاب کو اصل بنا کر اس سے متعلقہ فائدہ یعنی مچھلیوں سے فائدہ اٹھائے تو کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

☆☆☆

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت

مولانا محمد نور القاسمی

فی زمانہ تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت کا معاملہ کثرت سے رائج ہے اور بسا اوقات بعض معاملات اس میں سے غیر شرعی بھی ہوتے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ احکام اچھی طرح سمجھ لئے جائیں۔

حوض یا تالاب میں مچھلیوں کی بیع کرنا:

حوض یا تالاب اگر کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہے، نیز یہ کہ اس وہ باقاعدہ مچھلی کی افزائش کرتا ہے تو ان مچھلیوں کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھوں فروخت کرنے کی صورت میں دیکھا جائے گا کہ تالاب یا حوض چھوٹا ہے یا بڑا؟ اگر بڑا ہے تو بغیر مچھلیوں کو نکالے ہوئے فروخت کرنا درست نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائع فی الفور مبیع کو سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، پھر یہ کہ مچھلیوں کی مقدار بھی متعین نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ اس کی پوری بحث اوپر گذر چکی ہے، ہاں اگر تالاب یا حوض چھوٹا ہے، تو بھی امام مالکؒ کے نزدیک بیع صحیح نہیں ہوگی، البتہ ان کے علاوہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اس شرط کے ساتھ بیع درست ہوگی، جبکہ بغیر کسی حیلہ کے مچھلیاں پکڑی جاسکتی ہوں، لیکن اس صورت میں بھی احناف کے نزدیک مشتری کو خیار رویت حاصل ہوگا کہ دیکھنے کے بعد پسند آنے اور راضی ہو جانے پر جائز اور نافذ ہو جائے گی اور اگر مشتری ناپسند کرے تو بیع فسخ ہو جائے گی (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/ ۴۳۱-۴۳۲، نیز دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۵۶، المغنی ۴/ ۲۰۴، بدائع

الصنائع ۵ / ۲۹۵) چنانچہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی (حفظہ اللہ) نقل فرماتے ہیں:

''پس اگر پانی ہر چہار جانب سے گھرا ہوا ہو جیسا کہ تالاب کا پانی ہوتا ہے، تو احناف، شوافع اور حنابلہ مجملہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر اس شرط کے ساتھ مچھلی کی بیع صحیح ہوگی جب بغیر شکار اور حیلہ کے پکڑنا ممکن ہو، البتہ احناف کے نزدیک مشتری کو خیار رویت حاصل ہوگا، امام مالک یا حوض کے اندر مچھلی کی بیع کے عدم جواز کے قائل ہیں'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴ / ۴۳۱)۔

نجی تالاب میں از خود آئی ہوئی مچھلیوں کا حکم:

وہ حوض یا تالاب جو نجی ملکیت کا ہو یا عوامی ملکیت کا، اس میں جو مچھلیاں پالے بغیر بارش وغیرہ کی وجہ سے از خود آ گئی ہیں، اس کی خرید و فروخت یا اس کو ٹھیکے پر دینے کے مسئلہ سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات پر بحث کر لی جائے کہ آیا ان مچھلیوں پر مالک تالاب یا حوض کی ملکیت بھی ثابت ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں یہ اصول ذہن نشین رہنا چاہئے کہ مچھلی کا مالک بننے کی کل تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ مچھلی کی نشوونما اور افزائش کے لئے بطور خاص کسی نے تالاب میں رکھا ہے، اس صورت میں ان مچھلیوں اور ان کی نسل کا وہی مالک قرار پائے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ مچھلی تو اس نے نہ ڈالی ہو، لیکن مچھلی کے تالاب میں لانے یا آنے والی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کے لئے اس نے کوئی حیلہ اور تدبیر کر رکھا ہو، اس صورت میں بھی تالاب میں آنے والی مچھلیوں کا وہی مالک ہوگا جس کا تالاب ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص مچھلی کا شکار کر کے اسے اپنے برتن میں محفوظ کر لے چوتھی صورت جس میں آدمی چوتھی صورت جس میں آدمی مچھلی کا مالک نہیں ہو پاتا ہے، یا کسی کا تالاب ذاتی ہو اور اس میں مچھلیاں از خود آ جائیں، اس میں مالک تالاب کی سعی و کوشش کا کوئی دخل نہ ہو، یہاں محض یہ بات کہ تالاب اس کی زمین میں واقع ہے، اس بات کے لئے کافی نہیں کہ اس کو ان مچھلیوں کا مالک قرار دیا جائے، اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے محض اس بات کو کہ پرندہ کسی کے کھیت میں انڈا یا بچہ دیدے اس بات کے لئے

کا قائل نہیں سمجھا ہے کہ اس زمین کا مالک ان بچوں اور انڈوں کا بھی مالک ہو، لہذا اگر وہ بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا ہے، الا یہ کہ وہ ان کو پکڑ لے، ورنہ جو بھی اس بچہ یا انڈا کو اٹھالے گا وہی اس کا مالک ہوگا، چنانچہ امام اکمل الدین محمد بابرتی (م: ۷۸۶ھ) لکھتے ہیں:

"كما لو باض الطير في أرض إنسان أو فرخت فإنه لا يملكه لعدم الإحراز" (شرح العناية مع الفتح ۹/۲۰۹)۔

(جیسا کہ پرندے نے کسی آدمی کی زمین میں انڈا یا بچہ دیا تو وہ جمع نہ کرنے کی وجہ سے مالک نہیں ہوگا)۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (بدائع ۳/۱۱۹)۔

نجی تالاب یا حوض کو مچھلی کے لئے ٹھیکہ پر دینا:

تالاب اور حوض کو مچھلی کے شکار کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دینا گویا اجارہ پر دینا ہے، اس سلسلہ میں ذہن نشین رہنا چاہئے کہ اجارہ میں منفعت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے نہ کہ عین شی سے، جبکہ شی زیر غور مسئلہ میں عین شی کا ہلاک ہونا لازم آتا ہے، اس سلسلہ میں "الموسوعۃ الفقہیہ" میں لکھا ہے:

"لكن الحنفية لا يجيزون إجارة الآجام والأنهار للسمك" (الموسوعة الفقهية ۱/۲۷۷)۔

(حنفیہ آجام (جھاڑیوں والے حوض اور نہروں) کو مچھلی کے لئے اجارہ پر دینے کے قائل نہیں ہیں)۔

علامہ شامی (م: ۱۲۵۲ھ) نے نہر اور بحر کے حوالے سے نقل کیا ہے:

"قال في النهر اعلم أن في مصر بركا صغيرة كبركة الفهادة تجتمع فيها الأسماك هل تجوز إجارتها لصيد السمك منها؟ نقل في البحر عن الإيضاح

عدم جوازها" (رد المحتار ۴؍۱۱۹، البحر الرائق ۹؍۷۳)۔

(نہر میں فرمایا کہ جان لو کہ مصر میں چھوٹے تالاب مثلاً "برکۂ فہادہ"، جس میں مچھلیاں جمع ہوتی ہیں، کیا ان کو مچھلیوں کے شکار کرنے کے لئے اجارہ پر دینا جائز ہے؟ بحر میں ایضاح سے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے)۔

نیز بڑے فقیہ علامہ خیر رملیؒ کے قول کی تردید کرتے ہوئے علامہ شامی آگے تحریر فرماتے ہیں:

"لكن قوله غير بعيد الخ فيه نظر، لأن الإجارة واقعة علم استهلاک العين" (رد المحتار ۴؍۱۱۹)۔

لیکن ان کے "غیر بعید" کہنے میں نظر ہے، اس لئے کہ اجارہ عین شی کے ہلاک ہونے پر واقع ہوا ہے۔

☆☆☆

پانی میں مچھلیوں کی خرید وفروخت

مولانا احمد نادر القاسمی

شرائط انعقاد بیع:

انعقاد بیع کی شرائط میں فقہاء نے مختلف شرطیں بیان کی ہیں، یہاں ان تمام کا احاطہ تو ممکن نہیں، البتہ دو اہم اور بنیادی شرائط جو زیر بحث مسئلہ سے متعلق ہیں ان کا ذکر کرنا لازمی ہے، کیونکہ بیع وشراء کی صحت کے لئے ان دونوں ہی باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱- جو چیز خریدی اور بیچی جارہی ہو اس پر بائع اور مشتری کی ملکیت ہو، کیونکہ خرید وفروخت کا منشا عاقدین کو باہم اپنی چیز کا مالک بنانا ہوتا ہے اور کسی چیز کا مالک اس وقت تک دوسرے کو نہیں بنایا جاسکتا ہے جب تک خود انسان کی اس پر ملکیت نہ ہو (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۱۴۶)۔

۲- دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ بیع وشراء کے وقت بائع اور مشتری مبیع وثمن کی سپردگی پر قادر ہوں، لہذا اگر سپردگی کی قدرت مفقود ہوگی تو بیع منعقد نہیں ہوگی (حوالہ سابق)۔ انعقاد بیع کی ان دونوں شرطوں کا بیع کی صحت کے لئے پایا جانا ضروری ہے اور اس کی حیثیت کلیہ کی ہے جس پر ائمہ اربعہ اور مجتہدین کا اتفاق نقل کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: (الموسوعۃ الفقہیہ ۹/۱۴-۱۰، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۹، بحث النہی و الغرر ص ۱۵۳)۔

غرر کی حقیقت:

پانی میں مچھلی کی خرید وفروخت کے باب میں "غرر" کو بڑی اہمیت دی ہے اور غرر کی

کی وجہ سے علماء اور ائمہ فقہ میں جواز اور عدم جواز کی رائے قائم ہوئی ہے، اس لئے یہاں غرر کی مختصر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے، الغرض:

شرعی اعتبار سے فقہاء نے مختلف الفاظ میں غرر کی حقیقت بیان فرمائی ہے، تاہم منشا کے اعتبار سے تمام تعریفوں کا حاصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے، فقہاء احناف نے غرر کی حقیقت کسی چیز کے انجام کی پوشیدگی بیان فرمائی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"فان الغرر هو الذى استوى فيه طرف الوجود و العدم"

(غرر وہ اندیشہ اور خدشہ ہے جس میں کسی چیز کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو)۔

مشہور مالکی عالم شہاب الدین قرافی غرر اور جہالت کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

"وأصل الغرر هو الذى لا يدرى هل يحصل أم لا، كالطير فى الهواء والسمك فى الماء" (الفروق للقرافی ۳؍۲)۔

غرر کی اصل یہ ہے کہ جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ آیا وہ حاصل ہوگی یا نہیں، مثلاً اڑتے ہوئے پرندے، پانی میں مچھلی۔

غرر کا تعین:

غرر کثیر اور غرر یسیر کے تعین کے سلسلے میں فقہاء کے یہاں کوئی اصول مذکور نہیں، البتہ ذکر کی گئی امثلہ، مثلاً: بیع نتاج، بیع آبق، اور بیع سمک فی الماء وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعین کا مدار عرف اور لوگوں کے ماحول پر ہے جو لوگ جس پیشے اور کاروبار سے جڑے ہوتے ہیں اور ان کو اس سے ہمیشہ سابقہ پڑتا رہتا ہے، وہ بآسانی اس کا تعین کرسکتے ہیں کہ فلاں معاملہ یہ غرر (دھوکہ) ہے، اور یہ کم ہے یا زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ غرر کے متعین کرنے میں ہر زمانے اور ہر دور، نیز لوگوں کے نظریات وافکار کے اعتبار سے خاصا فرق نظر آتا ہے، بعض چیزیں ایسی ہیں جو

کسی زمانے میں غرر سمجھی جاتی تھی اور کسی زمانے میں نہیں، اسی طرح بعض ائمہ مجتہدین کے یہاں غرر کثیر سمجھا جاتا ہے اور بعض کے یہاں یسیر، اسی بناء پر ائمہ اربعہ کے دبستان فقہ میں بھی بعض مسائل میں عدم جواز اور جواز کے جداگانہ اقوال ملتے ہیں جس سے یہ بات تو تقریباً طے ہو جاتی ہے کہ غرر کثیر اور یسیر کے تعین اور شناخت کا مدار عرف و عادت اور اہل پیشہ و حرفت کی اپنی اپنی روش رہی ہے مثلاً: شیخ منصور ابن یوسف بہوتی فرماتے ہیں:

"إذا عين في البيع غبنا يخرج عن العادة، لأنه لم يرد الشرع بتحديده فرجع فيه إلى العرف" (الروض المربع ۲۱۹)۔

(جب بیع میں کسی قسم کا غبن ہو تو اس کی قلت اور کثرت کا تعین تعامل اور عرف سے کیا جائے گا، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی تحدید مذکور نہیں، اس لئے اس معاملہ میں عرف ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

غرر کثیر اور یسیر کے احکام:

ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کا اس باب میں اتفاق ہے کہ غرر کثیر جو بیوع میں قابل تکثیر نہیں، باجماع فقہاء درست نہیں، مثلاً جانور کی تھن میں دودھ کی بیع، اڑتے ہوئے پرندے کی بیع، سیپ میں موتیوں کی بیع، پانی میں مچھلی کی خرید و فروخت وغیرہ معاملات (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۳، مقدمہ ابن رشد [illegible]، تکملہ شرح المہذب ۹/ [illegible]، [illegible] ۲/ ۲۴۸)۔

اور جہاں تک غرر یسیر کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ جو ادنیٰ درجہ کا غرر ہے اس سے کوئی خریدی اور بیچی جانے والی اشیاء کا محفوظ رہنا بہت مشکل امر ہے اور ہمیشہ اس طرح کی چیزوں سے انسان کو سابقہ پڑتا رہتا ہے، مثلاً سفرجل و اخروٹ اور اسی قسم کی دیگر خوردنی اشیاء جس کی صرف ظاہری شکل و صورت پر خرید و فروخت ہوتی ہے، اس طرح کے معاملات عام زندگی اور رواج میں

داخل ہو گئے ہیں، اس لئے غرر یسیر کو معمولی درجہ کی جہالت اور مبیع میں غیر موثر مان کر تمام فقہاء نے بالاتفاق جائز قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/۱۵۵، المدونہ ۳/۲۰۹)۔

تالاب اور دریا کے مچھلی کی بیع:

اس بارے میں بنیادی طور پر یہ بات سامنے رہنی چاہئے کہ کسی بھی چیز کی خرید و فروخت کے درست ہونے کے لئے لازمی طور پر دو امور کا پایا جانا ضروری ہے، جیسا کہ شرائط انعقاد کی بحث میں بیان کیا گیا، یہ دونوں چیزیں اگر بیک وقت نہیں پائی جائیں تو بیع وشراء کا معاملہ شریعت کے مبینہ اصول کی روشنی میں قطعاً نادرست ہوگا، اب تالاب اگر کسی شخص کا ذاتی ہو اور اس نے اپنے ذاتی سرمایہ سے تالاب میں افزائش کے لئے مچھلیاں ڈالی ہوں، یا مچھلیوں کے آنے کے بعد راستے بند کر دیے ہوں اور تالاب کی مچھلیاں اس سے نہ باہر جاتی ہوں اور نہ باہر سے سیلاب وغیرہ کی وجہ سے اندر آتی ہوں اور صاحب تالاب کسی نوعیت سے اس کی سپردگی پر قادر ہو تو فقہاء احناف کی تشریحات کے مطابق اس کی خرید و فروخت جائز ہوگی، اور اگر کسی نے تالاب یا نالیاں مچھلی کی پیداوار بڑھانے اور پالنے کے لئے نہ بنایا ہو اور نہ ان کے راستے بند کئے ہوں، بلکہ اسے یونہی عام رکھا ہو تو اس صورت میں اس کی مچھلی کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اس کا سرے سے مالک نہیں ہے، بلکہ وہ عام اور مباح الاصل ہے، اور سب کے لئے جائز ہے جو پکڑ لے وہی اس کا مالک ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۶/۴۰۹، بدائع الصنائع ۵/۱۴۸، ردالمحتار ۴/۱۱۹)۔

خلاصہ بحث:

ائمہ اربعہ کے نظریات اور متبعین کی فقہی آراء سے یہ بات سامنے آئی کہ تالاب اور ندی نالے وغیرہ کی مچھلیوں کی خرید و فروخت ان کا اشکار اور پانی سے نکالے بغیر فی الفور غیر مقدور

تسلیم اور مجہول ہونے کی وجہ سے ناجائز اور فاسد ہے، مگر یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک یہ کہ فی زمانہ اس طرح مچھلی کی خرید وفروخت پوری دنیا میں ہورہی ہے جو عرف عام کا درجہ رکھتی ہے، یہ عرف فاسد ہے یا عرف صحیح؟ دوسرے یہ کہ تالاب وندی نالے حوض وغیرہ میں مچھلیوں کی خرید وفروخت کی نہی اور ممانعت کس قبیل کی ہے، نیز یہ بات بھی کہ اس طرح مچھلیوں کی خرید وفروخت آج کی دنیا میں پروجیکٹ کی صورت اختیار کرگیا ہے جو انسانی ضروریات کا ایک حصہ ہے، اگر اس کا کوئی مثبت حل سامنے نہیں آتا تو دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو پوری انسانیت ایک ناجائز اور غیر مشروع امر کی مرتکب ہو، یا پھر نعمت خداوندی سے محروم ہو، ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں ارشاد باری: "إن الله يريد بكم اليسر ولا يريد بكم العسر"، اور قاعدہ "الحرج مدفوع" کی بنا پر مردود ہیں۔

دوسری طرف انسانی ضروریات اور حاجات کا تقاضا یہ ہے کہ آج کل کے تالاب کی مچھلیوں کی خرید وفروخت جو تجارت اور انسانی معاش کا ایک حصہ بن گئی ہے شریعت کے قواعد عامہ "الضرورات تبيح المحظورات، عموم بلوى" اور "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" نیز "المشقة تجلب التيسير" کے پیش نظر جائز ہونا چاہئے۔

اس لئے اس بارے میں احقر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تعامل اور عرف، نیز ضروریات انسانی کے پیش نظر تالاب وغیرہ کی مچھلیوں کی خرید وفروخت بھی فی زمانہ جائز ہوگی، رہا غرر کا مسئلہ تو متقدمین کے زمانہ میں اتنی سہولیات ان کے پرکھنے کی نہیں تھیں اور آج کے ترقی پذیر دور میں اس کے ماہرین اس سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اس لحاظ سے بھی یہ غرر یسیر کے زمرے میں آتا ہے جس کو فقہاء نے بالاتفاق جائز قرار دیا ہے۔

ظاہر ہے جب تعامل کی بنیاد پر یہ امر جائز قرار پاتا ہے تو اس کو شکار سے قبل بیچنا بھی جائز ہوگا اور عام مسلمانوں کا خریدنا بیچنا بھی، خواہ فروخت کنندہ مسلمان ہو یا غیر مسلم جائز ہوگا۔

ذاتی تالاب یا حوض میں مچھلیاں پال کر فروخت کرنا:

یہ بات بھی تقریباً ماقبل میں ذکر کی جاچکی ہے کہ کوئی شخص مچھلیوں کے شکار یا اسے روکنے کے لئے کوئی تالاب یا گڑھا بناتا ہے یا اپنی ملک میں سیلاب وغیرہ کی وجہ سے مچھلیاں آنے کے بعد اس کے راستے مسدود کردیتا ہے تو وہ مچھلیاں اس کی ذاتی ملک ہوجاتی ہیں، کسی دوسرے کے لئے اس کا پکڑنا درست نہیں رہتا ہے۔

توجب آدمی اپنے ذاتی سرمایہ سے مچھلی کی افزائش کررہا ہو تو بدرجہ اولی اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا، اس سلسلے میں قریب قریب ائمہ اربعہ کے یہاں نظائر موجود ہیں (دیکھئے: فتح القدیر ۶/۱۰۲، المغنی لابن قدامہ ۴/۱۴۳)۔

تالاب یا حوض وغیرہ کو ٹھیکہ پر دینا:

تالاب، حوض اور نالے کے اجارہ پر دینے کے سلسلے میں احناف کے درمیان اختلاف ہے، جمہور احناف اس بات کے قائل ہیں کہ اسے اجارہ پر دینا درست نہیں ہے، البتہ علامہ خیر رملی کا خیال ہے کہ جائز اور حضرت فاروقؓ، نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی جواز نقل کیا گیا ہے، حنفیہ کے پیش نظر یہ بات ہے کہ تالاب کا اجارہ پر دینا اور ان کی مچھلیوں سے استفادہ کرنا عین شئی کے استہلاک کے مرادف ہے جو اجارہ کے لئے مانع ہے، اس لئے تالابوں، حوضوں اور نالوں کو اجارہ پر دینا غیر مشروع امر ہے، تاہم حنابلہ اس اجارہ کو جائز قرار دیا ہے، (تفصیل کے لئے دیکھئے: (رد المحتار ۴/۱۱۹، المغنی لابن قدامہ ۴/۱۴۳)۔ البتہ شافعیہ کے یہاں دو رائے ہے، ایک گروہ جواز کا قائل ہے اور دوسرا گروہ عدم جواز کا (دیکھئے: (المجموع شرح المہذب ۹/۲۸۵)۔

ائمہ کے درمیان اس فقہی اور فروعی اختلاف سے فی زمانہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور عموم بلوی کی وجہ سے جواز کا فتوی دیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حنفیہ نے عموم بلوی اور انسانی ضروریات کی وجہ سے جواز کے فتوے دینے کی بات کہی ہے۔

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت کا حکم

مولانا محمد اسلام قاسمی

ذخائر احادیث میں کوئی صریح روایت نہیں ملتی جس سے تالاب میں مچھلی کی بیع کی ممانعت ہو، البتہ حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی میں مچھلی کی بیع جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کے قول کی حیثیت بھی غور طلب ہے۔

فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی کی بیع کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، لہذا تالاب میں مچھلی کی بیع کے عدم جواز پر حضرت ابن مسعودؓ کے قول کو حجت نہیں بنایا جاسکتا، راقم آخر میں علامہ ابن حزم کی رائے کو پیش کرتا ہے۔

علامہ ابن حزم مطلقاً جواز کے قائل ہیں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا انسان مالک ہوا پھر اس کا حکم نافذ کیا جائے گا۔

"كل ما ملكه المرء فحكمه فيه نافذ بالنص، وإن شاء أمسكه وإن شاء باعه وإن شاء وهبه وقد بطلنا قبل قول من فرق بين الصيد يتوحش، وبين الإبل والغنم والبقر والخيل يتوحش، وكذلك لا فرق بين الصيد من السمك ومن الطير ومن النحل" (المحلی ۹/۲۸۸)۔

(جس چیز کا آدمی مالک ہو جائے اس کا حکم اس میں جاری ہوگا چاہے تو وہ اپنے پاس رکھے، چاہے فروخت کردے ہم باطل قرار دے چکے ہیں ان لوگوں کے قول کو جنہوں نے

جنگلی شکار اور لومڑی پکڑنے اور جنگلی گھوڑے کے درمیان فرق کیا ہے، ایسے ہی کوئی فرق نہیں مچھلی اور پرندے کے شکار کرنے کے درمیان)۔

ٹھیکیدار کا مچھلی شکار کرنے کے بعد فروخت کرنا:

فقہاء احناف کے یہاں "بیع غیر صحیح" کی دو قسمیں ہیں: باطل اور فاسد، فقہاء نے تالاب میں مچھلی کی بیع کو دو وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے: غرر و جہالت کا پایا جانا اور مقدور التسلیم نہ ہونا اور یہ دونوں بیع فاسد کے اسباب میں سے ہیں، اور چونکہ بیع فاسد قبضہ کے بعد مفید ملک ہوتی ہے، لہٰذا ٹھیکیدار کا اس طرح حاصل کی ہوئی مچھلیاں شکار کرنے کے بعد دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا یا کسی مسلمان شخص کا پوری صورت حال جانتے ہوئے اس مچھلی کو خریدنا جائز ہونا چاہئے۔

بڑے تالاب یا حوض کی مچھلیوں کو فروخت کرنا:

ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ صحت بیع کی شرائط میں سے مبیع کا مملوک ہونا اور مقدور التسلیم ہونا شرط ہے۔ مسئول صورت میں مبیع پر بائع کی ملکیت تو ہے مگر بظاہر بائع کو قدرت علی التسلیم حاصل نہیں۔ تاہم پہلے سوال کے جواب کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہونی چاہئے۔

حوض یا تالاب میں از خود آنے والی مچھلی کی بیع:

اگر حوض یا تالاب مچھلی کی افزائش کے لئے تیار نہ کئے گئے ہوں یا افزائش مچھلی کے لئے بنائے گئے ہوں لیکن "زیرہ" ڈالے بغیر مچھلیاں بارش کی وجہ سے از خود آگئیں، اور صاحب حوض یا تالاب یا عوامی ملکیت والے تالاب کو ذمہ دار ان کی حفاظت کرنے لگے تو حاصل شدہ مچھلیاں صاحب حوض و تالاب اور عوام ہی کی مملوک ہوں گی (فتح القدیر ۶/۰۲۱)۔

لہذا سوال کے جواب کی تفصیل کے مطابق یہ صورت بھی شرعاً جائز ہونی چاہئے اور موجودہ زمانے کے پیش نظر کسی خاص مدت کے لئے ٹھیکہ پر دینا بھی درست ہوگا، چنانچہ علامہ شامی نے "کتاب الخراج" کے حوالے سے ابوبکرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکتی ہے (ردالمحتار ۳/ ۱۱۴)۔

☆☆☆

مچھلی کی رائج تجارت

مولانا محمد ابرار خان ندوی

ندی یا تالاب میں مچھلیوں کی خرید وفروخت:

مچھلی کی خرید وفروخت کا مسئلہ کوئی دور نو کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ زمانہ قدیم سے ہی اس کی تجارت کی جاتی رہی ہے، البتہ عصر جدید میں اس اسکے کثیر الوقوع، اور رائج ہونے کی بناء پر مسئلہ نے غیر معمولی اہمیت اختیار کرلی ہے اور ارباب علم وفقہ کو فقہاء اسلام کے فتوی عدم جواز پر ازسرنو غور وفکر کرنے پر مجبور کردیا ہے، اور ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے، کہ موجودہ دور میں مچھلی کی خرید وفروخت کی جو شکلیں رواج پذیر ہیں وہ بظاہر شریعت اسلامیہ کی نظر میں اور فقہ اسلامی کی رو سے مجہول یا غیر مقدور التسلیم ہونے کے سبب ناجائز ہونی چاہئے، کیونکہ بیع وشراء کے درست ہونے کے لئے درج ذیل دو بنیادی چیزوں کا پایا جانا بہت ضروری ہے، ورنہ معاملہ ہی صحیح قرار نہ پائے گا، اول: یہ ہے کہ جو چیز فروخت کی جائے بائع اس کی سپردگی پر مکمل طور پر قدرت رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ وہ چیز مجہول وغیر معلوم نہ ہو بلکہ موجود ہے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

''شرائط بیع میں سے ہے کہ مبیع عقد کے وقت مقدور التسلیم ہو، اگر عقد کے وقت اس کو سپرد کرنا ممکن نہ ہو تو بیع نہیں ہوگی، اگر وہ اس کی ملکیت کیوں نہ ہو، اور اسی کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ مبیع وثمن معلوم ہو'' (بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۷)۔

ندی یا تالاب کا کرایہ پر دینا:

اس بارے میں سوال یہ ہے کہ ندی وتالاب کو ٹھیکہ پر لینا کیسا ہے؟ اور شریعت میں کیا اس کی گنجائش موجود ہے؟ تو اس کے لئے جب ہم فقہ اسلامی کے ذخیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بات بالکل عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ تالاب کو اجرت پر لینے کے نظائر بھی موجود ہیں اور اس کی اجازت بھی دی گئی ہے۔

چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"لو استأجر البركة أو الشبكة أو استعارها للاصطياد جاز"

(المغنی ۵؍۳۲۳)۔

(اگر تالاب یا جال کو اجرت پر لے یا شکار کی خاطر ان دونوں کو بطور عاریت لے تو جائز ہے)۔

اور احناف میں علامہ شامی نقل کرتے ہیں:

("نہر" میں ہے کہ معلوم ہونا چاہئے کہ مصر میں چھوٹے تالاب ہیں جیسے "گڑھا" وغیرہ ان میں مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں تو کیا مچھلیوں کا شکار کرنے کی خاطر اس کو اجرت پر دینا درست ہے؟ تو "بحر" میں "ایضاح" کے حوالہ سے عدم جواز نقل کیا ہے اور پہلے یہ نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ابوالزناد سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے):

"میں نے حضرت عمر بن الخطاب کے پاس لکھا کہ سرزمین عراق میں ایک حوض ہے جس میں مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں تو کیا ہم اس کو ٹھیکہ پر دے سکتے ہیں؟ تو انہوں نے مجھے لکھا کہ ہاں: ایسا کر سکتے ہو اور جو "ایضاح" میں ہے وہ قواعد فقہیہ سے زیادہ میل کھاتا ہے" (۱)۔

(شامی ۵؍۱۹)۔

امام ابو یوسف کی مذکورہ روایت کو علامہ شامی نے مرجوح اور ایضاح کی روایت عدم جواز کو راجح و فقہی اصول وقواعد سے زیادہ میل کھانے والا قرار دیا ہے، لیکن علامہ خیرالدین رملی نے امام

ابو یوسف کی روایت کو قابل قبول اور لائق عمل وترجیح کہا ہے (موجودہ حالات میں اس پر فتوی دیا جاسکتا ہے)، دیکھئے: (حوالہ سابق)۔

تالاب ذاتی یا عوامی کا حکم:

حوض یا تالاب خواہ ذاتی ملکیت کے ہوں یا عوامی اور اس میں مچھلیوں کی باقاعدہ پرورش کی گئی ہو، یا بارش وغیرہ کے سبب از خود آگئی ہوں، فقہاء کے نزدیک ہر صورت میں ان کی بیع وشراء ناجائز قرار پاتی ہے، کیونکہ مقدور التسلیم کی شرط مفقود ہے (دیکھئے: مجمع الانہر ۲/۵۵)۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ کلام یہ کہ تالاب کے اندر مچھلیوں کی بیع وشراء کرنا جائز ہے، ورنہ یہ امت جو آج ہر طرف پریشان وبے چین ہے، سیاسی سطح پر بھی ظلم وزیادتی اور ناانصافی کا معاملہ کیا جارہا ہے، اپنے حقوق سے محروم ہے، اعلی سے لے کر ادنی درجہ کے مناصب سے بے دخل کردیا گیا ہے، تجارت وصنعت کے میدان میں بھی سوتیلے پن کے سلوک سے دوچار ہے، اس لئے امت کو مصائب سے نکالنے کی تدبیریں کرتا ہے، لہذا "المشقة تجلب التيسير" کے اصول کے تحت بھی گنجائش واباحت کا پہلو نکالا جاسکتا ہے، اور پھر سب سے بڑھ کر اس دور میں عدم جواز کے علل واسباب باقی ہی نہیں رہے، اس زمانہ میں نہ ہی مچھلی غیر مقدور التسلیم ہی ہے اور نہ جہالت کا وجود ہے، اس لئے جواز کا فتوی (موجودہ عرف وزمانہ اور حالات وترقیات کو دیکھتے ہوئے) مناسب ہوگا، البتہ ندی وسمندر میں غیر مقدور التسلیم اور جہالت'' کی علت برقرار ہے جس کی بناء پر جواز کی گنجائش تلاش کرنا مشکل ہے۔

☆☆☆

مچھلی کی بیع کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کا مسلک

مولانا محمد قمر الزماں ندوی

حنفیہ کسی کو فروخت کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں اول یہ کہ جو چیزیں بیچا جارہی ہوں وہ بیچنے والے کی ملکیت میں ہو، دوسری بات یہ ہے کہ اس کی سپردگی ممکن ہو، اگر فی الحال اس کے حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو تو بیع نہ ہوگی، مثلاً عبد آبق کی بیع یا کسی گم شدہ جانور کی بیع، کیونکہ وہ اپنے اصل مالک ہی کی ملکیت میں ہے، لیکن بروقت اس کے حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس بنا پر احناف کے یہاں بھی تالاب کے اندر مچھلی کی بیع ناجائز ہے، البتہ اگر تالاب اتنا چھوٹا ہو کہ بغیر حیلہ کے مچھلی نکالی جاسکتی ہو تو اس صورت میں مچھلی کی بیع تالاب کے اندر بغیر قبضہ کے بھی جائز ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر الرائق ۶، ۳۳ وما بعد)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مچھلی اس شخص کی ملک میں داخل ہے اور وہ بآسانی اس کے حوالہ کرنے پر قادر ہے تو اس کی خرید وفروخت درست ہوگی لیکن اگر اس کی سپردگی پر قادر نہ ہو یا ابھی اس کا مالک ہی نہ ہوا ہو تو خرید وفروخت کا معاملہ جائز نہ ہوگا۔ مچھلی کے بآسانی مقدور التسلیم یعنی حوالگی پر قادر ہونے کی ہی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ شکار کے بعد برتن میں محفوظ کرلے یا یہ کہ مچھلی کو کسی ایسے چھوٹے گڑھے میں رکھے جس سے نکالنا آسان ہو اور سہل ہو۔

شافعیہ کے یہاں بھی مچھلی کی بیع تالاب کے اندر جائز ہے علت نہی غرر اور غیر مقدور التسلیم ہوتا ہے۔

"ایسی چیز کی بیع جس کی سپردگی ممکن نہ ہو، جیسے پرندے کی بیع ہوا میں اور مچھلی کی بیع

پانی کے اندر اور بھاگے ہوئے غلام کی بیع جائز نہیں حضرت ابوھریرہ کی حدیث میں مروی ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ نے بیع غرر سے روکا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پانی کے اندر مچھلی کی بیع نہ کرو، اس لئے کہ اس میں غرر ہے اور اس لئے بھی کہ بیع کا مقصد ملکیت میں تصرف کرنا ہے اور وہ ایسی چیز میں ممکن نہیں ہے جس میں سپردگی کی قدرت نہ ہو من جملہ بیع غرر میں سے مچھلی کی بیع پانی کے اندر بھی ہے" (المہذب ۹ر ۲۶۳)۔

مالکیہ کے نزدیک پانی کے اندر مچھلی کی بیع بغیر قبضہ کئے ہوئے ناجائز ہے، لیکن اگر مچھلی اس شخص کے ملک میں داخل ہے اور وہ بآسانی اس کے حوالہ کرنے پر قادر ہے تو اس کی خرید وفروخت درست ہوگی، لیکن اگر اس کی سپردگی پر قدرت نہ ہو یا ابھی اس کا مالک ہی نہ ہو تو پھر خرید فروخت کی یہ صورت جائز نہ ہوگی (دیکھئے: الثمر الدانی ر ۸۲۱)۔

حنابلہ کے یہاں بھی پانی کے اندر مچھلی کی بیع بغیر قبضہ کے ناجائز ہے، البتہ اگر تین شرطیں پائی جائیں تو پھر مچھلی کو تالاب کے اندر بیچا جاسکتا ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ تالاب مملوک ہو (۲) پانی اتنا رقیق اور صاف ہو کہ مشاہدہ سے مانع نہ ہو، یعنی مچھلیاں نظر آتی ہوں، (۳) مچھلی کا پکڑنا اور اس کا روکے رکھنا بھی ممکن ہو، اگر یہ شرطیں پائی جائیں تو مچھلی کو تالاب کے اندر ہی بیچا جاسکتا ہے (دیکھئے: المغنی ر ۲۰۰)۔

خلاصہ یہ کہ جمہور علماء کے یہاں بالاتفاق تالاب کے اندر مچھلی کی بیع ناجائز ہے اور علت مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا اور امکانی غرر کا پایا جانا ہے۔

اس سلسلے میں فقہاء اصول "الضرورة تبیح المحظورات" اور "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" کے فقہی اصول پر عمل کرنے کی گنجائش دی جانی چاہئے جہاں تک معدوم اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی بات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے زمانے میں یہ امکان رہتا تھا کہ بالکلیہ تالاب میں مچھلی ہو ہی نہ، جبکہ آج کل انڈے اور بیج کی شکل میں مچھلیاں تالاب میں ڈالی جاتی ہیں اور تاجر لوگ اس کا اندازہ لگا لیتے ہیں کہ مچھلیاں کتنی ہوسکتی ہیں اور اگر اس کے باوجود غرر

النورانیہ'' میں لکھا ہے کہ بیع کے سلسلے میں امام مالک کے اصول دوسرے فقہاء کے مقابلہ میں بہتر اور عمدہ ہیں، اس لئے اس کو اختیار کیا جانا چاہئے۔

اس کی تفصیل ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب ''الحلال والحرام فی الاسلام'' میں لکھی ہے (دیکھئے: مذکورہ کتاب، ۲۳۲)۔

اس وقت مچھلی کی بیع تالاب کے اندر حاجت ہی کی شکل میں داخل ہے جس کو اوپر بیان کیا گیا ہے اور یہ حاجت عام ہے کیونکہ جس طرح تاجر پیشہ ور لوگ اور شہر والے مچھلی کھاتے ہیں، بعینہ وہی صورت حال دیہات والوں کے ساتھ ہے، نیز یہ حاجت متعین بھی ہے، کیونکہ بازار میں آجکل جو مچھلیاں خرید وفروخت ہوتی ہیں سب اسی قبیل سے ہوتی ہیں، اس لئے لوگ مجبور ہیں کہ اس معاملہ کو غرر ہونے کے باوجود حاجت اور ضرورت کی بنیاد اختیار کریں، خود فقہاء کے یہاں اصول موجود ہے جس سے حاجت کے وقت بہت سی صورتوں کو جائز قرار دیا جائے، فقہی اصول ہے ''الحاجة تنزل منزلة الضرورة''۔

☆☆☆

ندی نالے کی مچھلیوں کی بیع

مولانا نسیم الدین قاسمی ٭

وہ ندی نالے کی مچھلیوں کی بیع جو کسی شخص کی ملکیت میں نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ سرکار کی تحویل میں ہوتی ہے اور حکومت اسے کسی خاص شخص، کوآپریٹو سوسائٹی یا گرام پنچایتوں کو بندوبست کردیتی ہے اور یہ حضرات سرکار کو معاوضہ دے کر متعین مدت تک مچھلیاں نکالتے ہیں، خود استعمال کرتے ہیں اور فروخت بھی کرتے ہیں، اور یہی طریقہ آج کل متعارف ہے اور ندی کی مچھلیوں کا حال یہ ہے کہ وہ سیلاب کی آمد و رفت سے آتی اور جاتی رہتی ہیں، اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں:

۱- جو چیزیں فروخت کی جارہی ہے اس پر بیچنے والے کی ملکیت ہو (۲) اس شیٔ کی حوالگی اور سپردگی ممکن ہو، جیسے گمشدہ مال یا جانور کی بیع کہ وہ اپنے اصل مالک ہی کی ملکیت ہے، لیکن بروقت اس کے حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہے، اس وجہ سے اس کی بیع جائز نہیں ہے (ہدایہ [illegible])۔

یہی صورت حال دریا اور سرکاری ندی نالے کی مچھلیوں کے سلسلے میں بھی ہے کہ اگرچہ دریا کی مچھلیوں پر سرکار کی ملکیت ہے لیکن وہ اس کی حوالگی اور سپردگی پر قادر نہیں، البتہ اس قسم کا بیع شرعاً ناجائز نہیں ہوگا۔

"لا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد، لأنه باع ما لا یملکه، ولأنه

٭ جامع العلوم فیض نگر جامعہ۔

غیر مقدور التسلیم" (ہدایہ ۳/۵۲، [illegible] ۳/۲۹)۔

(مچھلی کی بیع شکار کرنے سے قبل جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز کی بیع کی ہے جو اس کے ملک میں داخل نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ غیر مقدور التسلیم بھی ہے)۔

ٹھیکیدار کا دریا کی مچھلیوں کو شکار کرنے کے بعد فروخت کرنا:

چونکہ بیع اول درست نہیں ہوئی "بیع ما لا یملکہ" اور غیر مقدور التسلیم ہونے کی بناء پر تو اب اس دریا یا ندی نالے کی مچھلیوں پر سرکاری ملکیت ہے، اب اگر ٹھیکیدار اس دریا کی مچھلی کو شکار کر کے فروخت کرتا ہے تو اس کا بیع و شراء کرنا درست ہے، بایں معنی کہ شکار کرنے کے بعد اس کی ملکیت اس پر ثابت ہوئی اور مقدور التسلیم بھی ہے

"ہدایہ" میں ہے:

"ولا یجوز بیع السمک قبل أن یصطاد إلا بعد" (ہدایہ ۳/۵۲)۔

حوض یا تالاب کی مچھلیوں کی بیع:

مچھلی کا مالک بننے کی تین صورتیں ہیں (۱) اس حوض یا تالاب میں باقاعدہ مچھلی پالنے کے لئے رکھا ہو (۲) مچھلیوں کے تالاب میں یا نہر یا حوض میں آنے والی مچھلیوں کے واپس نہ جانے کے لئے اس نے کوئی تدبیر کی ہو (۳) تیسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص مچھلی کا شکار کر کے کسی برتن میں محفوظ رکھا ہو۔

جیسا کہ "عینی" اور "ہندیہ" میں ہے:

"أو سد صاحب الحظیرة علیها ملکها ولو سد موضع الدخول حتی صار بحیث لا یقدر علی الخروج، فقد صار آخذا له" ([illegible])۔

یہ تو تفصیل ہوئی مچھلیوں کی ملکیت میں آنے کی، اب جواز بیع و عدم فساد کے لئے

مچھلی کی بیع کے چند مسائل

مولانا محمد شاہد قاسمی

مچھلی کی بیع پانی میں درست نہیں ہے، ممانعت کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "ان النبی ﷺ نهى عن بيع الغرر" مسند احمد میں ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے: "لا تشتروا السمک فی الماء، فانه غرر" حدیث پاک میں ممانعت کی علت غرر کو قرار دیا گیا ہے، اسی بناء پر تمام فقہاء نے مچھلی کی بیع کو غرر کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔

سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس کو کس فہرست میں رکھا جائے غرر موثر یا غیر موثر؟

تمام فقہاء نے جہت غرر کی تعیین کر دی ہے، اور وہ معقود علیہ کا مقدور التسلیم نہ ہونا اور مبیع کا مجہول ہونا ہے۔

دیگر مسائل میں معدوم کی بیع کو محض تعامل ناس کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے تو مچھلی کی بیع بھی درست ہونی چاہئے، جبکہ مچھلی معدوم نہیں مستور ہوتی ہے، نیز عین غائب مملوک کی بیع حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اگرچہ وصف مجہول ہو (۳) البتہ مشتری کے لئے خیار رویت رہتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز، ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک تو پانی میں مچھلی کی بیع مطلقاً جائز ہے (محلی لابن حزم ۸/۴۰۰)۔

ضرورت اور عام لوگوں کو حرام سے بچانے کے لئے کوئی تدبیر بتائی جائے کہ وہ حلال طریقے سے حاصل ہو جائز ہے، جسے "حیلہ" کہا جاتا ہے، آج کل جب کہ بازار میں آنے والی عام مچھلیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، اس لئے اس طرح کی بیع کو جائز قرار دینا ضرورت میں داخل ہو گیا ہے، ورنہ مچھلی کھانا ہی حرام ہو جائے گا، اس ضرورت کے پیش نظر مچھلی کی بیع کو جائز قرار دیا

جانا چاہئے۔

سوال نمبر ۳ کا جواب:

جو حوض یا تالاب کسی شخص کی ذاتی ملکیت ہو اور وہ اس میں مچھلیاں پال کر شکار کرنے سے پہلے فروخت کرنا چاہتا ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، چونکہ مچھلی مملوک ہے جہاں تک بات غیر مقدور التسلیم اور مبیع مجہول ہونے کی تو یہ تین اس مسئلے میں انعقاد بیع کے لئے مانع نہیں ہے، جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا گیا، اور مشتری کا مچھلی کو ایک خاص مدت تک کے لئے تالاب میں بائع کی رضامندی سے رکھنا جائز ہے، جیسا کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو ایک مدت کے لئے اس پر باقی رکھنا بائع کی رضامندی سے جائز ہے، چنانچہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

"لانه لو شراها مطلقا و تركها باذن البائع طاب له الزيادة"

(درمختار ۲/ ۵۵۳)۔

(اگر پھلوں کو بلا قید ترک و قطع خریدا اور بائع کی اجازت سے اس کو چھوڑ دیا اس کے لئے زیادتی حلال ہوگی)۔

سوال نمبر ۴ کا جواب:

اگر حوض یا تالاب مچھلی پالنے ہی کے لئے تیار کیا گیا ہو تو مچھلیاں مملوک بھی جائیں گی اور اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، اور اگر وہ اس کے لئے تیار نہ کیا گیا ہو، لیکن مچھلیاں آنے کے بعد ان کی حفاظت کا انتظام کر لیا گیا تو بھی مملوک سمجھی جائیں گی اور ان کو فروخت کرنا جائز ہوگا، اگر مذکورہ دونوں باتیں نہ پائی جائیں تو مچھلیاں اس کی مملوک نہیں ہوں گی، لہذا اس کو فروخت کرنا بھی ناجائز ہوگا۔

جہاں تک اجارہ کی بات ہے تو تالاب وغیرہ کو مچھلی شکار کرنے کے لئے اجرت پر لینا، یا عین ملک کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے، چونکہ اجارہ میں اصل کے باقی رہتے ہوئے اس کے

منافع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور مذکورہ صورت میں عین شئی (اصل) کی ہی بیع ہو رہی ہے، چنانچہ "مجمع الانہر" میں ہے:

"الإجارة بيع منفعة (احتراز عن بيع عين)" (مجمع الانہر ۳/۳۶۸)۔

(اجارہ منفعت کی بیع ہے،اس میں اصل شئی کی بیع سے احتراز ہے)۔

سوال نمبر ۲ کا جواب:

راقم الحروف کی رائے تو فی زمانہ پانی میں مچھلی کی بیع کے جواز کی ہے، تاہم فیصلہ کن بیع (مقدور التسلیم) میں خلل کی وجہ سے بطلان کا ہو تو اس کی تفصیل سوال کے مطابق درج ذیل ہے۔

ماقبل میں بیان کیا گیا کہ بیع باطل میں اگر مشتری مبیع پر قبضہ بھی کر لے پھر بھی یہ قبضہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا،لہذا مبیع اس کے پاس امانت کہی جائے گی، بیع باطل کا یہ عام حکم ہے، لیکن اگر بطلان بیع غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ہو تو اسکی تفصیل اس طرح سے ہے کہ اگر مشتری اس کے بادجود شکار کر لیتا ہے تو عقد جدید کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور دوسرے شخص کے لئے اس کا علم ہوتے ہوئے خریدنا جائز نہیں ہے، چونکہ وہ (مچھلیاں) بائع کی امانت ہے، لیکن اگر شکار کرنے کے بعد دوبارہ ایجاب وقبول کر لے تو پھر معاملہ درست ہو جائے گا، اس کا فروخت کرنا، دوسرے کا اس سے خریدنا صحیح اور درست ہوگا۔

چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

"جمہور حنفیہ کی رائے جیسا کہ ظاہر الروایۃ میں ہے یہ ہے کہ اگر مبیع عقد کے وقت معجوز التسلیم ہو تو بیع منعقد نہیں ہوگی اگرچہ وہ مملوک ہو جیسا کہ پرندہ جو اپنے مالک کے ہاتھ سے اڑ جائے اور جیسے عبد آبق اور لقطہ کی بیع اور یہ بیع باطل ہوگی یہاں باطل ہوگی ہاں اگر اس وقت دونوں سابقہ عقد پر راضی ہوں تو پھر از سر نو بیع تعاطی کہی جائے گی" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۳۲۹)۔

تالاب میں مچھلی کی خرید وفروخت سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا محمد طاہر مظاہری

الف-حکومت چونکہ ندی نہروں اور تالابوں کو ملکیت سمجھتی ہے اور مچھلیوں کے لئے ہی خاص کر کے مالکانہ تصرف کرتی ہے اور یوں بھی عرف عام میں تالاب وغیرہ کا مچھلیوں کے لئے ہی خاص ہونا عام ہو چکا ہے، اس لئے بیع درست ہوگی، البتہ وہ ندی جس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو تو پھر ندی و نہر کی مچھلیاں کسی بھی صورت میں ملکیت متصور نہیں ہوں گی، اس لئے اس کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہوگی، جیسا کہ فقہ کی کتاب "بدائع، شامی" اور "بحر" وغیرہ میں مذکور ہے، ہاں ندی و نہر میں مچھلی کی بیع اس صورت میں جائز ہو سکتی ہے، جبکہ مچھلیوں کو روکنے کے لئے کوئی حیلہ اختیار کر لیا جائے، مثلاً جال وغیرہ کے ذریعہ حد بندی کر دی جائے، جیسا کہ بعض جگہوں پر اس کا رواج ہے۔

ب-جیسا کہ معلوم ہوا کہ بیع جائز ہونی چاہئے، لیکن اگر ناجائز بھی کہا جائے تو عند الاحناف ہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ کے نزدیک ناجائز ہونے کی وجہ مقدور التسلیم نہ ہونا، یا مبیع کا مجہول ہونا معلوم ہوتا ہے اور ان دو صورتوں میں عند الاحناف بیع فاسد ہوتی ہے نہ کہ باطل، جیسا کہ "بدائع" کے حوالہ سے (ومنها أن يكون المبيع معلوما وثمنه معلوما) ظاہر ہوا، اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ جب مبیع پر قبضہ ہو جائے تو ملک کا فائدہ حاصل ہوگا، چنانچہ شامی کی عبارت

ہے: "لأنه فاسد يفيد الملك بالقبض" (رد المحتار ۴/۱۰۳)، اس لئے اب مسلمانوں کو صورت حال سے واقفیت کے باوجود بھی خریدنا صحیح ہوگا۔

ج- چونکہ دور ترقی میں اب ایسے غرر کا خدشہ باقی نہیں رہا جو بیع کے نفاذ میں مؤثر ہو، اس لئے شکار سے قبل بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے، اور یہاں خود مشتری اپنے تئیں قبضہ کرنے پر رضا مند ہے اور اس سے قبل اس کی نظیر "بدائع" کے حوالے سے گذر چکی ہے (ولو جاء إنسان إلى مولى العبد) (بدائع الصنائع ۵/۱۴۷) اور وہاں بیع کو جائز قرار دیا ہے، بلکہ ابن حزم نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص غبن پر راضی ہے تو بھی بیع لازم ہو جائے گی، چنانچہ "محلی" کی عبارت ملاحظہ ہو:

"لأن الغبن لا يجوز ولا يحل إلا برضاء والمغبون و معرفته بقدر الغبن و طيب نفسه به" (المحلی ۹/۱۴)۔

د- چونکہ مذکورہ صورت میں مچھلیاں کسی کی ملک نہیں ہوتی اور غیر مملوک کی بیع باطل ہوتی ہے، ابن نجیم فرماتے ہیں:

"السمک قبل الصيد أى لم يجز بيعه لكونه باع ما لا يملكه، فيكون باطلا" (البحر الرائق ۶/۷۴)۔

(مچھلی کی بیع شکار سے قبل جائز نہیں ہے، اس لئے کہ بائع نے ایسی چیز فروخت کی ہے جس کا وہ مالک نہیں تو بیع باطل ہوگی)۔

اور رہا اجارہ تالاب کا مسئلہ تو اجارہ کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے تالاب وندی کا اجارہ پر لینا بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اجارہ کے جواز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ منفعت سے فائدہ اٹھایا جائے نہ کہ عین شی سے اور مذکورہ صورت میں مچھلیاں عین ہے نہ کہ منفعت، اس لئے اجارہ کی شرط مفقود ہو رہی ہے، علامہ محقق داماد آفندی فرماتے ہیں:

"وفي الاصطلاح هي الإجارة بيع منفعة (احتراز عن بيع عين) معلومة

جنسا وقدرا بعوض معلوم قدرا وصفة" (مجمع الانہر ۲/ ۳۶۸)۔

(اور اصطلاح میں اجارہ منفعت کی بیع کا نام ہے جو جنس اور قدر کے اعتبار سے معلوم ہو، اس عوض کے بدلہ میں جو قدر اور صفت کے اعتبار سے معلوم ہو)۔

نیز علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

"ولم تجز إجارة بركة ليصاد منها السمک ... هل تجوز إجارتها لصيد السمک منها نقل في البحر عن الإيضاح عدم جوازها" (ردالمحتار ۵/ ۹۱)۔

(اور جائز نہیں ہے تالاب کا اجارہ تاکہ اس سے مچھلی شکار کی جائے، کیا تالاب کا اجارہ مچھلی شکار کرنے کے لئے جائز ہے؟ تو "بحر" میں "ایضاح" کے حوالہ سے عدم جواز نقل کیا ہے)۔

البتہ اس حیلہ سے تالاب کو اجارہ پر لینے کے لئے جواز کی صورت نکل سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مچھلی پہلے خرید لی جائے اور اس کے بعد جب تک تالاب کی ضرورت ہو دوسرے صلقہ میں معاملہ اجارہ کرلیا جائے اور اس کی نظیر مذکورہ ذیل عبارت سے محسوس ہوتی ہے:

"والحيلة أن يأخذ الشجرة معاملة على أن له جزء اً من ألف جزء أن يشتري أصول الرطبة كالباذ نجان وأشجار البطيخ والخيار ليكون الحادث للمشتري، وفي الزرع والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم فيها الإدراک بباقي الثمن، و في الأشجار الموجود، ويحل له البائع ما يوجد"

(اور حیلہ یہ ہے کہ درخت کو اس شرط پر معاملہ پر لے کہ ہزارواں جز اس کا ہوگا، بایں طور کہ وہ سبزی کے پورے پودے کو خرید لے، جیسے بیگن، خربوزہ، اور کھیرا کا پودا، تاکہ بعد میں رونما ہونے والی چیز مشتری کی ہو، اور موجودہ کاشت اور گھاس کو تھوڑے ثمن کے عوض خرید لے، اور زمین بقیہ ثمن کے عوض اجرت پر مدت معلومہ تک کے لئے لے لے جب تک کہ کھیتی کے پک

جانے کا امکان ہو اور درختوں میں بھی موجود ہو (پھل) کو خرید لے تو اس کی صورت میں بائع کے لئے "ما یوجد" (بعد میں پیدا ہونے والا پھل) حلال ہوگا۔

اس عبارت سے علامہ حصکفیؒ نے مشتری کے لئے آسان صورت نکالی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر مچھلی خرید کر تالاب کو اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی صورت میں اجارہ درست ہونا چاہئے۔

☆☆☆

شکار سے قبل مچھلی کی بیع

مولانا محمد قمر عالم سبیلی

بیع کی مروجہ صورت باتفاق ائمہ اربعہ ناجائز ہے، خواہ ندی، نہر کی ہو یا ذاتی ملکیت کے تالاب وغیرہ کی ہو۔

مذاہب کی تفصیل: حنفیہ کے یہاں مچھلی کی بیع شکار سے پہلے جائز نہیں، اور یہ حکم ندی، نالہ، اور تالاب کیلئے عام ہے، لیکن تالاب میں مچھلی کی بیع کو چند شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تالاب ایسا ہو کہ بغیر حیلے کے ہاتھ سے مچھلی کا پکڑنا ممکن ہو تو جائز ہے، ورنہ نہیں، اور بڑے نہر میں کسی بھی طرح مچھلی کی بیع جائز نہیں، اگرچہ معاملہ طے پا جانے کے بعد سپردگی پر قادر ہو جائے، بہرحال جن صورتوں میں قبل الاصطیاد مچھلی کی بیع جائز ہے ان تمام صورتوں میں قبضہ کے بعد مشتری کو قبول اور رد کا اختیار ہوگا، پانی میں دیکھ لینا کافی نہیں ہوگا، تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاوی ہندیہ ۳؍۱۱۳، البحر الرائق ۶؍۷۳)۔

امام شافعی کا مسلک بھی اس سلسلہ میں حنفیہ ہی جیسا ہے، نہر، ندی، اور بڑے تالاب میں مچھلی کی بیع جائز نہیں، تفصیل دیکھئے: (شرح مہذب ۹؍۲۸۴)۔

حنابلہ کے یہاں بھی قبل الاصطیاد مچھلی کی بیع جائز نہیں، البتہ تین شرطوں کے ساتھ انہوں نے جائز قرار دیا ہے، یہ تینوں شرطیں ندی، نالہ اور بڑے تالاب میں مفقود ہیں، لہذا نتیجہ کے طور پر حنابلہ جمہور کے ساتھ ہیں (دیکھئے: المغنی ۴؍۱۴۳)۔

امام مالک کے یہاں بھی جمہور کی طرح شکار سے قبل مچھلی کی بیع ناجائز ہے (دیکھئے: الخر

الہدایہ ۶/۲۲۰)۔

۲- رہا یہ مسئلہ کہ اس طرح حاصل کی گئی مچھلیوں کا دوسرے لوگوں کے واسطے طور پر خریدنا جائز ہے یا نہیں، تو یہ بیع اول کے فساد و بطلان پر موقوف ہے۔

اگر بیع اول باطل ہے تو دوسرے لوگوں کے لئے خریدنا جائز نہیں اور فاسد ہے تو جائز ہے، لہذا اس کی تعیین ضروری ہے کہ بیع سمک کی مروجہ صورت باطل ہے تو دوسرے لوگوں کے لئے خریدنا جائز نہیں اور فاسد ہے تو جائز ہے، لہذا اس کی تعیین ضروری ہے کہ بیع سمک کی مروجہ صورت بیع باطل ہے یا بیع فاسد۔

فقہی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع سمک کی مروجہ صورت بیع فاسد ہے (۱) کیونکہ رکن بیع میں خلل نہیں (۲) مچھلی کی بیع اصل کے اعتبار سے مشروع ہے (۳) تمام ادیان سماویہ میں مچھلی کو مال تسلیم کیا گیا ہے، نیز یہ کہ اس طرح مچھلی کی بیع کو صاحب "بحر" نے غیر مقدور التسلیم شئی کی بیع قرار دیا ہے اور غیر مقدور التسلیم شئی کی بیع فاسد ہے "لکونہ غیر مقدور التسلیم فیکون فاسدا" اس لئے کہ یہ غیر مقدور التسلیم شئی کی بیع ہے، تو یہ بیع فاسد ہوگی (البحر الرائق ۶/۳۰)۔

۳، ۴- تیسرے سوال کا جواب پہلے سوال کے ضمن میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے (ملاحظہ فرمائیں) البتہ ایک جزئیہ باقی رہتا جاتا ہے کہ ذاتی ملکیت کے تالاب کو اجرت پر دینا جائز ہے یا نہیں "مغنی" میں ہے کہ تالاب اور جال کو کرایہ پر لینا یا مستعار لینا جائز ہے، کرایہ پر لینے کے بعد جو مچھلیاں تالاب میں داخل ہوں مستاجر ان مچھلیوں کا مالک ہوگا، چنانچہ مغنی میں ہے: "ولو استأجر البركة أو الشبكة أو استعارهما للاصطياد جاز وما حصل فيها ملكه" (المغنی ۴/۱۳۰)۔

اگر کسی نے تالاب یا جال اجرت پر یا مستعار لیا شکار کی غرض سے تو جائز ہے اور جو مچھلیاں دونوں میں حاصل ہوں مستاجر اس کا مالک ہوگا (دیکھئے: شامی ۵/۶۱)۔

خلاصہ:

دلائل کی روشنی میں اظهر من الشمس ہے کہ بیع سمک کی مروجہ صورت ناجائز ہے، فقہاء اربعہ میں سے کسی سے جواز کا قول منقول نہیں، اگر تعامل ناس یا حاجت کی وجہ سے ان صورتوں میں مچھلی کی بیع کو جائز قرار دیا جائے تو یہ قواعد فقہیہ کے خلاف بات ہوگی، اس لئے کہ اس میں غرر ہی نہیں غرر کثیر ہے اور غبن فاحش ہے اور مبیع مجہول ہے، نص صریح کے مقابل عرف پر عمل نہیں کیا جائے گا، نیز یہ کہ اگر مچھلی کی بیع قبل الاصطیاد کو جائز قرار دیا گیا تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی حدیث جسکو بعض نے موقوف کہا ہے اور بعض نے مرفوع کہا ہے بہر حال اگر موقوف بھی ہے تو یہ اثر صحابی ہے اور حنفیہ کے یہاں اثر صحابی بھی حجت ہے، اس حدیث کا بالکلیہ متروک ہونا لازم آئے گا، اور ناجائز کی صورت میں یہ بات لازم نہیں آتی، تعامل اور حاجت بھی اس قدر شدید نہیں کہ اس سے بچنا ناممکن ہو، پھر یہ کہ مچھلیوں کی رائج صورت بیع فاسد کے قبیل سے ہے اور دوسرے لوگوں کے لئے خریدنا جائز ہے اس طریقہ سے امت اس نعمت سے محروم بھی نہیں ہوتی ہے، پھر تاویلات کے ذریعہ ناجائز کو جائز قرار دینا نامناسب ہے۔

تعارف پر عمل اس وقت جائز ہے جب اس کا ٹکراؤ نص صریح سے نہ ہو اور لوگ حرج وتنگی میں پڑ جائیں، اور صورت حال اضطراری کیفیت نہ اختیار کر جائے اور ایسی کوئی صورت نہیں پائی جاتی، جائز طریقہ سے بھی مچھلیاں حاصل کی جاسکتی ہیں، خلاصہ یہ کہ مچھلیوں کی رائج صورت اصول بیع کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ بیع باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

☆☆☆

کو فروخت کر سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں حلوانی نے جواز کا فتوی دیا ہے اور بطور دلیل یہ پیش کیا ہے کہ اس میں لوگوں کے تعامل کی وجہ سے مستحسن یہی ہے کہ جواز کا فتوی دیا جائے، کیونکہ لوگوں کو انکی عادت سے نکالنے میں حرج ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: شامی ۴/۵۵۵-۵۵۶، شرح مہذب ۹/۵۹، بدائع الصنائع ۵/۱۵۶)۔

سوال نمبر ۲:

سوال نمبر ا کے تحت جو صورت بیان کی گئی ہے اگر اس کو ہم جائز مانتے ہیں تو پھر اس تالاب سے مچھلی نکال کر فروخت کرنا اور پوری صورت حال کو جانتے ہوئے اس مچھلی کا خریدنا جائز ہوگا، اور اگر ہم ناجائز مانتے ہیں تو پھر اس تالاب سے مچھلی نکال کر فروخت کرنا ناجائز ہوگا، کیونکہ پانی میں مچھلی کی بیع جو ہوتی ہے وہ بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور ملکیت کے ثبوت کے بعد اس مچھلی کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا درست ہوگا، البتہ پوری صورت حال جانتے ہوئے خریدنا مکروہ ہوگا:

''برخلاف اس چیز کے جو بیع فاسد کے طور پر خریدی گئی ہو جب اس کو فروخت کرے کسی دوسرے سے بطور بیع صحیح کے تو مشتری ثانی کو اس کے واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اگر چہ بائع کو اس کا حکم دیا گیا ہو اس لئے کہ ردکو واجب کرنے والا سبب اس کے بیع کرنے سے زائل ہوگیا، اس لئے کہ رد کا وجوب بیع کے فساد کی وجہ سے ہے اس کا حکم محدود ہے مشتری کی ملک پر اور تحقیق کہ اس کی ملک اپنے علاوہ سے بیع کرنے سے زائل ہوگئی، وہ چیز جو بطور فاسد کے خریدی گئی ہو اس کو جب مشتری اول قبضہ کرنے کے بعد فروخت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کا خریدنا مکروہ ہوگا'' (ردالمحتار ۵/ ۹۸)۔

☆☆☆

آج کے عرف کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو جو علت غرر کی تھی اور جو جہالت تھی جو کہ مفضی المنازعہ ہے، اب یہ جہالت غیر مفضی الی المنازعہ ہوگئی ہے اور جو غرر تھا وہ اب یسیر کے حکم میں ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں رہا، کیونکہ آج کے جدید دور میں ایسے آلات تیار ہوگئے ہیں کہ چند منٹ میں پورا تالاب صاف کردیتی ہے اور سرکار جس پنچائت کو دیتی ہے یا کسی خاص شخص کو دیتی ہے تو یہ لوگ ایسی دوائیں استعمال کرتے ہیں جس سے مچھلی باہر آجاتی ہے اور باسانی اس پر قبضہ ہوجاتا ہے، اور بعض بڑے تالاب والے تالاب کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے پوکھرے رکھتے ہیں، جب فروخت کرنے کا موقع آتا ہے تو پورے پانی کو پوکھروں میں چھوڑ دیتے ہیں اور پانی جانے کے راستوں میں جال ڈال دیتے ہیں جس سے مچھلی باہر نہیں جاسکتی ہے، پوری مچھلی تالاب میں رہتی ہے، اب اس کا فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، کیونکہ اگر اس میں رکھ کر بھی فروخت کرے گا تب بھی فی الفور مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ہر صورت میں بیع جائز ہوگی (دیکھئے: رد المحتار ۵/۶۱، رحمۃ الامۃ ۱/۱۷۰)۔

اور بعض تبع تابعین نے مطلقاً بڑے تالاب کی مچھلیوں کی بیع جائز قرار دیا ہے ان میں عمر ابن عبد العزیزؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ ہیں، چنانچہ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے:

"فان عمر بن عبد العزيز، وابن أبي ليلى أنهما أجاز بيع السمك في بركة عظيمة" (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ۱/۱۷۰، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۶/۴۰۹)۔

۲- آجکل بازار میں خرید و فروخت کی چیز حرام و حلال سے ملی ہوئی ہیں، اس لئے ایسے بازاروں کے بیع و شراء کا حکم یہ ہے کہ اگر حرام غالب ہو تو اس سے بچنا چاہئے، لیکن اگر خریدے تو وہ چیز حلال و حرام اسطرح مل جائے کہ کوئی پہلو راجح معلوم نہ ہو، تو پھر وہاں سے خریدنا درست ہے، ہاں اگر معین طریقے سے معلوم ہوجائے کہ فلاں چیز حرام ہے تو پھر خریدنا درست نہیں ہے، اور ایسے ہی مچھلی کے بارے میں۔

۳- اگر کسی کا ذاتی تالاب ہو جس میں مچھلیوں کی نشو و نما کرتا ہو تو وہ مچھلیاں اس کی مملوک

ہوں گی، کیونکہ آج کل کے عرف میں ذاتی تالاب جس کے پاس ہوتا ہے اس کے پاس بڑے جال ہوتے ہیں جو کہ پورے تالاب کو گھیرے ہوئے رہتے ہیں جب چاہے مچھلی پکڑنے کے لیے جال ڈالا جاتا ہے اور پوری مچھلی اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے، تو ایسی صورت میں مچھلیوں کے پانی میں رہتے ہوئے فروخت کرنا جائز ہے۔ چنانچہ ابن ہمام نے لکھا ہے

''تو اگر مچھلی کے لئے ہی تیار کیا ہے تو جو اس میں داخل ہو جائے گی وہ اس کا مالک ہوگا اور کسی کے لئے یہ حق نہیں کہ اس سے مچھلی پکڑے، پھر دیکھا جائے کہ اگر بغیر حیلہ کے پکڑ سکتے ہیں تو بیع جائز ہے، کیونکہ مملوک مقدور التسلیم ہے، جیسے کہ چھوٹے کنویں میں مچھلی رکھی ہوئی ہے'' (دیکھئے: فتح القدیر ۶/۲۰۹)۔

۳- تالاب خواہ اپنی زمین میں واقع ہو یا کرائے کا تالاب ہو، لیکن اس میں مچھلی بارش کی وجہ سے آگئی ہو تو مالک تالاب کا اس کے آنے میں کوئی دخل نہ ہو تو مالک تالاب کا اس میں مچھلی کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا، ورنہ اس کا اجارے پر دینا جائز ہوگا، البتہ وہ خود اس سے مچھلی پکڑ کر کھا سکتا ہے اور دوسرا کوئی مچھلی پکڑے تو روک نہیں سکتا، چنانچہ شامی میں ہے:

''مگر جبکہ مچھلی خود اس میں جمع ہوگئی ہوں اور مچھلیوں کے داخل ہونے کی جگہ کو بند نہ کیا ہو تو ملکیت کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی اور ایسے تالاب کا اجارہ پر دینا جائز نہ ہوگا کہ اس سے مچھلی کا شکار کیا جائے، نہر میں ہے:

جان لو کہ مصر میں چھوٹے تالاب جیسا کہ قہارہ کا تالاب جس میں مچھلی جمع ہوتی ہے، کیا اس کا اجارے پر دینا جائز ہوگا تاکہ شکار کرے یا اس سے مچھلی حاصل کرسکے تو بحر میں اس کا عدم جواز نقل کیا گیا ہے'' (شامی ۵/۶۱-۶۲، بحر رائق ۵/۹۶)۔

☆☆☆

مشتری کے قبضہ کر لینے کے باوجود ملکیت ثابت نہیں ہوتی اور نہ مشتری کے تصرفات ہبہ وبیع نافذ ہوں گے اور خریدار کے لئے کھانا بھی جائز نہیں ہے، کسی مسلمان شخص کا پوری صورت حال جانتے ہوئے ایسی مچھلی کو خریدنا جائز ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ردالمحتار علی ہامش ردالمحتار ۳؍۱۹۹، رد المحتار ۳؍۱۹۹، فتاویٰ مہدیہ ۲؍۲۷، ۲۸، بیع باطل (فصل عدم ملک مشتری بیع)، فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ ۲؍۱۱۸، بحر الرائق ۵؍۷۸، فتاویٰ محمودیہ ۱۲؍۱۶۴، بیع باطل ۱۲؍۲۰۰۳)۔

مچھلی کی پرورش کے لئے اگر تالاب بنایا گیا ہو، پھر بیرونی مچھلیاں اس تالاب میں آگئی ہوں تو اس کے بعد آنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہو تو وہ مچھلیاں مملوک ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: مذکورہ حوالہ جات)۔

بیع فاسد کو ختم کرنا واجب ہے لیکن اگر بائع کی اذن سے خریدار نے قبضہ کر لیا تو مالک ہو جائے گا۔ پھر مشتری کے تصرفات ہبہ وغیرہ مچھلی میں نافذ ہو جائیں گے اور دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دینا بھی مشتری کے لئے جائز ہے مگر بیع فاسد کی صورت میں مشتری کے لئے خریدی ہوئی مچھلی کا کھانا درست نہیں (دیکھئے: البحر الرائق ۶؍۹۹، ہدایہ آخرین ۳؍۴۶-۴۷، رد المحتار علی ہامش الدر المختار ۴؍۱۰۸، الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۴؍۱۰۹) تاہم علم کے بعد ایسی مچھلی خریدنے سے بھی احتیاط کرنا چاہئے (فتاویٰ محمودیہ ۱۲؍۱۹)۔

۳- ایسے تالاب یا حوض کی مچھلیوں کو شکار کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا ناجائز ہے، اور بیع فاسد ہے۔

۴- اگر حوض یا تالاب کسی کی ذاتی ملکیت ہو یا حکومت کی ملکیت ہو اس میں جو مچھلیاں پالے بغیر پرورش یا سیلاب کی وجہ سے از خود آگئی ہوں انہیں تالاب سے نکالنے کے بعد کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

☆☆☆

مچھلی کی بیع وشراء کے بعض مسائل

مولانا اختر قاسمی☆

۱- دور جدید کے بدلتے ہوئے احکام میں مچھلی کے معاملے میں توسع سے کام لینا چاہئے، اس لئے سرکاری تالاب وغیرہ کی خرید وفروخت مچھلیوں کی جنس میں سے بعض کا تعین کرکے کی جاسکتی ہے، اس صورت میں بیع چیز مجہول اور غیر مقدور التسلیم ہونے سے نکل کر معلوم اور مقدور التسلیم کے حیز میں آئے گی، تالاب کی بعض مچھلیوں کا یقین کرکے تعین چاہے، قیمت میں فروخت کرسکتا ہے، اگر آیہ چیسہ کی چیز سو روپے میں فروخت کردے تو اس کی بھی اجازت ہے، بشرطیکہ خریدار سے کسی طرح کا دھوکہ نہ کرے، بلکہ صاف کہہ دے کہ میں اتنے میں فروخت کروں گا، تو یہ صفائی معاملات۔

۲- ٹھیکہ دار کا مچھلی کی خرید وفروخت کرنا بیع فاسد ہے اور کسی دوسرے مسلمان کے لئے خریدنا جائز رہے گا، ضابطہ یہ ہے کہ جو شی بالاصالہ حلال ہو اس میں کسی عارض کی وجہ سے کراہت آجائے تو وہ دوسرے کے لئے بلا کراہت صحیح ہو جائے گی، جیسا کہ تمام بیوع فاسدہ کا حکم ہے۔

۳- حوض یا نجی تالاب میں مچھلی کا تعین کئے بغیر اور شکار کئے بغیر بیچنا جائز نہ ہوگا، اگر اس حوض یا تالاب کو ایک مدت تک کے لئے کرایہ پر دے دے اور اس سے جو فوائد ہو سکتے ہوں، وہ خاص مچھلیوں کے ڈالنے کا ہو یا دوسرے میں استعمال کرے، ایسی صورت میں یہ امور جائز ہو جائیں گے۔

☆ مدرسہ ... مظفر نگر۔

۴- جو مچھلی پالے بغیر خود آتی ہیں اگر وہ حوض یا تالاب ذاتی ہے تو ان مچھلیوں کا وہ شخص مالک متصور ہوگا اور اگر عمومی ہے تو اس ندی نالے میں سے اگر کچھ حصہ باندھ لگا کر الگ کر لیا گیا ہو اور اس کو شکار پکڑنے کے لئے روک لیا گیا ہو تو روکنے والا ان مچھلیوں کا مالک متصور ہوگا لیکن فروخت کرنا پکڑنے کے بعد ہی جائز ہوگا۔

☆☆☆

مناقشہ:

مچھلی کی خرید وفروخت

ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ زحیلی:

اس مسئلہ میں فقہاء اور مجتہدین کی آراء میں فقہی اور اجتہادی اختلاف مندرجہ ذیل امور میں منحصر ہے:

۱- نبی کریم ﷺ نے ان تمام معاملات کو غرر کے زمرے میں شامل فرمایا جن میں مبیع کی سپردگی فوری طور سے انسان کی قدرت میں نہ ہو، مثلاً ہوا میں پرواز کرتے ہوئے پرندے، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیاں اور بھاگے ہوئے غلام، اس سلسلہ میں دو روایتیں نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، ایک روایت: "نهى عن بيع الغرر" ہے اور دوسری روایت میں ہے: "نهى عن الغرر" اور غرر ایسی چیز کی خرید وفروخت کا نام ہے جس کا وجود اور عدم دونوں محتمل ہو، یعنی اس کا مشتری کے سپرد نہ کیا جانا مشکوک ہو، جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ محتمل بیع، بیع غرر ہے، اور بیع غرر ممنوع ہے تو ہمیں اس نتیجہ تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں کہ مچھلی کی خرید وفروخت کا یہ معاملہ شرعاً ممنوع قرار پائے گا اور اس ممانعت کی چاہے جو بھی شکل ہو، فاسد کہیں اسے آپ یا باطل، جیسا کہ ہمارے بعض شرکاء نے باطل اور فاسد کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے، لیکن راجح بات یہی ہے کہ صرف غرر کسی معاملہ کے وجود پذیر ہونے میں مخل نہیں ہے، بلکہ شرائط انعقاد بیع کے بعض شرائط کے پائے جانے میں مخل ہے، مثلاً معدوم کی بیع، اسی طرح اس چیز کی بیع جس کی سپردگی پر مشتری قادر نہ ہو، اور یہی دراصل بیع کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے، بعض

حنفیہ نے اس معاملہ کے فاسد ہونے کی بات کہی ہے، جبکہ اکثر حنفیہ کے بقول اس طرح کا بیع معاملہ سرے سے باطل ہے جس میں غرر پایا جائے، اور یہی باطل ہونے کی بات دوسرے دبستان فقہ کے علماء نے کہی ہے، چنانچہ امام نووی کہتے ہیں: "النهي عن الغرر أصل من أصول الشريع"۔

اب جبکہ ہم نے اس ترتیبی اصول وقواعد کی وضاحت آپ کے سامنے کردی تو اب ہمارے لئے زیادہ آسان ہے کہ "پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت" کی تفصیلات آپ کے سامنے رکھوں، چنانچہ علماء حنفیہ ودیگر علماء کے درمیان اس بارے میں اتفاق ہے کہ اگر مچھلی کسی بڑے نہر یا دریا میں ہو تو یہاں غرر کثیر اور غرر فاحش پایا جاتا ہے اور اس صورت میں اگر کوئی شخص بغیر شکار کئے ہوئے ان مچھلیوں کو فروخت کرتا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خرید وفروخت بیع باطل کے قبیل سے ہے اور باطل ہے، اور اس کے بطلان کے لئے صرف اجتہادات اور عرف ورواج یا عدم جواز اور اباحت اصلیہ (اشیاء میں اباحت ہے) وغیرہ ہی کے اصول نہیں ہیں، بلکہ اس بیع کی ممانعت پر صریح نص موجود ہے، اور یہ مشاہدہ بھی ہے اور آپ دیکھتے ہوں گے کہ کبھی کبھی بہت سے ماہی گیر سمندر کے کنارے جال ادھکانے کے لئے گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں اور خالی ہاتھ لوٹتے ہیں پانی میں رہتے ہوئے اور بغیر شکار کئے مچھلیوں کی بیع میں اس سے بڑا اور کیا غرر ہوگا، اس لئے یہ عرف اور مشاہدہ تو عام ہے کہ اگر نہر یں بڑی ہوں اور اس میں پانی زیادہ ہو یا سمندر ہو یا اس قسم کے دوسرے جھیل تو اس میں غرر کثیر پایا جاتا ہے۔

البتہ اگر مچھلیاں کسی حوض یا چھوٹے تالاب میں ہوں، یا جہاں پانی بہت کم ہو اور مچھلیوں کو پکڑنا آسان ہو اور حسب حوض وتالاب کی مملوک ہوں، نیز اسے روکے رکھنے کا اہتمام کیا ہو جیسے کسی پرندے کو شکار کرنے کے لئے کوئی جال لگا دیا ہو، اور اس میں آکر پرندے پھنس گئے ہوں تو یہ اس کے مملوک ہیں اور ان کو فروخت کرنا اس کے لئے حلال ہے۔ اسی طرح ان مچھلیوں کو فروخت کرنا بھی مملوک ہونے کی وجہ سے حلال ہے۔

دوسرا مسئلہ تالاب یا حوض کے چھوٹے ہونے میں شکار پر قدرت کا، تو اس میں بھی فرد
بے غبار اور تفصیل درست ہے جو صورت میں تجزیہ کیا جاتا ہے، کیونکہ اس صاحبِ تالاب اور شکار
کرنے والے نے مچھلی کو روکنے کے لئے جو تدبیریں کی ہیں اور اسے روکنے کا اہتمام کیا ہے
اس سے وہ مچھلیاں مقید بھی ہو گئی ہیں، اور مملوک بھی اور ان کا شکار کرنا بھی اس طرح کے تالاب
اور حوض میں کوئی مشکل نہیں ہے اور غرر بھی یسیر ہے، اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر غرر یسیر ہو تو
اس کی خرید و فروخت درست اور مباح ہے۔

تیسرا مسئلہ اس میں سرکاری ندی، نالوں اور عوامی تالابوں کی مچھلیاں پکڑنے کے ٹھیکہ کا
ہے، اس میں بھی وہی حکم ہے کہ اگر حوض، تالاب اور جھیل چھوٹی ہو تو اس کا اجارہ اور ٹھیکہ درست
ہے، اور اگر بڑے تالاب، نہریں اور سمندر ہوں اور پانی زیادہ ہو جس میں مچھلیوں کو ایک حد میں
روکے رکھنا ممکن نہ ہو تو اس طرح کا اجارہ فاسد ہوگا، اسی طرح حنفیہ سمندر اور ندی نالوں کے اجارہ
اور ٹھیکہ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ استہلاک عین لازم آتا ہے، اس لئے اس
طرح کا ٹھیکہ درست نہیں، مجھے بھی کسی کا قول معلوم نہیں جس میں اس صورت کے جواز کی بات
کہی گئی ہو، لیکن حنابلہ کے یہاں یہ بات ملتی ہے کہ اگر تالاب، جھیل یا حوض ہو تو اس کے اجارہ
اور ٹھیکہ کا معاملہ درست ہے، اسی بنیاد پر میرا بھی رجحان ہے کہ اگر کسی تالاب، حوض وغیرہ کے
اجارہ اور ٹھیکہ کے لئے مخصوص سالانہ رقم مقرر کر دی جائے جس میں مچھلیاں رک جاتی ہیں تو
مچھلیوں کے پکڑنے کا یہ ٹھیکہ جائز ہونا چاہئے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اور یہاں اس عین
کے استہلاک کا قصد کیا جا رہا ہے، بلکہ اس میں بھی دیگر اجارے کے معاملہ کی طرح تالاب کے
منافع سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے جو اس تالاب میں ہیں اور وہ عین نہیں ہے، بلکہ منفعت ہے، اس
لئے فقہاء حنابلہ نے اس طرح کے ٹھیکہ کی اجازت دی ہے، البتہ اس کی خرید و فروخت کا جہاں
تک تعلق ہے تو اسی تفصیل کے مطابق ہوگا اور اسی پر عمل واجب ہے، جیسا کہ میں نے پہلے
عرض کیا، جزاکم اللہ خیراً الجزاء۔

اس میں گھاس اور درخت لگا سکتا ہوں ہمارے فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ وہ گھاس ان کی مملوک ہوگئی اور وہ لکڑیاں اس کی مملوک ہیں تو مچھلیوں کا بھی میرے خیال میں یہ اجارہ ہے اس کو بیع کہنا میرے خیال میں ٹھیک نہیں ہے، اور چنانچہ ان کا عنوان یہی ہے کہ وہ ٹھیکہ پر لیتے ہیں اور اجارہ میں مدت معینہ تک اس میں مچھلیاں بھی پال سکتے ہیں، اس لئے یہ سوالات کہ یہ غرر ہے، یہ مجہول ہے یا غیر مقدور التسلیم ہے، اس کا سوال ہی ختم ہو گیا وہ تو ٹھیکہ پر لے رکھا ہے، کرایہ پر زمین لے رکھی ہے مچھلیاں پالنے کے لئے، اس لئے یہ جائز ہے اب وہ چاہے بعد میں خود پکڑ کر کے بیچے یا کسی کے، یہ تو بعد کی بات ہے یہ چند باتیں میں نے عرض کر دی ہے۔

مولانا مسعود عالم قاسمی:

یہ ندی نالے اور مچھلیوں سے متعلق جو مسئلہ زیر بحث ہے اس سلسلے میں ہمارے پاس ایک نص قطعی موجود ہے اور وہ نص قطعی جو ہمارے مختلف حضرات نے کوڈ بھی کیا ہے کہ پانی میں مچھلی کو نہ خریدو یہ بیع غرر ہے، نص قطعی کے موجود ہوتے ہوئے اس میں کسی اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ندی نالے یا سمندر جہاں پر پانیوں کی آمدورفت ایسی ہو جہاں کوئی حد بندی نہ کی جا سکتی ہو وہاں مچھلی کو بیچنا فی الحقیقت ایک ایسی چیز کو بیچنا ہے کہ جس پر آدمی قبضہ نہیں دے سکتا اور جو مقدور التسلیم نہیں ہے اور جو ملکیت میں بھی نہیں ہے تو اس لئے وہ حضرات جن لوگوں نے عرف کو بنیاد بنا کر اس کو بھی جائز قرار دیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ نص کے مخالف ہے اور اس پر نظر ثانی ضرور کرنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دوسرا مسئلہ کہ جو تالاب یا حوض یا اس طرح کے جو چھوٹے گڑھے بنا لیتے ہیں لوگ، ان میں مچھلیوں کی آمدورفت ایسی نہیں ہوتی جس وقت آپ چاہیں مچھلیوں کا حجم ناپ سکتے ہیں، مچھلیوں کا سائز ناپ سکتے ہیں، مچھلیوں کی تعداد ناپ سکتے ہیں، یہاں تک کہ تالاب کے سائز کے جال اور دوسرے ایسے آلات موجود ہیں کہ جن سے ان کو آپ حاصل کر سکتے ہیں تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ اس میں غرر کا اندیشہ گویا بالکل نہ کے

برابر ہے صرف لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں، لیکن بیندی تالے کی مچھلیاں آج بھی اسی طریقے سے فروخت ہوتی ہیں، جس طریقہ سے اس زمانے میں تھے،

دوسری بات یہ مجھے عرض کرنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مچھلیوں کا جو عام رواج تھا یہ ہماری طرح مچھلی پالن کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ اس زمانے میں جو سمندر کی مچھلیاں تھیں وہ ہی ہوتی تھیں، ہمارے زمانے میں مچھلی پالنا جیسا کہ آپ نے بھی فرمایا اور دوسرے لوگوں کے یہاں بھی مقالات میں شامل ہے یہ کاشتکاری کی طرح مستقل ایک پیشہ ہے، ایک فن ہے، وہ سارے لوازمات موجود ہیں، اس لئے جس طرح ہم کاشتکاری پر جب غور کرتے ہیں اسی طرح ہم اس پر غور کرتے ہیں، اس میں غرر نہ ہونے کی وجہ سے ہم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، مجھے ایک بات جو پہلے کہنی تھی اب کہہ رہا ہوں وہ عرض مسئلہ پر مجھے مولانا شاہین جمالی صاحب سے یہ گزارش کرنی ہے کہ آپ کی ساری باتیں مجھے تسلیم ہیں اتفاق کرتا ہوں لیکن جب عرض مسئلہ پیش کیا جائے تو جو علماء کی آراء ہیں ان کو اسی طرح پیش کیجئے جب مناقشہ ہو تو اس پر جو بھی تبصرے فرمائیں، اس سے نقصان یہ ہوگا کہ وہ علماء جنہوں نے محنت کرکے اپنی رائے قائم کی ہے ان کی حوصلہ شکنی ہوگی اور پھر جلدی سے مسئلہ کا جواب دینے کی ہمت نہیں کریں گے تو ذرا سا اس میں ٹون بدل دیجئے تو اچھا ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی:

تالاب اور نہر کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ اس کو زمین کے مخصوص حصہ کا اجارہ قرار دیا جائے بیع قرار نہ دیا جائے اور چونکہ مخصوص حصہ کا اجارہ ہوتا ہے جس میں منفعت جس کو آپ حق شکار سے تعبیر کرسکتے ہیں، یہاں پر متعین ہے، اس لئے اس اجارہ کے جواز میں کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، ہم اگر استہلاک عین کی بنیاد پر اس اجارہ کے جواز کی بات کرتے تو وہاں پر یہ اشکال ہوسکتا تھا، اس سلسلے میں خود ہمارے یہاں فقہاء کی کتابوں میں بعض عبارتیں

ایسی ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض چیزوں کے سلسلہ میں صراحت ہے کہ مچھلی پالنے کے لئے اجارہ پر لیا جا سکتا ہے "مغنی" میں یہ عبارت ہے: "لو استاجر البركة أو الشبكة أو استعارهما للاصطياد جاز وما حصل فيه ما ملكه"۔ اس عبارت سے صراحۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مچھلی پالنے کے لئے بھی تالاب اور حوض کو اجارہ پر لیا جا سکتا ہے، یعنی اصلاً حنفیہ مچھلی کی خاطر نہر یا تالاب کے اجارہ اور گھاس کے لئے چراگاہ کے اجارہ کو تو جائز قرار نہیں دیتے، البتہ اس کے لئے صرف زمین اجارہ پر لی جا سکتی ہے اور اجارہ پر لینے کے بعد جب زمین پر اسے حق انتفاع حاصل ہو گیا تو اب اس میں مچھلی کی کاشت کرے یا کسی طرح سے اس سے انتفاع حاصل کرے اسے یہ حق حاصل ہوگا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

یہ جو مسئلہ چل رہا ہے مچھلیوں کی بیع کا یا ٹھیکہ پر دینے کا اور اس سلسلے میں جو روایت پیش کی جارہی ہے ایک تو بیع غرر سے منع کرنے کی روایت ہے، ایک عام روایت ہے اور اس کے ذیل میں گویا "بیع السمک" بھی آئی، تو ایک روایت وہ ہے جو خاص طریقے سے بیع السمک فی الماء کے بارے میں ممانعت کے تعلق سے وارد ہوئی ہے۔ یہ روایت اکثر محدثین کے یہاں تو موقوفاً ہے ایک صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جو مچھلی پانی کے اندر ہے اسے نہ خریدو، اس لئے کہ وہ غرر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے یا غرر سے منع فرمایا ہے، تو اگر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہوا کہ انہوں نے یہ بات فرمائی ہے تو پھر تو یہ قول صحابی ہوا اور انہوں نے گویا جو بات فرمائی ہے اس کی علت بھی واضح فرمادی کہ "فإنه غرر" تو پھر غرر کی احادیث کے بارے میں جو روئیہ ہمارے محدثین اور فقہاء کا رہا ہے وہ یہاں پر پیدا ہوگا اور اس پر بحث ہوگی کہ غرر کس درجہ کا قابل معافی نہیں ہے اور کون سا غرر معفو عنہ ہے، لیکن یہی روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی وارد ہے،

بعض طرق میں۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ کیا اس روایت کا وقف صحیح ہے یا رفع صحیح ہے، ایک تو رجحان یہ ہوتا ہے کہ اگر اس روایت کے راوی مرفوع روایت کے راوی اس درجے کے ہیں کہ حسن بھی روایت قرار پاتی ہو، یا یہ کہ اس کی روایت کو رفع بھی ثابت ہوگا، وقف بھی ثابت ہوگا تو رفع پر محمول کیا جائے گا، بعض حضرات نے تو یہ رویہ اختیار کیا ہے، اور بعض حضرات کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے دونوں روایتوں میں موازنہ کیا ہے، اور چونکہ جو روایت موقوف ہے وہ زیادہ قوی ہے اپنے راویوں کے اعتبار سے اور تعداد کے اعتبار سے، اس لئے اس کو راجح قرار دیا ہے، اصح قرار دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں اصل کو یا موقوف ہونے کو اصح قرار دیا ہے اور مرفوع ہونے کو مرجوح قرار دیا ہے۔ مجھے کہنا یہ ہے یہاں پر کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً بیع السمک فی الماء سے منع فرمایا ہے تو یہ تو خاص اسی مسئلہ کے بارے میں حدیث وارد ہوئی اور جب کسی خاص مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے تو اس میں گویا اجتہاد اور تخصیص کی گنجائش ہے ہی نہیں، بیع السمک فی الماء کو اگر ہم مرفوع مانتے ہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہونا چاہیے کہ جو مچھلی پانی کے اندر ہے چاہے وہ مقدور التسلیم ہو یا نہ ہو، حوض چھوٹا ہو کسی برتن میں پانی کی ہے وہاں مچھلی رکھی ہوئی ہے تب بھی اس کی بیع جائز نہیں ہونی چاہیے، لیکن چونکہ علت کی صراحت حدیث میں موجود ہے کہ غرر کی بنیاد پر اس کی ممانعت ہے، تو غرر کی جس درجہ گنجائش ہے شریعت میں جس غرر کے باوجود عقد درست قرار دیئے جاتے ہیں اگر اس درجہ کا غرر ہے اس صورت حال میں جس پر ہم بحث کر رہے ہیں تب تو اس بیع کو درست ہونا چاہیے، اور جو غرر قابل معافی نہیں ہے جس کو شریعت نے منع کیا ہے اور اس کی گنجائش نہیں ہے، غرر کثیر ہے اس کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، تو میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اس نقطۂ نگاہ سے اگر ہم اس مسئلہ پر غور کریں کہ یہ صورت حال کیسی ہے کہ مچھلی کی بیع ہو رہی ہے۔ سمندر کی مچھلی ہو یا تالاب کی مچھلی ہو تو ظاہر بات ہے کہ سمندر کی مچھلی میں اور تالاب کی مچھلی میں غرر تو ہے ہی، چاہے جتنے بھی آلات ترقی یافتہ ہو گئے ہوں۔

لیکن ابھی تک میں سمجھتا ہوں کہ سمندر کی مچھلی کی جو بیع ہوتی ہے، خاص علاقے تک یا دریا کی مچھلی اگر بڑا دریا ہے تو اس میں غرر کی وہ شکل تو پائی جاتی ہے جس کو ہم غرر کثیر کہیں، اس لئے وہ تو ممنوع ہوگا، لیکن دوسرا پہلو جو غور کرنے کا ہے وہ یہ کہ یہ مسئلہ اصل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید مچھلی کی بیع کا نہیں بلکہ مسئلہ حق اصطیاد کا ہے، خاص طور سے ندی نالے میں جو صورت حال ہو رہی ہے۔ ایک تو تالاب کی بات ہوئی۔ تالاب میں تو عام طریقہ سے گویا مچھلی کی ہی بیع ہوتی ہے اس میں بھی شکلیں مختلف پیدا ہوں گی۔

لیکن ندیوں میں بڑی ندیوں میں اور سمندر میں جو معاملات ہو رہے ہیں حکومت کی طرف سے اس میں ایسا معلوم ہوتا ہے جو صورت حال چل رہی ہے کہ یہاں مچھلی کی بیع نہیں ہو رہی ہے بلکہ حق اصطیاد کی بیع ہو رہی ہے، شکار کے حق کی بیع ہو رہی ہے اور صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ایک سال کے لئے آپ نے ٹھیکہ پر لیا ہے ایک خاص حصہ ہے ندی کا یا سمندر کا اس میں اگر آپ نے سال بھر مچھلی کچھ بھی نہ نکالی، ایک کلو مچھلی بھی آپ نہیں نکال سکے آپ گئے ہی نہیں شکار کرنے کے لئے تب بھی آپ کو وہ جو ٹھیکہ پر طے ہوا معاوضہ وہ ادا کرنا ہوتا ہے اور یہ صورت حال وہی ہے جیسے ندیوں میں جو ریت ہوتا ہے، یا ندیوں میں جو اور چیزیں نکلتی ہیں ان کا بھی ٹھیکہ ہوتا ہے، یہاں سے وہاں تک ریت نکالنے کا ٹھیکہ فلاں کو دیا جارہا ہے اور فلاں جگہ تک نکالنے کا ٹھیکہ فلاں کو دیا جارہا ہے، یہاں پر گویا حق کا ہی معاملہ ہو رہا ہے تو گویا ہمیں غور یہ کرنا ہے کہ یہ جو حق کی بیع ہو رہی ہے حق اصطیاد کی یا اور اس کو آگے کر لیجیے اور مسائل میں بھی، تو یہ حق کی کونسی قسم ہوتی ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو مچھلی یا چھوٹے تالابوں کی مچھلی کا مسئلہ ہے تو شاید ہم کسی حد تک اس میں اتفاق رائے کر سکیں، لیکن جو دوسرا مسئلہ ہے بہت ہی وسیع الاطراف، اس میں دراصل حق کی بیع ہو رہی ہے اور آج کل اس بیع کی ہزاروں شکلیں پائی جارہی ہیں، اجارہ ہے یا حق کی بیع ہے اور یہ حق کونسی قسم کا حق ہے، قابل بیع ہے یا قابل بیع نہیں ہے؟ ان سارے پہلوؤں پر غور کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، تب ہی ہم کوئی آخری بات اس میں کہہ سکتے ہیں۔

مولانا شمس احمد ندوی:

حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف حدیث معنوی طور پر مرفوع ہے، کسی بھی صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول نہیں منقول ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مرفوعاً بھی وہ حسن کے درجہ کی حدیث ہے، اس لئے موقوف و مرفوع اور اجماع صحابہ سے یہ مسئلہ منصوص طور پر ثابت ہے اور یہ نص قاطع نص مطلق ہے، نہ کسی سرکار، حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تالاب، سمندر یا کسی جگہ کی مچھلی فروخت کرے، نہ غیر سرکار کو حاصل ہے، نہ شخصی ملکیت کہ حوض والی مچھلی تالاب والی مچھلی نہ غیر شخصی ملکیت کہ جب مطلقاً ممانعت ہے پانی کی مچھلی کی فروخت سے تو یہ ممانعت مطلق رہے گی، وہ مسئلہ دوسرا ہے کہ حق شکار کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے یا نہیں ہو سکتی ہے، یہ تو دوسرا مسئلہ ہے، لیکن مچھلی پانی کے اندر بیچی جا سکے، اس کے لئے تو یہ نص قاطع اور اجماع سے بھی ثابت ہے، اس لئے اس میں کسی قسم کے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے غرر ہے یا نہیں ہے اور کم ہے غرر یا زیادہ ہے، اور کیا ہے، نہ حکومت کو یہ ملکیت حاصل ہے کہ مچھلی بیچ دے اور نہ کسی شخص اور فرد کو یہ ملکیت حاصل ہے کہ بیچ دے، یہ دوسری بات ہے کہ شکار کر لینے کے بعد اس کو ہر شخص بیچ سکتا ہے، ہر شخص خرید سکتا ہے یہ مسئلہ الگ ہے، یہی بات میرے خیال سے مولانا مجاہد الاسلام صاحب کی بات سے مترشح ہو رہی ہے، میں جہاں تک سمجھا ہوں اور معاملہ یہی ہے کہ جب نص قاطع موجود ہے تو ہم کو کسی قسم کے اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے کسی فرد بشر کو، حکومت ہو، کوئی امام ہو، کسی قسم کا کوئی مولوی فقیہ، مفتی کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے، ویسے اپنی اپنی رائے زنی جو بھی کرے اس طرح سے بولنے کا اختیار تو سب کو ہے، لیکن شرعی طور پر کسی کو بولنے کا اختیار نہیں ہے

مولانا اختر امام عادل:

قاضی صاحب نے ایک سوال اٹھایا تھا کہ معقود علیہ کیا ہے اس میں؟ اجارۂ مچھلی ہے یا اجارۂ حق شکار۔ ہے تو اگر فقہاء کی اس عبارت کو اپنے سامنے رکھیں جو کئی کتابوں میں آئی ہے اس

سے روشنی ملتی ہے اس پر کہ اگر کوئی آدمی نہر کو اجارہ پر لیتا ہے یہ کہہ کر کہ اس سے میں مچھلی کا شکار کروں گا، اگر یہ کہہ کر اجارہ پر لیتا ہے کہ میں مچھلی کا شکار کروں گا تو اس میں اجارہ معقود علیہ مچھلی کو قرار دیا ہے، جیسا کہ عبارت سے سمجھ میں آتا ہے: "ولو استاجر حوضاً او بركة يسقى منه ماء لايجوز، لأن هذا استيجار الماء وكذا لو استاجر نهراً ليصيد منه السمك، لأن هذا استيجاره السمك" تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی آدمی نہر کا اجارہ لے یہ کہہ کر: "ليصيد منه السمك" کہ مچھلی کا شکار کریگا تو اس میں معقود علیہ مچھلی بنتی ہے اور یہ جائز نہیں ہوگا، یہ (بدائع الصنائع جلد ۶، صفحہ نمبر ۱۸۹، شامی جلد ۵، ۹۰۵، اور طحطاوی علی الدر المختار جلد ۴، ۷ ۱۶) تین کتابوں سے یہ ماخوذ ہے۔

مولانا نعمت اللہ (جامعہ رحمانی مونگیر):

اس کو عام رہنے دیا جائے اسی طرح پانی کے سلسلہ میں جو بڑے تالاب اور بڑی بڑی ندیاں ہیں نہریں ہیں اس سلسلہ میں بھی اپنی رائے یہی ہے اور خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں مباح ہیں پانی اور گھاس اور آگ ان کی اباحت عامہ کا بھی تقاضا یہ ہے کہ بڑے تلاب اور بڑے بڑے نہر اور ندیاں جو ہیں وہ مباح الاصل ہوں اور اس پانی کا اجارہ یا اس زمین کا اجارہ یا اس میں موجود مچھلیوں کا اجارہ یا استیاد وغیرہ کے سلسلہ میں جو کچھ بھی معاملات طے کرتے ہیں باہم فریقین، وہ بالکل کالعدم ہونا چاہئے وہ حکومت ہو یا ٹھیکہ دار رہا اب جس شخص نے بھی مچھلیاں شکار کرلیں اس کی ملکیت ہوگئیں، اب بازار میں وہ مچھلیاں آتی ہیں تو بازار میں خریدنے والے لوگوں کے لئے ان کا خریدنا اور ان کا اپنے استعمال میں لانا بالکل جائز ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ آبادیوں میں جو تالاب اور حوض ہیں اور وہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہے جس کو سرکاری تالاب سے ہم لوگ تعبیر کرتے ہیں اس سلسلے میں ہم نے یہ پڑھا ہے

کتب فقہ میں کہ آبادی کے آس پاس جو زمینیں اس آبادی میں بسنے والے جتنے لوگ ہیں ان کے مفاد کے لئے وہ زمینیں ہوتی ہیں اور اس میں اس طرح عمل اور دخل کہ وہ کسی شخص کے لئے مخصوص کردے یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس تالاب کو جو آبادی کے اندر ہے یا اس حوض کو جو آبادی کے اندر ہے حکومت سے اگر ٹھیکہ کا معاملہ کر لیتا ہے تو اس کا ٹھیکہ کا معاملہ کرنا صحیح نہیں ہوگا، وہ مباح الاصل ہے جس شخص نے اس تالاب سے مچھلی شکار کرلیا اس کی ملکیت ثابت ہوگئی، اور اس نے بازار میں اگر فروخت کردیا تو خریدنے والے کے لئے اس کا خریدنا اس کا استعمال میں لانا بالکل جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ نجی تالاب کا ہے، اس سلسلہ میں اپنی ذاتی رائے یہ ہے کہ مچھلیاں ڈالی گئیں تو مچھلیاں مملوک ہیں، اب اگر تالاب کے اندر مچھلیوں کو فروخت کیا تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے اس کی بیع فاسد ہوگی، لیکن خریدنے والے نے جب خرید لیا اور اس پر قبضہ کرلیا اور پھر بازار میں لے جاکر اسے فروخت کیا تو اس کا فروخت کرنا اور بازار میں خریداروں کا خریدنا یہ سب صحیح اور اس کا استعمال کرنا بھی صحیح، لیکن خریداروں کے لئے جو اب مچھلی کے فروخت کرنے کے بعد رقم آرہی ہے اس رقم کا استعمال کرنا اس کے لئے جائز ہوگا یا نہیں ہوگا؟ ایک علیحدہ مسئلہ ہے، لیکن مارکیٹ سے جو خریدنے والے لوگ ہیں ان کے لئے ان مچھلیوں کا استعمال کرنا جائز ہوگا، لیکن از خود مچھلیاں اس نجی تالاب کے اندر اور حوض کے اندر آگئی ہیں یا سیلاب اور بارش کی وجہ سے اس میں مچھلیاں پیدا ہوگئی ہیں تو اس سلسلہ میں اباحت اصلیہ کو اور احراز و قبضہ اور ان تمام چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ متعین کرنا ہوگا کہ کس شکل کے اندر صرف ملکیت ثابت ہوئی اور کس شکل کے اندر ملکیت اور قبضہ دونوں کا تحقق ہوچکا ہے، اسی لحاظ سے بیع کے فساد اور بطلان کا حکم لگایا جائے گا، لیکن بیع کے بطلان کی شکل میں تو پھر جو رقم حاصل ہوگی تالاب کے مالک کو اس رقم کا استعمال کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، لیکن جن خریداروں نے بازار میں خریدا ہے مچھلیوں کو ان کے لئے اس کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔

مولانا جمیل احمد (دار العلوم وقف):

حکومت کی مملوکہ چیزیں ہونے کے بعد ان کو اگر اجارہ پر دیا جائے تو اسمیں کوئی مضائقہ نہیں، یہاں معقود علیہ نہ مچھلی ہے، نہ معقود علیہ حق اصطیاد ہے، بلکہ معقود علیہ منفعت اصطیاد ہے اور اس سلسلہ میں شامی کی عبارتیں بھی شاہد ہیں حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت نقل کی گئی ابو الزناد نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا ہے: "**کتبت إلی عمرؓ في بحيرة يجتمع فيها السمک أنؤجرها؟ فکتب إلی أن افعل وهو غير بعيد عن القواعد**"۔ ابو الزناد یہ لکھتے ہیں کہ مچھلیاں جو بحیرہ کے اندر جمع ہو جاتی ہیں تو کیا ہم ان کو کرایہ پر دے سکتے ہیں تو عمر بن الخطاب نے جواب کے اندر کہا کہ یہ کام کرو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور علامہ شامی بعد میں لکھتے ہیں: "**وهو غير بعيد عن القواعد**" یعنی یہ قواعد کے کوئی خلاف بھی نہیں ہے۔"**ومرجعه إلی إجارة موضع مخصوص لمنفعة معلومة هي الاصطياد**"۔ یعنی اصل بات یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص حصہ کا اجارہ ہے، منفعت معلومہ کے لئے اجارہ ہے، وہ منفعت معلومہ اصطیاد ہے، تو اس کے لئے حق اصطیاد کا لفظ استعمال ہی نہ کیا جائے وہ منفعت اصطیاد ہے، مثلاً ایک آدمی نے زمین کرایہ پر لی کھیل کا نفع اٹھانے کے لئے، ایک آدمی نے زمین کرایہ پر لی جلسہ کرنے کے لئے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہ درست اور جائز ہے، لیکن اسی وقت ہے جب کہ ندی نالوں کو حکومت کی مملوکہ چیز مان لیا جائے۔ آگے ایک "بحر الرائق" میں عبارت نقل کی گئی امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں وہ حماد سے روایت کرتے ہیں وہ عبد الحمید بن عبد الرحمن سے انہوں نے عمر بن عبد العزیز کو لکھا اور سوال کیا "**عن بيع صيد الآجام**......" کہ بیع یہاں صید کی بیع سے مراد وہ بیع نہیں اجارہ ہی ہے، اس لئے کہ اجارہ کے لئے بھی بیع کا لفظ بول دیا جاتا ہے، فقہاء کے یہاں اس روایت میں ہے: "**فکتب إليه عمر أنه لا بأس**" اس میں کوئی حرج نہیں، مچھلیوں کا شکار کرنے کے لئے تالاب کو کرایہ پر دے دیا جائے اور عرفاً جو ٹھیکہ کا لفظ استعمال کیا ہے یہ بھی اجارہ ہی کے لئے ہے، یہ بیع کے لئے نہیں ہے۔

یا وہ تالاب کہ جس کے اندر مچھلیاں چھوڑی گئیں اور بچہ اس میں ڈالا گیا تو اس کے بارے میں ایک درخواست کردوں گا کہ فقہاء نے اس میں ایک فرق بیان کیا ہے، ایک تو ہے عین کا مجہول ہونا، یعنی اگر مجہول ہوتا ہے کہ یہ چیز موجود ہے یا نہیں تو واقعتاً یہ بیع باطل ہے، یہ بیع درست نہیں، جائز نہیں، فاسد ہے، ایک ہے مقدار کا مجہول ہونا، مقدار کے مجہول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چیز تو موجود ہے یقینی طور پر موجود ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کی مقدار کیا ہے؟ تو فقہاء یہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی چیز کی عین معلوم ہو اور مقدار مجہول ہو، شاید اس کی طرف اشارہ کردیا جائے تو اس کی بیع کے اندر کوئی مضائقہ نہیں، جیسے ایک آدمی غلہ کا ڈھیر فروخت کرتا ہے، تو جن تالابوں کے اندر مچھلیاں چھوڑی جاتی ہیں تو بالعموم ہم نے دیکھا کہ وہ مچھلیاں نظر آتی ہیں ساری نظر نہیں آتیں لیکن ان کا ایک مخصوص حصہ نظر آتا ہے تو اگر یہ کہہ کر ان کو بیچا جائے کہ اس تالاب کے اندر یہ مچھلیاں اتنے پیسوں میں ہم نے فروخت کی اور وہ تالاب مملوک ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ مچھلیاں مملوک بھی ہیں مقدور التسلیم بھی ہیں، اور ان میں مقدار کی جہالت اشارے کی وجہ سے بالکل ختم ہوگئی یہ جہالت اثر انداز نہیں ہوگی بیع کے فساد میں، تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ندی نالے کی شکل میں اجارہ کی صورت اور تالابوں کی شکل کے اندر بغیر شکار کئے ہوئے مچھلی کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ:

اس سلسلہ میں ایک درخواست چھوٹی سی یہ ہے کہ مولانا نے شامی کی طرف جو بات منسوب کی ہے تو وہ شاید اوپر سے پڑھا جائے تو یہ خیر الدین رملی کا قول ہے، شامی کی رائے یہ نہیں ہے۔ دوسری بات حضرت عمر فاروق کی طرف اس قول کا انتساب ایک ایسی غلطی ہوگئی ہے جو مسلسل بلا تحقیق ہوتی چلی آئی، یہ دراصل حضرت عمر بن عبد العزیز کا مسئلہ ہے یہ ابوالزناد کی لقاء یا ابوالزناد نے حضرت عمر کا دور نہیں پایا ہے، ان کا وصال ۱۳۰ھ میں ہوا ہے اور پیدائش ان کی ۱۹۰ھ یا

۱۲۶ھ میں ہوئی ہے۔ اس لئے کوئی سوال نہیں ہے کہ انہوں نے نقل ہو حضرت عمر فاروقؓ کو یا عمر بن عبدالعزیز کی بات ہو سکتی ہے اور جس کتاب کا حوالہ دیا ہے کتاب الخراج امام ابو یوسف کا اس کتاب کو اگر آپ نکال کر دیکھیں تو اس میں پائیں گے آپ کہ یہ قول عمر بن عبدالعزیز کا ہے۔ در حقیقت تحریر میں یہ غلطی ہے جس غلطی کو بار بار دہرایا جا رہا ہے تو میں اس وضاحت کے بعد میں آگے بڑھتا ہوں۔

مولانا محمد آل مصطفیٰ مصباحی:

جب ندی نالے خشک ہو جاتے ہیں تب بھی سے ٹھیکہ پر دیا جاتا ہے مثلاً اس سال بارش نہیں ہوئی اور وقت آ گیا ٹھیکہ پر دینے کا جب ہی ٹھیکہ پر دیا جاتا ہے۔ تین سال کے لئے یا دو سال کے لئے دیا ہوتا ہے۔ اس لئے اسے حق مصطیاد کا ٹھیکہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس لئے یہ متعین ہے کہ یہ اجارہ مچھلیوں کا ہوتا ہے جو احتمال کے تین پر اجارہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہے۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ فقہاء کرام نے جو اس مسئلہ کو اٹھایا ہے اس میں حق مصطیاد کا لفظ کہیں نہیں ہے، بلکہ صاحب درمختار ہوں یا علامہ شامی وغیرہ ہوں سب نے تالاب کے اجارے کی بات کی ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے سے لے کر اب تک جو اس سلسلے میں معاملات اور عمل چلا آ رہا ہے وہ حق اصطیاد کا اجارہ نہیں ہے کہ وہ بحث یہاں اٹھائی جائے اور حق مؤکد کہہ کر اس کے جواز کی راہ فراہم کی جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ چونکہ حق اصطیاد حق مؤکد ہے، اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ندی اور تالوں میں جو الفاظ اجارہ کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں وہ لفظ ٹھیکہ استعمال کیا جاتا ہے عربی میں اجارہ جو ہے اردو زبان میں ہو اور ٹھیکہ کا لفظ میرے خیال میں یہ اجارہ کے مرادف ہے، اس لئے بیع کا یہاں پہلو نہیں ہوتا، بلکہ اجارہ کا ہی پہلو ہوتا ہے، اور اجارہ کا پہلو حق اصطیاد میں نہیں، بلکہ صرف ندی اور تالاب میں ہے۔

مفتی شبیر احمد صاحب میرٹھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، تالاب اور نہر کے متعلق جو بحث چل رہی ہے اس میں کچھ باتیں ایسی بھی آئی ہیں جو قابل غور ہیں، ایک بات ابھی جو قاسمی صاحب بھی فرما رہے تھے صاحب بحر اور شامی نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحب بحر نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے خط کا جواب جو نقل کیا ہے اس کے بعد آخر میں انہوں نے کہا ہے کہ ثم رأیت فی ...... کہہ کر کے عبارت انہوں نے نقل کی اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے خط کا جواب جو تھا اس کو رد کر دیا ہے، اور یہ جو بار بار کہا جا رہا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر جو ہے اس کے بارے میں کہ یہ نص قطعی ہے، نص قاطع ہے یہ بار بار کہا جا رہا ہے۔ تو غور طلب بات یہ ہے کہ یہ نص قاطع ہے نہ ایسی روایت جس کی دلیل ایسی جانی ہو یا مانی جا سکتی ہو، بہر حال یہ صحابی کا اثر ہے قابل دلیل ہے، ظنی الدلالۃ ہے۔ اس میں تاویل کی بھی گنجائش ہے، اور ثبوت بھی قطعی ہے کہ نہیں ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اس نص کے مخالف ہونے کی وجہ سے جو اجارہ یا عقد ناجائز ہونا چاہئے ٹھیک ہے، لیکن حضرات فقہاء نے اس پر بحث کرتے ہوئے عمومی طور پر عموم بلوی اور لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اجازت دی ہے، ایک آدھ عبارت میں آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں: راقم نے ایک عبارت نقل کی ہے بہت واضح عبارت ہے: "فلا یصح إجارۃ ..... لصید السمک ورفع القصب وقطع الحطب أو لسقي زرعه أو غنمه وکذا إجارۃ المرعی والحیلۃ في الکل أن یستأجر موضعا معلوما ....." عبارت میرے خیال میں زیادہ مسئلہ کے حل کے لئے مددگار ہوگی۔ "ہندیہ" نے ایک عبارت نقل کیا ہے: "فلا یجوز إجارۃ ماء في نهر وقناۃ أو بئر وإن استأجر النهر أو القناۃ مع الماء لم یجز أیضا لأن فیه استهلاک العین أصلا والفتوی على الجواز لعموم البلوی" اسی طرح کی عبارت صاحب "مرقاۃ" نے بھی نقل کیا ہے اس قسم کی عبارت کے ذریعہ سے مسئلہ کا حل ہو سکتا ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی مناسب ہے کہ نہر اور بڑے تالاب سے متعلق بات

ہوئی ہے، جیسے قاضی صاحب نے فرمایا ہے یہ مسئلہ تو واضح ہو چکا ہے کہ اس کو شکار کرنے کا حق جو ہے اس پر بیع ہوتی ہے۔ بیع اسی پر ہوتی ہے مچھلی پر بیع نہیں ہوتی اور حق بیع سے متعلق ہمارا سیمینار بھی ہو چکا ہے اور بحث ہو چکی ہے۔

مولانا محمد مصطفیٰ مفتاحی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مچھلیوں کی بیع کے تعلق سے گفتگو ہو رہی ہے، اس سلسلے میں مقالہ نگار حضرات کے آراء کی جو تلخیص آئی ہے اس میں کسی کسی نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے بیع کی کسی شکل کو ناجائز لکھا ہے، بیع کی ایک قسم باطل ہے اور دوسری قسم فاسد ہے ناجائز کا لفظ عام ہے، باطل اور فاسد دونوں کو شامل ہے، اس لئے وضاحت ہونی چاہیے اور صاف آنا چاہیے کہ ناجائز سے مراد کیا ہے باطل ہے یا فاسد ہے، دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ "فیض الباری" میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بیوع فاسدہ کے تعلق سے یہ بات لکھی ہے کہ بیوع فاسدہ کے جواز و عدم جواز کا تعلق عوام کے باہمی معاملات سے نہیں ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ اگر اپنے طور پر جو کچھ کرتے ہیں جائز ہے، اس کا تعلق صرف عدالت اور قضاء سے ہے، مچھلیوں کی بیع پر جب ہم گفتگو کر رہے ہیں تو ہم چاہیں گے کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی اس عبارت کو بھی اور وضاحت کو بھی سامنے رکھیں تو نتیجہ تک پہنچنے میں ہمیں سہولت ہوگی۔

مولانا مجیب اللہ ندوی صاحبؒ:

ابھی قاضی صاحب نے فرمایا تھا کہ اس میں صورت مسئلہ کیا ہے، یعنی معقود علیہ اس میں حق اصطیاد ہے یا سمک ہے میں نے اس سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ حق اصطیاد اگر ہے تو کیا بیع موقت صحیح ہوگی؟ اگر اسے بیع قرار دیتے ہیں تو کیا بیع موقت مطلقاً آپ فقہ میں پڑھتے ہیں کہ وہ صحیح نہیں ہے تو اس میں اجارہ اگر قرار دیں حق کا اجارہ تو وہ تو بات ہو سکتی ہے، لیکن اسے بیع قرار

دیں تو ذرا یہ قابل غور ہے، یہ سوال میرے ذہن میں تھا میں نے اٹھا دیا۔

ندی یا تالاب کے اجارہ یا ٹھیکہ کے سلسلہ میں اگر معقود علیہ کو حق اصطیاد ٹھہرایا جائے تو اس میں کچھ تفصیل یہ ہے کہ حق اصطیاد خصوصی ہے یا عمومی اگر حق اصطیاد خصوصی ہے، مثلاً کسی کے ذاتی تالاب میں اس کی مملوک مچھلیاں ہیں تو یہ حق اصطیاد خصوصی ہے اور حق خصوصی کا اجارہ اور اس کا ٹھیکہ دینے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی ہے اور دوسرا حق اصطیاد عمومی ہے تو اس میں تفصیل ہے حق اصطیاد کسی شخص کے ذاتی زمین میں ہوگا کسی کے ذاتی تالاب میں ہوگا۔ اور دوسرے یہ ہے کہ وہ حق اصطیاد کسی شخص کے ذاتی تالاب ذاتی زمین میں نہ ہو جیسے سمندر بڑے بڑے تالاب ندی نالے وغیرہ اگر وہ کسی شخص کے ذاتی تالاب میں ہے تو اس میں اس اس کو حق اصطیاد کی بناء پر اجارہ پر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تمام مسلمان مشترک اور عمومی ہیں، البتہ زمین کا حیلہ اختیار کرنا اس میں لابدی وضروری ہوگا زمین کو اجارے پر دے، اور حق اصطیاد عمومی جو ہے مثلاً بڑے تالاب، ندی، نالے وغیرہ تو اس میں اس کے اجارہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اجارہ پر دینے میں عوامی فائدہ اس سے زیادہ ہو جو باقی رکھنے میں ہے تو اس کا اجارہ پر دینا جائز ہے اور یہ خاص ہے امام کے لئے کہ امام ایسا کرسکتا ہے یا جس کو وہ اپنا وکیل بنادے کہ تم کو ایسا کرنے کی اجازت ہے وہ کرسکتا ہے اور اگر اس میں عوام کا فائدہ کم ہے اور اس کو مباح رکھنے میں زیادہ ہے اور تخصیص کرنے میں کم ہے فائدہ تو اس صورت میں کسی کو حق اجارہ کی تخصیص کرنا جائز نہیں۔

محی الدین صاحب:

حق اصطیاد کے بارے میں یہ عرض ہے کہ ایک جو مملوک تالاب یا چھوٹے تالاب یا محدود ہیں ان کے بارے میں تو مچھلی کی بیع ہی شمار ہو، لیکن جو بڑی ندیاں، دریا اور سمندر میں اس میں جو سرکار ٹھیکہ دیتی ہے تو اس بارے کے اندر حق اصطیاد کے متعلق ہم سوچ سکتے ہیں اور اس پر بحث ہوسکتا ہے یہ مسئلہ اب اس میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ جو حکومتیں جس طرح ان کا حق زمینوں پر

ہے اور زمینوں میں وہ حق مرور کا اختیار رکھتی ہیں تو اسی طرح سمندر میں حق مرور کا اختیار حکومتوں کو ہے، جیسا کہ اس زمانے میں حق مرور خاص طور پر استعمال ہوتا ہے تو اس لحاظ سے اگر ان حکومتوں کو حق اصطیاد مل رہا ہو اور وہ اس لحاظ سے ٹھیکہ پر دے رہی ہوں تو یہ ٹھیکہ جائز ہو سکتا ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب:

مسئلہ کی مزید تنقیح کر لی جائے اور جو کمیٹی بیٹھے وہ ان سوالات اور ان تنقیحات کا جواب طے کرے ان مباحث کی روشنی میں جو ہمارے علماء اور فقہاء نے آج صبح سے اب تک یہاں کی ہیں، صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا ذاتی تالاب ہے اور اس میں وہ مچھلی پالتا ہے، مچھلی پالتا نہیں مگر اس میں مچھلیاں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ اس کا شکار خود کرتا ہے یا کسی اور سے کراتا ہے اپنے لئے یا اس کو ایک مدت معینہ کے لئے اجارہ پر دے دیتا ہے، ٹھیکہ پر دیدیتا ہے کہ اتنی مدت تک اس مچھلی کا جو اس پانی میں ہے شکار کرنے اور اس سے مچھلی نکالنے کا فلاں شخص کو حق حاصل ہوگا، دوسری صورت وہ جائداد وہ تالاب کسی شخص کی ذاتی ملک نہیں ہے، بلکہ غیر مزروعہ عام ملک سرکاری ہے، اور سرکاری معروف قواعد کے مطابق گرام سماج کی یا پنچایت کے مصرف کی چیز سمجھی جاتی ہے، گرام سماج یا گرام پنچایتیں اس کو بندبستی پر دیتی ہے اور اس سے آنے والی آمدنی کو سرکار کے مصرحہ قانون کے مطابق اس گرام اس بستی کے مفاد عامہ کے مصارف پر صرف کیا جاتا ہے۔ تیسری صورت عام ندی نالے ہیں جن میں مچھلیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں، عام ندیاں اور عام نالے، نہریں، چاہے وہ سرکار کی تیار کی ہوئی نہریں ہوں یا وہ قدرتی طور پر بہنے والی ندیاں ہر دو صورتوں میں سرکار کی ملک تصور کی جاتی ہیں، جب تک سرکار کسی شخص کو کسی خاص حصے کو کسی خاص مدت کے لئے کسی خاص شخص کو کسی خاص رقبے کو کسی خاص مدت کے لئے اجرت لے کر مخصوص نہیں کر دیتی تب تک اس میں جو چاہے شکار کرتا ہے، مچھلیاں نکالتا ہے، لیکن جب سرکار اس کو کسی شخص کے نام خاص اور محدود رقبے کی حد تک اور خاص اور مخصوص مدت کی حد تک اجرت لے کر

کسی شخص کو دیدیا تو پھر دوسرے لوگوں کے لئے اس میں شکار کا حق نہیں ہوتا ہے، چوری چھپے کر لے الگ بات ہے، لیکن پھر یہ عرف ہے کہ کبھی بنسی سے شکار کو اعتراض نہیں کیا جاتا، لیکن اگر جال ڈال کر شکار کرے گا تو اسکو روکا جاتا ہے ان ساری صورتوں میں سوال یہ ہے، لیکن باقی صورتوں میں سوال یہ ہے کہ یہ بیع ہے یا اجارہ؟۔ پہلا سوال۔

پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ بیع ہو یا اجارہ بہر صورت معقود علیہ سمک ہے یا معقود علیہ حق اصطیاد ہے، پھر تیسرا سوال اگر معقود علیہ حق اصطیاد ہے تو یہ حق مؤکد ہے یا یہ حق مجرد ہے، اس کے بعد اس پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام غیر شخصی جائدادیں، تمام وہ جائداد جو کسی مملکت میں چاہے وہ جائداد بری ہو یا بحری ہو جو کسی شخص خاص کی ذاتی ملک نہیں ہے وہ ساری کی ساری جائداد حکومت کی ملک مانے جائیں یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں یہ کہیں کہ عوام کی اجتماعی ملک تصور کی جائیں گی یا نہیں؟ اور عوام کی اجتماعی ملک میں کوئی فرد بحیثیت فرد مالک نہیں ہوسکتا، لیکن جو ان افراد کے مجموعہ کا نام دولت ہے، مملکت ہے وہ ان افراد کی اجتماعی ملک کی نمائندگی کرتی ہے یا نہیں۔

اگر نہیں کرتی ہے تو عوام میں سے مختلف افراد کا زیادہ سے زیادہ ان املاک سے استفادہ کی کوشش کرنا اور اس کی وجہ سے مفادات کا ٹکراؤ پیدا ہونا اور اس کی وجہ سے تنازع اور خصومت کے پیدا ہونے کا کیا حل ہوگا؟ اور اگر اس کو ہم محسوس کرتے ہیں کہ عوام کے اجتماعی مفادات جس میں حق ہر فرد کا ہے، مگر ملک جماعت کی ہے حق استفادہ اور انتفاع ہر فرد کا ہے اور ملک اجتماعی ہے ایسی صورت میں ایسے اصولوں کا انضباط حکومت کی طرف سے ہوگا جس کے تحت تنازع نہ پیدا ہو، پھر حکومت کے کسی تصرف کو دولت اور امام کے کسی تصرف کو اس کسوٹی پر جانچنا کہ ”تصرف الامام منوط بالمصلحۃ“ جو قواعد میں ایک بنیادی حیثیت ہماری دستوری فقہ میں رکھتا ہے کہ امام اور حکومت کے کسی بھی تصرف کو ہم اس صورت میں چیلنج کر سکتے ہیں کہ اس کا تصرف مفاد عامہ میں کس حد تک ہے اور پھر یہ مسئلہ قضاء میں جاتا ہے کہ قاضی یہ طے کرے کہ امام کا کونسا تصرف اگر

اس کے سامنے کوئی درخواست آتی ہے مفاد عامہ کی جس کی وہ نمائندگی کر رہا ہے اس کے مطابق ہے اور کونسا تصرف مصلحت عوام کے خلاف ہے وہ اس کو باطل کر سکتا ہے اور مصلحت عام کے مطابق ہے تو وہ نافذ کر سکتا ہے یہ ایک دستوری قانون کا حصہ ہے، جو یہ سوال بار بار ہم لوگوں کے ذہن میں آرہا ہے کہ حکومت کا کیا استحقاق ہے نہیں ہے؟ یہ حصے جو ضمنی طور پر اس سوال میں پیدا ہوئے ہیں۔

آگے چلئے؟ کیا اس بات کا تعین وہ تمام محل جو صراحتاً مورد نص میں آتے ہیں وہ تمام محل جو اس نص کے مورد کے طور پر متعین ہیں قطعی طور پر کہ تالابوں میں رہتے ہوئے مچھلی کی بیع کر دینا جائز نہیں ہے۔ "لاتبیعوا السمک فی الآجام" یا "لاتبیعوا السمک قبل أن یصطاد" ۔تو مچھلی کے تالاب میں رہتے ہوئے بیع کر دینا جائز ہے، میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ یہ حسن ہے یا کیا ہے؟ لیکن یہ مان کر کہ یہ نص اپنے موضوع پر نص ہے اور قطعی صراحت کا درجہ رکھتی ہے، تو تھوڑی دیر کے لئے اس کی سند کی بحثوں کو اور حسن اور صحت وغیرہ کی بحثوں سے الگ ہو کر، پھر اس میں کئی بحثیں ہیں کہ اگر قول ابن عمر بھی ہے تو "فیما لا یدرک بالقیاس" ہے یا "ما یدرک بالقیاس" ہے، میں ان بحثوں میں ابھی نہیں جانا چاہتا اور میں صرف آپ حضرات سے جو اس کمیٹی میں بیٹھیں گے اور دیگر علماء سے بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس پر اب ایک اور پہلو سے غور کریں کہ اس کا صحیح تجزیہ کریں کہ اس مسئلہ میں واقعی حاجت اس صریح مورد کو چھوڑ کر اس مسئلہ میں واقعی حاجت اور عالم بھر کا تعامل کیا اس درجہ میں ہے کہ اگر فقہ حنفی کی کوئی صراحت اس کے لئے جواز کی گنجائش نہیں نکالتی تو کیا اس کی گنجائش ہے؟ ضرورت اور حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ضرورت اس درجہ کی ہے؟ کہ اس مسئلہ میں جیسا کہ ڈاکٹر نے فرمایا کہ حنابلہ کے یہاں اس کا جواز ہے، اسی لئے میں نے "المغنی" بھی منگائی تھی، صاحب المغنی کہتا ہے کہ: "ولو استاجر البرکة أو الشبکة واستعارهما للاصطیاد جاز وماحصل فیها ملک" تو یہ ہے اور اس کے آگے پیچھے بھی دیکھ، تو مسلک حنابلہ کا صحیح تعین، ضرورت اور حاجت کا صحیح تعین

اور عدول عن المسلک کے اصولوں کے مطابق کیا اگر ایسی ضرورت ہے تو اس صورت میں آپ کے لئے حنابلہ کے اس مسلک پر فتوی دینا صحیح ہوگا یا نہیں ہوگا؟ جیسے حضرت تھانوی نے بکریوں کی پرورش حصہ داری کے ساتھ جیسے بٹائی داری کے ساتھ کرنے کی اجازت دی اور فرمایا کہ حنفیہ کے یہاں گنجائش نہیں، لیکن عرف عام ہے تعامل تو خیر ہے ہی، ضرورت عام ہے، اس لئے اس میں فقہ حنبلی کے جزئیہ پر عمل کیا جانا چاہئے، بہرحال میں نے کہا کہ یہ سارے وہ سوالات ہیں جن کو بھیجنے والی کمیٹی بھی اور دوسرے فیصلہ کرنے والے حضرات بھی محض ایک سوال کی حیثیت سے ذہن میں رکھ کر کوئی بہتر واضح تجویز اس کے لئے طے کریں۔ یہ ہماری درخواست ہے۔

☆☆☆